ابنِ صفی

جلد نمبر
4

جاسوسی دنیا

12- موت کی آندھی

13- ہیرے کی کان

14- تجوری کا گیت



عجیب حادثے

اس وقت دلکشا ہوٹل کے عظیم الشان ہال میں بے شمار آدمی قہقہوں مسکراہٹوں اور سرگوشیوں کے طوفان میں بہے جارہے تھے۔ سردی اپنے شباب پر تھی۔ حالانکہ ابھی صرف سات بجے تھے لیکن ایسا معلوم ہورہا تھا جیسے کافی رات گذر گئی ہو۔ ہال کے اسٹیج پر ایک مصری رقاصہ تھرک رہی تھی۔ ناچ کوئی خاص نہ تھا۔ یوں ہی معمولی سا۔ رقاصہ بھی کچھ زیادہ حسین نہ تھی۔ وہ ابھی حال ہی میں اس شہر میں وارد ہوئی تھی اور اس نے دو ماہ کے لئے دلکشا والوں سے کنٹریکٹ کر لیا تھا۔ وہ رہتی بھی وہیں تھی۔ دو خوبصورت اور کافی بڑے کمرے اُس نے کرائے پر لے رکھے تھے۔ وہ ناچتی رہی آرکسٹرا کی مغموم موسیقی سے معلوم ہورہا تھا کہ وہ کوئی المناک رقص ہے۔ بہرحال وہ اس طرف کے لوگوں کے لئے قطعی ناقابل فہم تھا۔ ہال میں بیٹھے ہوئے لوگ تو محض اس کے گداز جسم کی نمائش میں دلچسپی لے رہے تھے۔ رقاصہ خوبصورت تو نہ تھی لیکن جوان ضرور تھی۔ اُس کا کھلتا ہوا گندمی رنگ چند بیقرار بجلیوں پر چڑھا ہوا ایک غلاف معلوم ہوتا تھا اور دوران رقص میں تو ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے غلاف پھٹ جائے گا اور سارے اسٹیج پر بجلیاں کوندنے لگیں گی۔ اس نے اس وقت سفید ساٹن کی چمکدار اور ڈھیلی ڈھالی شلوار پہن رکھی تھی جس کے پائینچے ٹخنوں کے قریب پہنچ کر بالکل تنگ ہوگئے تھے۔ گلے میں ایک مختصر سی جیکٹ

تھی جس پر چمکدار تاروں سے کشیدہ کاری کی گئی تھی جب وہ دائرہ بنا کر جھومتی ہوئی رقص کرتی تو کئی ٹھنڈی سانسیں لے کر کرسیوں کی پشت سے ٹک جاتے۔

اس پورے مجمع میں صرف ایک نوجوان بہت زیادہ پریشان نظر آرہا تھا۔ اس نے جدید طرز کا ایک نفیس اور قیمتی سوٹ پہن رکھا تھا لیکن اس کے بے اطمینانی اور بے چینی سے صاف ظاہر ہورہا تھا کہ وہ اس قسم کے لباس کا عادی نہیں ہے۔ وہ اپنی ٹائی کی گرہ کو بار بار اس طرح چھونے لگتا تھا جیسے اس کی گردن میں درد ہورہا ہو۔ وہ ایک چھوٹی سی میز پر تنہا بیٹھا تھا۔ سامنے بیر کی بوتل اور ایک گلاس رکھا ہوا تھا۔

رقاصہ ناچتے ناچتے پردے کے پیچھے چلی گئی اور ہال تالیوں سے گونج اٹھا۔ اس نوجوان نے اپنے ماتھے پر سے پسینے کی بوندیں پونچھیں اور کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ وہ بار بار اپنی کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ کبھی کبھی وہ گھبرائی ہوئی نظروں سے اپنے قریب بیٹھے ہوئے لوگوں کو بھی دیکھ لیتا تھا۔ تھوڑی دیر بعد آرکسٹرا کی دھنیں پھر گونجنے لگیں اور رقاصہ اس بار اپنے ہاتھ میں خنجر لئے گھونگھروؤں کی آواز فضا میں بکھیرتی ہوئی اسٹیج پر نمودار ہوئی اس بار اُس کے رقص میں غم انگیز اضمحلال کی بجائے ایک وحشیانہ پھرتی اور موسیقی خیز جنگلی پن تھا۔ طبلے کی تھاپ پر اُسکے سارے جسم میں عجیب قسم کی جھٹکے دار لرزش پیدا ہوجاتی تھی۔ ایسا معلوم ہورہا تھا جیسے وہ ناچ ناچ کر اپنے خیالی دشمنوں کے سینوں پر پوری قوت سے وار کررہی ہو۔

مضطرب نوجوان کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں اور وہ میز پر کہنیاں ٹیک کر آگے کی طرف جھک گیا۔ اُس کے ماتھے پر پھر ننھی ننھی بوندیں پھوٹ آئیں تھیں۔ وقت گذرتا جارہا تھا۔ ہال آہستہ آہستہ خالی ہونے لگا۔ گیارہ بجے تک بہت تھوڑے آدمی رہ گئے۔ وہ نوجوان ابھی تک وہیں بیٹھا تھا۔

پھر رقص ختم ہوگیا۔ آرکسٹرا کی دھنیں خاموشیوں میں کھو گئیں۔ رقاصہ اوپری منزل میں اپنے کمرے میں چلی آئی۔ اُس کے وہاں سے آنے کے بعد وہ نوجوان بھی لڑکھڑاتا ہوا زینے طے کررہا تھا۔ اس کی یہ لڑکھڑاہٹ نشہ سے زیادہ گھبراہٹ اور بے چینی کا نتیجہ تھی۔ صاف ظاہر ہورہا تھا کہ اُس پر خوف طاری ہے۔

رقاصہ کا نام حسینہ تھا اپنے کمرے میں آکر قدِ آدم آئینے کے سامنے کھڑی ہوگئی۔ تھوڑی

دیر تک وہ خاموش کھڑی رہی پھر اُس نے میز کی دراز سے ایک شیشی نکالی ایک گلاس میں پانی لیا اور شیشی سے کوئی سیال شے پانی میں انڈیل کر پی گئی.... چند لمحوں کے بعد ایسا معلوم ہونے لگا جیسے اُس کی آنکھیں نشے سے بوجھل ہوئی جا رہی ہوں.... وہ پھر آئینے کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔ اس نے اپنا جیکٹ اتار پھینکا۔ بال بکھیر دیئے وہ نیم عریاں حالت میں وحشیانہ قہقہے لگا رہی تھی.... آئینے میں دیکھ دیکھ کر وہ بُرے بُرے منہ بناتی رہی.... پھر اُس نے چند سکے مٹھی میں دبا کر ہوا میں اچھالے اور فرش پر دوزانو بیٹھ کر انہیں دیکھنے لگی.... "سب پٹ" وہ بڑبڑائی۔ "ایک بھی چت نہیں.... تو ابھی وقت نہیں آیا۔ خیر میں انتظار کروں گی۔" پھر وہ تھوڑی دیر تک بیٹھی جھومتی رہی۔ پھر اُس نے اپنی شلوار کے نیفے میں اُڑسا ہوا ایک سفید رومال نکالا اور اُسے بوسہ دے کر کہنے لگی "اے مقدس امانت میں نے ابھی تک تیری حفاظت کی ہے۔ میں وادئ نیل کی بیٹی انتقام لے کر رہوں گی.... وہ خون جو سمندر کی ریت پر بہایا گیا.... وہ خون جس کا ایک قطرہ میں بھی ہوں.... وہ خون اپنا قصاص چاہتا ہے۔" اس کی آواز رفتہ رفتہ دردناک ہوتی جا رہی تھی۔ "وہ خون مجھے پکار رہا ہے.... خونِ ناحق.... میں کتنا روئی تھی.... میں نے ذلت کی زندگی اختیار کی.... مجھے عصمت فروشی پر مجبور ہونا پڑا.... کاش جلد ہی وہ موقع آ جاتا کہ میں آگ کے قریب اس مقدس امانت کو لے جاتی.... ہیہات.... میری روح بے دین ہے انتقام انتقام....!"

وہ گھبرایا ہوا نوجوان دبے پاؤں اُس کے کمرے میں داخل ہوا۔ اُس کے ہاتھ میں ایک چمکتا ہوا خنجر تھا.... وہ اتنی آہستگی سے رقاصہ کے پیچھے پہنچ گیا کہ اُسے خبر تک نہ ہوئی لیکن نوجوان پر لرزہ طاری تھا اُس نے ایک ہاتھ سے تو رقاصہ کا رومال چھینا اور دوسرے ہاتھ سے اس پر خنجر کا وار کیا.... رقاصہ چیخ کر پلٹی لیکن وہ دوسرے لمحے میں کمرے سے باہر تھا۔

"میرا رومال....!" قاصہ چیخی وہ خوف زدہ نظروں سے سامنے پڑے ہوئے خنجر کو دیکھ رہی تھی۔ گھبراہٹ میں اجنبی کا وار خالی گیا تھا۔ وہ چند لمحوں تک سکتے کے عالم میں بیٹھی رہی پھر اچانک چیختی ہوئی دروازے کی طرف جھپٹی.... تھوڑی دیر بعد وہ نیم برہنہ حالت میں پورے ہال میں چیختی پھر رہی تھی۔ "میرا رومال.... میرا رومال" لوگ کرسیوں سے اٹھ اٹھ کر اس کے گرد اکٹھا ہونے لگے۔

"شائد کافی چڑھ گئی ہے۔" ایک آدمی ہنس کر بولا۔

"معلوم یہی ہوتا ہے۔" دوسرے نے کہا۔

دفعتاً باہر فٹ پاتھ پر پستول چلنے کی آواز سنائی دی.... اور پھر ایک چیخ.... لوگ رقاصہ کو چھوڑ کر اُس کی طرف متوجہ ہو گئے۔ فٹ پاتھ پر بھیڑ لگ گئی تھی۔ وہی نوجوان جو رقاصہ کا رومال لے کر بھاگا تھا خون میں لتھڑا پڑا تھا.... رقاصہ بھی بھیڑ کو چیرتی ہوئی اس کے پاس پہنچ گئی۔

"یہی تھا.... یہی تھا۔" وہ چیخی۔ "مگر میرا رومال۔"

"اوہ تم اسی حالت میں یہاں بھی چلی آئیں۔" ہوٹل کے منیجر نے کہا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچتا ہوا اندر لے جانے لگا.... وہ برابر چیخے جا رہی تھی۔ "میرا رومال میرا رومال" منیجر نے اسے اس کے کمرے میں لے جا کر بند کر دیا۔

باہر فٹ پاتھ پر بھیڑ بڑھتی جا رہی تھی۔ زخمی نوجوان گہری گہری سانسیں لے رہا تھا۔ گولی سینے پر لگی تھی۔ قبل اس کے کہ اُسے ہسپتال لے جانے کا انتظام کیا جاتا زخمی نے دم توڑ دیا۔ سڑک کی ڈیوٹی والے دو تین کانسٹیبل بھی وہاں آ گئے تھے۔ ان میں سے ایک کوتوالی فون کرنے چلا گیا اور بقیہ کانسٹیبل لاش کے قریب سے بھیڑ ہٹانے لگے۔

تھوڑی دیر بعد پولیس آ گئی۔ کوتوالی انچارج انسپکٹر جگدیش کار سے اُترا۔ لوگ لاش کے پاس سے ہٹ گئے۔

راہگیروں نے واقعات بتانے شروع کئے اور پھر کسی نے نیم برہنہ رقاصہ کا بھی حوالہ دیا۔

جگدیش لاش کو دو سب انسپکٹروں کی حفاظت میں چھوڑ کر ہوٹل کے منیجر کے پاس آیا۔

"جی ہاں.... بٹلر کا بیان ہے کہ وہ یہیں سے نکلا تھا۔" ہوٹل کے منیجر نے جگدیش سے کہا۔

"اور وہ عورت....!" جگدیش نے پوچھا۔

"وہ شاید زیادہ پی گئی ہے۔" منیجر نے کہا۔ "میں نے اُسے اُس کے کمرے میں بند کر دیا ہے۔"

"کیا اس سے پہلے بھی وہ کبھی اس حالت میں باہر نکل آئی تھی۔" جگدیش نے پوچھا۔

"کبھی نہیں۔" منیجر نے جواب دیا۔

"ہوں" جگدیش نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "میں اُسے دیکھنا چاہتا ہوں۔"

وہ منیجر کے ساتھ مصری رقاصہ کے کمرے میں پہنچا.... وہ نیم برہنگی کے عالم میں زمین پر چت پڑی تھی۔ غالباً وہ بیہوش ہو گئی تھی۔ جگدیش نے جسم پر چادر ڈال دی اور پھر اُس کی نگاہیں

کمرے کا جائزہ لینے لگیں۔ زمین پر کچھ پیسے پڑے ہوئے تھے قریب ہی ایک چمکدار خنجر اور ایک خالی شیشی پڑی تھی۔ جگدیش نے شیشی کو رومال سے پکڑ کر اٹھایا اور اُسے اپنی ناک کے قریب لے گیا۔

"برومائیڈ.....!" وہ شیشی کا لیبل پڑھتا ہوا بولا۔ "تو اس نے برومائیڈ پیا ہے۔"

پھر وہ منیجر کی طرف مخاطب ہو کر بولا۔

"کیا آپ جانتے تھے کہ وہ برومائیڈ استعمال کرتی تھی۔"

"بھلا میں اس کے متعلق کیا جان سکتا تھا۔" منیجر نے کہا۔

"یہ یہاں کتنے دنوں سے مقیم ہے۔"

"ایک ہفتہ سے۔"

"اس دوران میں اس سے قبل بھی اس کا کوئی رویہ مشکوک نظر آیا تھا۔" جگدیش نے کہا۔

"اس کے متعلق میں کچھ زیادہ نہیں جانتا۔" منیجر نے کہا۔

"وہ آدمی کبھی اس کے ساتھ دکھائی دیا تھا جس کی لاش آپ ابھی دیکھ چکے ہیں۔" جگدیش نے پوچھا۔

"مجھے افسوس ہے کہ اس کے متعلق میری معلومات محدود ہیں۔" منیجر نے کہا۔ "لیکن ٹھہریئے میں اُس ویٹر کو بلاتا ہوں جو ان کمروں پر مامور ہے۔"

تھوڑی دیر بعد ویٹر آ گیا۔

"تمہارا نام.....!" جگدیش نے ویٹر کی طرف کڑی نظروں سے دیکھ کر پوچھا۔

"نسیم.....!"

"یہاں کب سے کام کرتے ہو۔"

"تقریباً ایک سال سے۔"

"تم نے اُس آدمی کی لاش دیکھی۔"

"جی ہاں۔"

"کیا وہ یہاں کا مستقل گاہک تھا۔"

"جی نہیں۔ میں نے اُسے آج پہلے پہل یہاں دیکھا تھا۔"

"یہ تم نے کیسے کہا۔ ممکن ہے وہ اس سے پہلے بھی یہاں آیا ہو۔" جگدیش نے کہا۔

"ہو سکتا ہے لیکن میں نے اُسے پہلی بار دیکھا تھا۔"

"یہ تم وثوق کے ساتھ کیسے کہہ سکتے ہو، یہ ایک بڑا ہوٹل ہے۔ دن بھر میں سینکڑوں آدمی یہاں آتے ہوں گے کیا تم اُن میں سے کسی کو ایک بار یہاں دیکھ کر پھر کسی موقع پر یہ کہہ سکتے ہو کہ وہ یہاں اس سے پہلے بھی آ چکا ہے۔"

"جی نہیں..... یہ ایک بہت مشکل کام ہے۔" ویٹر نے کہا۔

"پھر آخر اس آدمی کے سلسلے میں تم اتنے وثوق کے ساتھ کیوں کہہ رہے ہو۔" جگدیش نے پوچھا۔

"صاحب بات دراصل یہ ہے کہ میں عرصہ دراز سے ہوٹلوں میں ویٹری کر رہا ہوں۔ میری اتنی عمر آئی میں نے آج تک ایسا آدمی نہیں دیکھا جو بیئر میں سوڈا ملا کر پیتا ہو۔"

"کیا مطلب.....!" جگدیش نے چونک کر پوچھا۔

"وہ بیئر میں سوڈا ملا کر پی رہا تھا اور اس کے انداز سے معلوم ہو رہا تھا جیسے اُس نے زندگی میں پہلی بار کسی بڑے ہوٹل میں قدم رکھا ہو۔" ویٹر نے کہا۔

"اوہ.....!" جگدیش نے اُس کی طرف متحیرانہ نظروں سے دیکھا۔

"میں ہی اس کی میز پر تھا۔" ویٹر نے کہا۔ "اُس نے ہکلا ہکلا کر بیئر اور سوڈے کا آرڈر دیا تھا.... انداز گفتگو سے بھی وہ کوئی پڑھا لکھا آدمی نہیں معلوم ہوتا تھا۔"

"کیا تم نے کبھی اُسے اس کے ساتھ دیکھا تھا۔" جگدیش نے بیہوش رقاصہ کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"جی نہیں۔"

"کبھی وہ یہاں اس کے کمرے میں بھی دکھائی دیا تھا۔"

"جی نہیں مجھے تو کبھی دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا۔"

"ہوں.....!" جگدیش کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "اس رقاصہ کے بارے میں تم کیا جانتے ہو۔"

ویٹر اُس کی طرف اس طرح دیکھنے لگا جیسے وہ اس کے سوال کو سمجھا نہ ہو۔

"کیا تم انہیں کمروں کی دیکھ بھال پر مامور تھے۔"

"جی ہاں۔"

"یہاں ان کمروں میں کوئی اُس سے ملنے آتا تھا۔"

"بہتیرے آتے تھے لیکن یہ کسی سے ملتی نہیں تھی۔"

"اس کی کوئی ایسی حرکت جو تمہاری نظروں میں مشکوک ہو۔" جگدیش نے اُس کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

ویٹر کچھ سوچنے لگا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کسی چیز کا فیصلہ کرنے کے سلسلے میں ذہنی کشمکش میں مبتلا ہو۔

"حالانکہ یہ ایک ویٹر کے لئے بہت ہی معیوب اور قابل اعتراض بات ہے۔" وہ ندامت آمیز لہجے میں بولا۔ "لیکن میں بعض اوقات اس سے کمرے میں....!"

ویٹر نے رک کر منیجر کی طرف گھبرائی ہوئی نظروں سے دیکھا۔

"کہو کہو.... رک کیوں گئے۔" منیجر بولا۔

"بہتر یہ ہے کہ آپ اسے تنہائی میں مجھ سے گفتگو کرنے کا موقع دیں۔" جگدیش نے منیجر سے انگریزی میں کہا۔ "ممکن ہے کہ میں ابھی پھر آپ کو تکلیف دوں۔"

"بہتر ہے۔" منیجر نے کہا اور نیچے چلا گیا۔

"ہاں اب کہو۔" جگدیش نے ویٹر سے نرم لہجے میں کہا۔

"منیجر صاحب کے سامنے میری زبان رک گئی تھی اور یہ قدرتی بات ہے۔ بھلا میں یہ کیسے کہہ سکتا تھا کہ میں کرایہ داروں کے کمروں میں جھانکا کرتا ہوں۔" ویٹر نے کہا۔

"خیر خیر آگے کہو۔" جگدیش بے چینی سے بولا۔

"بعض اوقات وہ ایسی حرکتیں کرتی تھی کہ میں اُس کے کمرے میں جھانکنے پر مجبور ہو جاتا تھا۔ اُس کا دستور تھا کہ وہ روز رات کو "ناچ" کے بعد اپنے کمرے میں آکر کوئی چیز پیتی تھی پھر یا تو بالکل برہنہ ہو جاتی تھی یا صرف شلوار پہنے رہتی تھی۔ اس کے بعد وہ کچھ پیسے ہوا میں اچھال کر زمین پر بیٹھ جاتی تھی اور پھر ایک رومال نکال کر کچھ دیر اُسے چومتی چاٹتی رہتی تھی اور ساتھ ہی ساتھ کچھ بڑبڑایا بھی کرتی تھی۔ اکثر پاگلوں کی طرح قہقہے لگا کر اپنا جسم نوچنے لگتی تھی۔"

ویٹر خاموش ہو گیا۔

"کیا وہ اس حالت میں کبھی خنجر بھی نکالا کرتی تھی۔" جگدیش نے پوچھا۔

"مجھے تو کوئی ایسا موقعہ یاد نہیں۔" ویٹر نے کہا۔

"اچھا اب تم جا سکتے ہو۔" جگدیش نے ویٹر سے کہا اور پھر اپنے قریب کھڑے ہوئے سب انسپکٹر سے کہا۔ "عجیب معاملہ ہے.... رومال کا تذکرہ اس نے بھی کیا ہے اور رومال چیختی ہوئی وہ بھی اپنے کمرے سے نکل کر بھاگی تھی۔ تو کیا وہ دراصل اس کا رومال چھین کر بھاگا تھا۔ اول تو یہی چیز مضحکہ خیز ہے کہ وہ بیئر میں سوڈا ملا کر پی رہا تھا دوسرے یہ کہ وہ اس کا رومال چھین کر بھاگا اور پھر کسی نے اُسے قتل بھی کر دیا بھئی میرے تو کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔"

"معاملہ واقعی عجیب ہے۔" سب انسپکٹر نے کہا۔

"اچھا تم یہیں کمرے میں ٹھہرو۔ یہاں کی کوئی چیز اپنی جگہ سے ہلنے نہ پائے اور اگر اس دوران میں یہ ہوش میں آجائے تو اسے یہیں روکے رکھنا۔" جگدیش سب انسپکٹر کو ہدایات دے کر نیچے چلا گیا۔

سب انسپکٹر حیرت سے کمرے میں پھیلی ہوئی چیزوں کو دیکھ رہا تھا۔ پھر اس کی نگاہیں بیہوش رقاصہ کے جوان چہرے پر جم گئیں۔ دفعتاً اُسے ایسا محسوس ہوا جیسے برابر والے کمرے میں کوئی عورت چیخ رہی ہو۔ "مجھے چھوڑ دو.... چھوڑ دو.... ورنہ میں زور سے چیخ دوں گی۔"

پھر ایسا معلوم ہوا جیسے دو آدمی ہاتھا پائی کر رہے ہوں۔ عورت کی آواز پھر سنائی دی لیکن دوسرے ہی لمحے میں اُسکی آواز اس طرح گھٹ کر رہ گئی جیسے کسی نے اُسکے منہ پر ہاتھ رکھ دیا ہو۔

سب انسپکٹر جھپٹ کر کمرے سے باہر نکلا لیکن آواز کدھر سے آئی.... کیونکہ برابر والے دونوں کمرے باہر سے مقفل تھے۔ وہ آگے بڑھتا چلا گیا.... پورا برآمدہ سنسان تھا۔ کمروں کے رہنے والے شائد قتل کے حادثے کے متعلق معلومات بہم پہنچانے کے لئے نیچے چلے گئے۔ سب انسپکٹر لوٹنے ہی والا تھا کہ اُسے ایک عورت کی تیز چیخ سنائی دی۔ یہ آواز اسی رقاصہ کے کمرے سے آئی تھی۔ سب انسپکٹر دوڑتا ہوا کمرے میں آیا اور پھر اُس کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ وہی خنجر وہ جسے زمین پر چھوڑ گیا تھا رقاصہ کے سینے میں پیوست تھا اور وہ تڑپ رہی تھی۔ اس نے دو تین بار آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر سب انسپکٹر کی طرف دیکھا اور پھر گردن ایک طرف ڈال دی.... وہ مر چکی تھی.... سب انسپکٹر دوڑتا ہوا نیچے گیا۔

انسپکٹر جگدیش بوکھلا گیا.... وہ سب انسپکٹر پر برس پڑا۔ آخر وہ اُسے چھوڑ کر باہر گیا ہی کیوں

تھا۔ اُس نے ہوٹل کے سارے دروازے بند کرا دیئے اور ایک ایک کونہ چھان مارا لیکن کوئی ایسا آدمی نہ مل سکا جسے شک کی بناء پر گرفتار کیا جاسکتا۔ اوپر کے کمروں میں اُس رقاصہ کے علاوہ کوئی دوسری عورت تھی ہی نہیں.... پھر آواز کہاں سے آئی تھی.... جگدیش کو اختلاج سا ہونے لگا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کرے.... آخر کار اُس کے لئے اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہ رہ گیا کہ ایشیاء کے جوان سال اور مشہور جاسوس انسپکٹر فریدی کو فون کرے۔ لیکن اس وقت ایک بج رہا تھا.... کیا فریدی اپنا آرام چھوڑ کر اس وقت چلا آئے گا۔ اس نے سوچا.... لیکن پھر کرتا ہی کیا.... اُس نے فریدی کو فون کر دیا۔

سر بنتھال

صبح کے سات بجے تھے۔ سردی شدید تھی۔ انسپکٹر فریدی اپنے کمرے میں آتشدان کے پاس بیٹھا اونگھ رہا تھا۔ پچھلی رات وہ سونے ہی جارہا تھا کہ اسے ٹیلی فون پر جگدیش کا پیغام ملا تھا اور پھر اس نے باقی رات دلکشا ہوٹل ہی میں گذار دی۔ اس کے لئے یہ پہلا موقع نہ تھا کہ جائے واردات پر وہ کسی خاص نتیجے پر پہنچ سکا تھا۔ حالات کی پیچیدگی اور انوکھے پن کی وجہ سے اُس کا ذہن کام نہیں کر رہا تھا۔ یہ چیز اُس کے لئے بہت ہی عجیب تھی کہ ایک رومال کے سلسلے میں دو قتل ہو گئے اور پھر اُس مصری رقاصہ کا عجیب و غریب رویہ؟ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ تفتیش کا رُخ کدھر موڑے۔ کیس حد درجہ دلچسپ تھا۔

حمید ابھی تک گھر واپس نہیں آیا تھا۔ وہ رات ہی سے غائب تھا۔ ادھر کچھ دنوں سے اُس کا کچھ عجب حال تھا۔ وہ کافی رات گئے واپس آیا کرتا تھا اور کبھی تو ایسا بھی ہوتا کہ صبح ہی کو اس کی صورت دکھائی دیتی۔ فریدی کا خیال تھا کہ شاید اس دوران میں اس کی رگ معاشقہ پھر پھڑکنے لگی ہے۔ اس نے کئی بار اُس سے اِس آوارگی کی وجہ بھی پوچھی لیکن اُس نے کوئی تشفی بخش جواب نہیں دیا۔

اس وقت فریدی سوچ رہا تھا کہ اگر حمید اُس کے ساتھ ہوتا تو کل رات ہی کو کسی نہ کسی طرح وہ معاملے کی تہہ تک ضرور پہنچ جاتا کیونکہ بعض اوقات اس کی احمقانہ حرکتیں اُسے کسی

نتیجے پر پہنچنے میں مدد دیتی تھیں۔

وہ آتش دان کے سامنے بیٹھا اونگھتا رہا۔ اس دوران میں نوکر نے آکر آگ میں کچھ اور ایندھن ڈالا اور چلا گیا لیکن اُسے خبر تک نہ ہوئی۔ وہ صرف سوچ رہا تھا اور اس سوچ نے اُسے اپنے گردوپیش کی فضا سے بالکل بے نیاز کر دیا تھا۔ دفعتاً برآمدے میں قدموں کی آہٹ سنائی دی اور حمید مسکراتا ہوا کمرے میں داخل ہوا۔ فریدی اب بھی اُسی طرح اونگھ رہا تھا حمید اُس کے قریب گیا اور جھک کر اُس کے چہرے کی طرف دیکھنے لگا۔

فریدی نے آنکھیں کھول دیں.... اور حمید بوکھلا کر پیچھے ہٹ گیا۔ فریدی کی آنکھیں سرخ تھیں۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے دو دہکتے ہوئے انگارے ہوں۔

"اِدھر آؤ....؟" فریدی تحکمانہ لہجے میں بولا۔ "کرسی اِدھر کھینچ لاؤ۔"

حمید کرسی کھینچ کر خاموشی سے اس کے قریب بیٹھ گیا۔

"کہاں تھے۔"

"کہیں نہیں.... یونہی ذرا...."

"یونہی ذرا" فریدی نے گھور کر کہا۔ "ٹھیک ٹھیک بتاؤ۔"

"کیا آج موڈ کچھ خراب ہے۔" حمید مسکرا کر بولا۔

"جو میں پوچھ رہا ہوں اُس کا جواب دو۔" فریدی نے کہا۔

"اگر میں جواب دینے سے صاف انکار کردوں تو۔"

"میں فضول بکواس نہیں پسند کرتا۔" فریدی نے جھنجھلا کر کہا۔

"تو اس میں گھبرانے کی کیا بات ہے۔ رفتہ رفتہ اس کے بھی عادی ہو جائیں گے۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔

فریدی اُسے گھورتا رہا۔

"مجھے افسوس ہے کہ میں رات آپ کے ساتھ نہ ہوا۔" حمید نے کہا۔

"تو تمہیں اس کی اطلاع ہے۔" فریدی نے کہا۔

"اچھی طرح۔" حمید نے کہا۔ "کیا آپ نے آج کا اخبار ابھی تک نہیں دیکھا۔"

"نہیں ابھی نہیں۔"

"خبر میں یہ بھی ہے کہ انسپکٹر فریدی اس کیس میں دلچسپی لے رہے ہیں۔"

"میں تو عاجز آ گیا ہوں ان اخبار نویسیوں سے۔" فریدی نے کہا۔

"آپ کو یہ سن کر تعجب ہوگا کہ میں بھی رومالوں کے چکر میں پھنسا ہوا ہوں۔" حمید بولا۔

"کیا مطلب....!" فریدی نے چونک کر کہا۔ "تم رات تھے کہاں۔"

"ہائی سرکل نائٹ کلب میں....!" حمید نے جواب دیا۔

"مگر وہ رومالوں کا چکر کیسا....!" فریدی نے پوچھا۔

"وہی بتانے جا رہا تھا۔" حمید بولا۔ "میں چار دن سے ایک ایسے آدمی کے پیچھے لگا ہوں
عورتوں کے رومال چرایا کرتا ہے اور آپکو یہ سن کر حیرت ہوگی کہ وہ کوئی معمولی آدمی نہیں لیکن
وہ ایک معمولی چور یا جیب کترے کی طرح فیشن ایبل عورتوں کے دستی رومال اڑا لیا کرتا ہے۔"

"آخر وہ ہے کون....؟" فریدی نے دلچسپی ظاہر کرتے ہوئے پوچھا۔

"ایک معزز انگریز سر بتھال ہیورتھ....!"

"سر بتھال.... سر بتھا....!" فریدی کہتا ہوا کھڑا ہو گیا۔ اُس کے چہرے پر دبی ہوئی
بے چینی کے آثار تھے۔

"سر بتھال....!" فریدی نے ایک بار پھر دہرایا اور حمید سے پلٹ کر بولا۔ "تم نے کب
اُسے رومال چراتے دیکھا تھا۔"

"کہہ تو رہا ہوں کہ کئی دنوں سے۔ اُس نے کلب ہی میں درجنوں عورتوں کے رومال
چرائے ہوں گے۔"

"اور تم برابر اُس کا پیچھا کرتے رہے۔" فریدی نے پوچھا۔

"یہ ایک قدرتی امر تھا۔ کسی بڑے آدمی کو اتنی ذلیل حرکت کرتے دیکھ کر یقیناً حیرت
اور پھر رومال کی حیثیت ہی کیا.... ایک خطاب یافتہ امیر آدمی اگر ایسی حرکتیں کرنے لگے تو
مخواہ اُس کی وجہ دریافت کرنے کو دل چاہے گا۔ لیکن مجھے افسوس ہے کہ میں اس کی وجہ نہ دریافت
کر سکا۔"

"کل رات بھی تم اُس کے پیچھے تھے۔" فریدی نے پوچھا۔

"ہاں....!"

"کس وقت تک۔"

"دو بجے تک....!" حمید بولا۔ "وہ تقریباً دو بجے کلب سے اٹھ کر گیا تھا۔"

"وہ اس وقت تک وہاں کرتا کیا رہا۔" فریدی نے پوچھا۔

"برج کھیل رہا تھا.... لیکن کل رات کو اس نے کسی کا رومال غائب نہیں کیا حالانکہ اُسے
اس کے بہت سے مواقع نصیب ہوئے۔"

"وہ کلب میں کس وقت سے تھا۔"

"نو بجے سے۔"

"اور اس دوران میں وہ کہیں باہر نہیں گیا۔"

"نہیں....!"

فریدی کسی سوچ میں پڑ گیا۔ وہ مضطربانہ انداز میں کمرے میں ٹہل رہا تھا۔

"تم جانتے ہو سر بتھال کون ہے؟" فریدی نے دفعتاً پلٹ کر حمید سے پوچھا۔

"میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ وہ ایک خطاب یافتہ آدمی ہے اور بغرض سیاحی یہاں آیا ہے۔"
حمید نے کہا۔

"اس نے مصری آثار قدیمہ پر ایک کتاب بھی لکھی ہے۔" فریدی نے کہا۔

"لکھی ہوگی۔" حمید نے لاپروائی سے کہا۔ "مجھے تو اس کی اس عجیب و غریب حرکت سے
دلچسپی ہے۔"

"اور وہ صحیح النسل انگریز بھی نہیں.... وہ دراصل جرمن ہے اُسے اپنے نانا کا خطاب مع
جائیداد ورثے میں ملا ہے اس کا نانا انگریز تھا۔"

"تو کیا وہ صحیح النسل انگریز نہ ہونے کی بناء پر رومال چراتا ہے۔" حمید نے ہنس کر پوچھا۔

"یہ بات اتنی اہم نہیں ہے جتنی کہ اس کی مصری آثار قدیمہ والی کتاب۔"

"بھلا ان دونوں میں کیا ربط۔"

"وہی ربط جو ایک مصری رقاصہ کے رومال اور اس رومال چرانے والے میں ہو سکتا ہے۔"

"اوہ....!" حمید اچھل کر بولا۔ "تو آپ اتنی دور پہنچ گئے۔ میں کہتا ہوں کہ اس شہر میں
اچانک رومال بازی کیوں شروع ہو گئی۔"

فریدی نے کوئی جواب نہ دیا۔ پھر کچھ سوچنے لگا تھا۔

"رومال کا واقعہ محض مضحکہ خیز یا نشے کی جھک نہیں معلوم ہوتا۔" فریدی بڑبڑایا۔ "اس کی اہمیت کچھ نہ کچھ ضرور ہے۔"

"اہمیت ہو یا نہ ہو لیکن بیچارے سارجنٹ کی شامت ضرور ہے۔" حمید بولا۔

"میں جانتا ہوں" فریدی مسکرا کر بولا۔ "اگر وہ عورتوں کے رومال نہ چراتا ہوتا تو شائد تم اُس کی طرف دھیان نہ دیتے۔ ہے نا یہی بات۔"

"حضور والا سو فیصدی یہی.... مجھے دراصل یہی چیز اتنی راتوں تک جگاتی رہی کہ آخر وہ صرف عورتوں ہی کے رومال کیوں چراتا ہے۔"

"لیکن تمہاری اس حماقت نے مجھے ایک راستہ دکھا دیا۔" فریدی ہنس کر بولا۔

"اور یہ بھی واضح رہے کہ اب میں اپنے فرض سے سبکدوش ہو گیا۔ اس راستے پر چلنے کی سکت مجھ میں نہیں۔"

"خیر آج رات کو کلب تک تو مجھے لے ہی چلو گے۔" فریدی نے کہا۔

"آ گئی مصیبت....!"

"کل تک مصیبت نہیں تھی۔" فریدی نے کہا۔ "خود سے ساری ساری رات مارے پھرو اگر میرا ساتھ ہو گیا تو جان نکلنے لگتی ہے۔"

"خیر فی الحال تو بھوک لگ رہی ہے۔" حمید نے کہا اور کمرے سے نکل گیا۔ فریدی بھی برآمدے میں آ گیا۔ شیو وغیرہ کرنے کے بعد ناشتہ کرنے چلا گیا۔

آفس میں پوسٹ مارٹم کی رپورٹ ملی۔ حسینہ کی موت برومائیڈ کی زیادہ مقدار پی جانے کی وجہ سے واقع ہوئی تھی اور مقتول نوجوان کا معاملہ تو ظاہر تھا۔ دو بجے کے قریب جگدیش نے فریدی کو فون پر بتایا کہ وہ نوجوان ایک اَن پڑھ تھا۔ اُس کے ساتھیوں سے استفسار پر معلوم ہوا تھا کہ حادثے کی شام کو ایک اچھی حیثیت کا آدمی اُسے اس کے مکان سے بلا کر لے گیا تھا۔ لیکن وہ اُس آدمی کا حلیہ نہیں بتا سکے۔

فریدی نے اس نئی اطلاع پر کسی قسم کی حیرت کا اظہار نہیں کیا۔ اس کا اندازہ تو اُس نے ویٹر کے بیان ہی سے لگا لیا تھا کہ مقتول ایک اناڑی آدمی تھا اور خاص مقصد کے لئے استعمال کیا گیا تھا۔

اس مقصد کے حصول پر اُسے اس لئے قتل کر دیا گیا کہ کہیں اصل مجرم یا مجرموں کا راز فاش نہ ہو جائے.... حسینہ کا قتل بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی معلوم ہوتا تھا.... اُسے تو دراصل اُس رومال نے الجھا رکھا تھا جس کی وجہ سے دو جانیں چلی گئیں.... آخر وہ رومال کیسا تھا۔

فریدی دن بھر اسی گتھی کو سلجھانے میں مشغول رہا۔

شام کو تقریباً سات بجے وہ حمید کو لے کر گھر سے نکلا۔ نو بجے تک دونوں اِدھر اُدھر گھومتے رہے پھر انہوں نے ہائی سرکل نائٹ کلب کا رخ کیا۔ اس کلب میں زیادہ تر اونچے طبقے کے لوگ آتے تھے۔ ان میں سرکاری افسروں سے لے کر تاجر تک ہوا کرتے تھے۔ اس میں قانون کے وہ محافظ بھی آ کر داد عیش دیا کرتے تھے، جو پرائی عورتوں پر ڈاکے ڈالنے کو قانون شکنی سمجھتے تھے۔ شہر کے اونچے گھرانوں کی عورتیں یہاں آ کر رنگ رلیاں منایا کرتی تھیں۔ یہاں دنیا کا ہر بُرا کام ہوتا تھا لیکن قانون کی اجازت سے۔

فریدی اور حمید ایک خالی میز کے گرد بیٹھ گئے۔ ویٹر اُن کے پاس آیا۔ فریدی نے اُسے کچھ کھانے پینے کی چیزوں اور تاش کے پتوں کا آرڈر دیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ دونوں بیٹھے فلش کھیل رہے تھے۔ تقریباً ایک گھنٹے بعد ایک جوان جوڑا بھی آ کر اُن کے کھیل میں شریک ہو گیا۔ گیارہ بج گئے لیکن سر بتھال کا کہیں پتہ نہ تھا۔

فریدی کی اکتاہٹ بڑھتی گئی آخر کار اُس نے کھیل ختم کر دیا۔ وہ دراصل کسی طرح اُس نوجوان جوڑے سے پیچھا چھڑانا چاہتا تھا۔ کھیل کے اختتام پر وہ دونوں اٹھ کر ایک دوسری میز پر چلے گئے اور فریدی سگار سلگا کر کرسی کی پشت سے ٹک گیا۔ حمید اٹھ کر تمباکو نوشی کے کمرے اور دوسرے ملحقہ کمروں میں چکر لگانے لگا۔ جب وہ واپس آیا تو فریدی اپنی جگہ پر نہیں تھا۔ حمید بیٹھ کر اُس کا انتظار کرنے لگا۔

"آپ کے ساتھی کہہ گئے ہیں کہ آپ اُن کا انتظار نہ کریں۔" ایک ویٹر نے آ کر حمید سے کہا اور حمید جھلا اٹھا۔ آخر اس کا مطلب۔ اب وہ احمقوں کی طرح چپ چاپ گھر لوٹ جائے اور وہ سوچ رہا تھا کہ کہیں اسے پیدل ہی گھر نہ واپس جانا پڑے بھلا فریدی نے کار کیوں چھوڑی ہو گی۔ آخر اُس نے یہی فیصلہ کیا کہ وہ گھر جائے گا ہی نہیں۔

وہ پھر ایک میز پر جا کر فلش میں جم گیا۔ حالانکہ وہ کبھی فلش کھیلتا نہیں تھا لیکن وقت گذاری

کے لئے بھی کچھ ہونا چاہئے۔ آخر وہ گھر جا کر بھی کیا کرتا۔ ادھر کچھ دنوں سے رات میں جاگنے کی
عادت بھی پڑ گئی تھی۔

تقریباً بارہ بجے سر بتھال کلب میں داخل ہوا۔ اُس نے سیاہ رنگ کا سوٹ پہن رکھا تھا اور سر
پر نیلی فلٹ ہیٹ تھی۔ سر بتھال متوسط قد کا ایک قوی الجثہ آدمی تھا۔ عمر چالیس اور پچاس کے
درمیان رہی ہوگی۔ اُس کے ساتھ ایک انگریز اور تھا۔ دونوں ایک خالی میز کے قریب بیٹھے۔ سر
بتھال نے چاروں طرف ایک اچٹتی سی نظر ڈالی اور پاس کھڑے ہوئے ویٹر سے کچھ کہنے لگا۔ حمید
سنبھل کر بیٹھ گیا۔۔۔ چند لمحوں کے بعد ویٹر ایک کشتی میں شراب کی بوتل اور گلاس لے کر آیا۔
دونوں نے گلاس بھرے اور انہیں ہولے ہولے تین بار ٹکرانے کے بعد ہونٹوں سے لگالیا۔

دونوں شراب پیتے رہے۔ آہستہ آہستہ وہ کچھ باتیں بھی کرتے جا رہے تھے۔

بوتل خالی ہو جانے کے بعد سر بتھال نے کاؤنٹر پر جا کر قیمت ادا کی اور پھر دونوں لڑکھڑاتے
ہوئے باہر جانے کے لئے آگے بڑھے اس دوران میں حمید اپنی میز سے اٹھ کر دوسری طرف
جا چکا تھا۔ جیسے ہی وہ باہر نکلے وہ سائے کی طرح اُن کے پیچھے لگ گیا۔

حمید سمجھا تھا کہ شاید وہ کار لائے ہوں گے لیکن اس کا خیال غلط نکلا کیونکہ وہ پیدل جا رہے
تھے۔ سر بتھال کے ساتھی کی حالت نشے کی وجہ سے دگرگوں ہو رہی تھی۔ سر بتھال نے اُسے
سہارا دے رکھا تھا۔ اگر وہ ایسا نہ کرتا تو شاید اس کا ساتھی ایک قدم بھی آگے نہ چل سکتا۔ اُس کا
ساتھی کچھ عجیب شکل و صورت کا آدمی تھا۔ وہ تھا تو انگریز لیکن اس کی ڈاڑھی بالکل ہندوستانی
سادھوؤں جیسی تھی۔ گھنی اور بد وضع جیسے اُس پر کبھی قینچی نہ چلی ہو۔ حمید کے لئے اُس کی
ڈاڑھی خاص طور پر معمہ بنی ہوئی تھی۔ اُس نے بہتیرے انگریزوں کو ڈاڑھی رکھے ہوئے دیکھا تھا
لیکن اُن میں سے کوئی بھی ڈاڑھی کی طرف سے اتنا لاپرواہ نہیں نظر آیا تھا۔

حمید اُن کا تعاقب کر رہا تھا جب تک وہ لوگ شارع عام پر چلتے رہے حمید کو دقتوں کا سامنا
کرنا پڑا کیونکہ سڑک کے کنارے لگے ہوئے بجلی کے کھمبے اُسے بہت زیادہ محتاط رہنے پر مجبور
کر رہے تھے۔ اچانک اُن لوگوں نے سڑک چھوڑی اور بائیں طرف مڑ گئے۔ یہ ایک پتلی سی
تاریک گلی تھی۔ دو رویہ اونچی اونچی عمارتیں تھیں۔ یہاں اتنی تاریکی تھی کہ آگے جانے والے
دکھائی نہیں دے رہے تھے۔ حمید صرف قدموں کی چاپ سن رہا تھا۔ وہ قدموں کی آہٹ کا

تعاقب کرتا رہا۔۔۔۔ لیکن تھوڑی دیر بعد اس کی آنکھیں حیرت سے پھٹی رہ گئیں۔ گلی کے اختتام
پر تاروں کی چھاؤں میں اُسے صرف ایک آدمی دکھائی دیا۔ سر بتھال لیکن اُس کا دوسرا ساتھی۔۔۔۔
وہ کہاں گیا۔ سر بتھال نے اُسے کہاں چھوڑا۔ قدموں کی آواز تو ایک سیکنڈ کے لئے بھی نہیں
تھمی تھی۔ آخر اُس نے اُسے کہاں اور کس طرح چھوڑا۔ حمید کوئی فیصلہ نہ کر سکا کہ اب اُسے کیا
کرنا چاہئے۔۔۔۔ لیکن وہ غیر ارادی طور پر سر بتھال کا تعاقب کرتا ہی رہا۔ اب وہ پھر ایک سڑک پر
چل رہا تھا۔ یہاں کوئی ایسی جگہ بھی نہ تھی کہ جس کے سہارے چھپ کر وہ تعاقب جاری رکھ
سکتا۔ بجلی کے کھمبوں کی روشنی چاروں طرف پھیلی ہوئی تھی۔ اس لئے وہ قصداً سر بتھال سے کافی
فاصلے پر چل رہا تھا۔ دفعتاً ایک کار اس کے قریب سے گذری اور سر بتھال کے قریب پہنچ کر رک
گئی۔ سر بتھال اُس پر بیٹھ گیا اور کار پھر چل پڑی۔ سڑک پر پھر سناٹا چھا گیا۔ حمید چند لمحے کھڑا
سوچتا رہا پھر اُسی تاریک گلی میں داخل ہو گیا جہاں سے وہ سر بتھال اور اس کے ساتھی کا پیچھا کرتا
ہوا گذرا تھا۔ اُس نے جیب سے ایک چھوٹی سی ٹارچ نکالی اور اس کی روشنی میں راستہ دیکھتا ہوا چلنے
لگا۔ ابھی اُس نے آدھی ہی گلی طے کی تھی کہ دفعتاً اُسے رک جانا پڑا۔ اس کی ٹارچ کی روشنی ایک
اوندھے پڑے ہوئے آدمی کے گرد دائرہ بنا رہی تھی۔ حمید جھپٹ کر اُس کے قریب پہنچا۔ اُس
کے ذہن میں ایک خیال پیدا ہوا۔۔۔ کیا سر بتھال نے اُسے یہاں ڈال دیا۔۔۔؟ وہ اُسے سیدھا
کرنے کی کوشش کرنے لگا۔۔۔ اور دوسرے ہی لمحے میں اُس کے منہ سے حیرت کی چیخ نکل گئی۔
یہ سر بتھال کا ساتھی نہیں بلکہ کوئی اور انگریز تھا۔ اُس کے سر سے تازہ تازہ خون بہہ رہا تھا۔ ایسا
معلوم ہوتا تھا جیسے وہ سر میں گہری چوٹ کھانے کے بعد بیہوش ہو گیا ہو۔

حمید اِدھر اُدھر روشنی ڈالنے لگا۔ اس علاقے میں زیادہ تر تجارت پیشہ انگریز اور پارسی رہتے
تھے۔ تمام دروازے بند تھے سوائے ایک مکان کے جس کے سامنے وہ انگریز پڑا تھا۔ حمید نے
دروازے کے اندر روشنی ڈالی ایک جگہ سوئچ بورڈ لگا ہوا نظر آیا جس میں گھنٹی لگی ہوئی تھی۔ حمید
نے اندر جا کر گھنٹی کا بٹن دبایا اور اندر کہیں دور گھنٹی بجنے کی آواز سنائی دی۔ حمید کو تقریباً پندرہ
منٹ تک کھڑے ہو کر تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد کئی بار گھنٹی بجانی پڑی۔۔۔۔ اور پھر قدموں کی
آہٹ سنائی دی اندر کے کمرے میں کسی نے بجلی جلائی اور دروازہ کھلا حمید کے سامنے دروازے میں
ایک متوسط عمر کی انگریز عورت شب خوابی کا لبادہ پہنے کھڑی تھی۔

"کیا بات ہے۔" اُس نے ایک ہندوستانی کو اتنی رات گئے اپنے سامنے کھڑا دیکھ کر حیرت سے کہا۔

"تمہارے مکان کے سامنے ایک زخمی آدمی بیہوش پڑا ہے۔" حمید نے اس سے کہا۔

"تو میں کیا کروں۔" وہ جھلا کر بولی۔

"بات یہ ہے کہ وہ بھی ایک انگریز معلوم ہوتا ہے۔" حمید نے آہستہ سے کہا۔

"اوہ.... کہاں....!" وہ آگے بڑھ کر حیرت سے بولی۔

"حمید نے ٹارچ کی روشنی بیہوش آدمی پر ڈالی اور عورت چیخ پڑی۔

"اوہ.... ٹیوی.... یہ اسے کیا ہوا۔" وہ اُس پر جھپٹی۔

"کیا تم اسے پہچانتی ہو۔" حمید نے پوچھا۔

"پہچاننا کیسا....!" عورت چیخ کر بولی۔ "یہ میرا شوہر ہے.... مگر یہ یہاں کہاں۔"

"کیوں؟ کیا اسے کہیں اور ہونا چاہئے تھا۔" حمید نے پوچھا۔

"تت.... تم میری مدد کرو.... ہم اسے اندر لے جائیں گے۔" عورت نے ملتجانہ انداز میں حمید سے کہا۔

دونوں اُسے اٹھا کر اندر لے آئے۔ حمید نے اسے صوفے پر ڈال دیا۔

عورت اُسے ہوش میں لانے کی تدبیریں کرنے لگی۔

"تم نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔" حمید نے پوچھا۔

"میں بہت پریشان ہوں۔" عورت بولی۔ "فی الحال کسی سوال کا جواب نہیں دے سکتی.... تمہارا بہت بہت شکریہ کہ تم نے مجھے جگانے اور اسے یہاں لانے کی تکلیف گوارا کی۔"

اس کے انداز سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اب وہاں حمید کی موجودگی پسند نہیں کرتی۔

"مادام مجھے افسوس ہے کہ میں اس کے متعلق ضروری معلومات بہم پہنچائے بغیر واپس نہیں جاسکتا۔" حمید نے کہا۔

"کیوں....!" وہ تیز لہجے میں بولی۔

"کیونکہ اس قسم کے واقعات کی اطلاع پولیس کو دینا میرا فرض ہے۔"

"مگر میں اسے ضروری نہیں سمجھتی۔" عورت گھبرائے ہوئے لہجے میں بولی۔

"تعجب کی بات ہے کہ تمہارا شوہر اتنے پُر اسرار طریقے پر زخمی ہو گیا اور تم اس کی اطلاع پولیس کو دینا ضروری نہیں سمجھتیں۔"

"تمہیں اس سے کیا۔" وہ تیز لہجے میں بولی۔ پھر دفعتاً سنبھل کر کہنے لگی۔ "میرا دماغ اس وقت ٹھیک نہیں مجھے تم سے ایسے لہجے میں گفتگو نہ کرنی چاہئے.... میں پولیس کو اس کی اطلاع دینا اس لئے غیر ضروری سمجھتی ہوں کہ....!"

"ہاں ہاں کہو....!" حمید بولا۔

"ہو سکتا ہے کہ یہ اندھیرے میں ٹھوکر کھا کر گر پڑا ہو اور سر میں چوٹ لگنے کی وجہ سے بیہوشی آگئی ہو۔" عورت بولی۔

"چوٹ سر کے پچھلے حصے میں لگی ہے۔" حمید نے کہا۔ "اور میں نے اسے زمین پر اوندھا پڑا ہوا پایا تھا۔ لہٰذا اگر گرنے کی وجہ سے چوٹ آئی ہے تو اُسے پیشانی یا سر کے اگلے حصے پر ہونا چاہئے تھا۔"

"تم عجیب آدمی ہو۔" عورت جھنجھلا کر بولی۔ "تمہیں ان سب باتوں سے کیا مطلب....!"

"سمجھا....!" حمید نے معنی خیز انداز میں سر ہلا کر کہا۔ "شاید تم اس سے طلاق لینے کا کوئی معقول بہانا نہیں پیدا کر سکیں۔"

"کیا مطلب....!" عورت چیخ کر بولی۔

"یورپ کی عورتیں... خصوصاً انگریز... جب اپنے شوہروں سے عاجز آجاتی ہیں تو کسی وجہ سے طلاق نہ لے سکنے کی بناء پر اکثر انہیں قتل ہی کرا دیتی ہیں۔" حمید نے پُر سکون لہجے میں کہا۔

"مت بکو۔" عورت بے ساختہ چیخی۔ "میں تمہیں گولی مار دوں گی۔"

"اس طرح تم دوسرا جرم کرو گی۔" حمید مسکرا کر بولا۔

"اوہ....!" عورت جھلاہٹ میں سر پیٹنے لگی۔ پھر تیزی سے بولی۔ "یہاں سے چلے جاؤ۔"

"میں تمہارے شوہر کی بیہوشی کی معقول وجہ جانے بغیر یہاں سے نہیں جا سکتا۔"

"نکلو....!" وہ حمید پر جھپٹی۔ "فوراً نکلو یہاں سے۔"

وہ حمید کو دھکیلتی ہوئی دروازے تک لائی۔

"اس سے کام نہیں چلے گا۔" حمید نے آہستہ سے کہا۔ "میں پولیس کا آدمی ہوں۔"

"پولیس....!" وہ چونک کر پیچھے ہٹی۔ لیکن پھر سنبھل کر بولی۔ "کیوں میری پریشانیوں میں

اضافہ کر رہے ہو.... تم نہیں دیکھتے کہ میرے شوہر کی کیسی حالت ہے۔"

"میں تمہاری مدد کرنا چاہتا ہوں۔" حمید نے کہا۔

"کیا مدد کرنے کا یہی طریقہ ہے۔" عورت تیزی سے بولی۔

"برانڈی....!" حمید گلا صاف کرتے ہوئے بولا۔ "اُسے تھوڑی برانڈی دو۔"

"میں سب کچھ کرلوں گی تم جاسکتے ہو۔" عورت نے بیزاری سے کہا۔

"خیر میں جارہا ہوں۔" حمید دروازے کی طرف مڑتا ہوا بولا۔ "لیکن پولیس تمہیں پریشان ضرور کرے گی۔"

"ٹھہرو....!" عورت نے کہا۔

حمید رک کر اس کی طرف مڑا۔

"اسے اسکے کمرے تک پہنچانا ہے۔ میں اکیلے نہ لے جاسکوں گی۔" حمید مسکرا کر آگے بڑھا۔

دونوں نے اُسے پھر اٹھایا اور ایک چھوٹے سے کمرے میں لے آئے۔ یہ کمرہ اوپری منزل میں واقع تھا۔ اُسے ایک مسہری پر لٹا دیا گیا۔

"تم یہیں ٹھہرو.... میں برانڈی لے کر آتی ہوں۔" عورت نے کہا اور کمرے سے چلی گئی۔

حمید ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ دفعتاً ایک خیال اُس کے ذہن میں پیدا ہوا اور اُس کے جسم میں سنسناہٹ دوڑ گئی۔ جسم کے سارے روئیں کھڑے ہوتے معلوم ہوئے وہ اٹھ کر تیزی سے کھڑکی کے قریب آیا۔ دوسری طرف چھجا تھا.... وہ پھر مڑا اس طرف جانا خطرے سے خالی نہیں۔ وہ سوچنے لگا.... کمرے کے باہر کئی قدموں کی آوازیں سنائی دیں اور حمید لوہے کی مسہری کے نیچے گھس گیا جس کے چاروں طرف چادر لٹک رہی تھی۔

"ارے کہاں گیا۔" عورت کی آواز سنائی دی۔

"نکل گیا....!" کوئی مرد بولا۔

"اوہ.... میں نیچے کا دروازہ کھلا چھوڑ آئی تھی۔"

"وہ ضرور کوئی چور تھا۔" مرد اس طرح چیخ کر بولا جیسے آس پاس کے کمروں تک اپنی آواز پہنچانا چاہتا ہو۔

"نیچے کا دروازہ بند کر آؤ۔" دوسرا مرد بولا۔

یہ دونوں تندرست اور قد آور تھے۔ ان میں سے ایک کوئی ملٹری آفیسر معلوم ہوتا تھا۔ وہ اتنی رات گئے تک اپنی فوجی وردی ہی میں تھا۔ اُس نے دوسرے آدمی کی طرف گھور کر دیکھا اور وہ کمرے سے چلا گیا۔

"ٹیوی نے احتیاط سے کام نہیں لیا۔" اس نے بیہوش انگریز کی طرف اشارہ کر کے عورت سے کہا۔

"مگر وہ اس وقت باہر کہاں گیا تھا۔" عورت بولی۔ "میں سمجھی تھی کہ وہ اپنے کمرے میں سو رہا ہوگا۔"

"تمہیں یہ سمجھنے کی ضرورت نہیں۔" ملٹری آفیسر بولا۔

"لیکن وہ آدمی کہاں گیا؟" عورت نے کہا۔

"نکل گیا۔" ملٹری آفیسر نے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ وہ تم سے ہمدردی جتا کر کچھ روپیہ اینٹھنا چاہتا تھا۔"

"اُس نے تو کہا تھا کہ وہ پولیس کا آدمی ہے۔"

"تم ان مشرقیوں کو نہیں جانتیں۔" ملٹری آفیسر نے کہا۔ "مگر.... مگر.... ٹیوی کو زخمی کس نے کیا۔"

"تم آخر بتاتے کیوں نہیں۔" عورت بولی۔ "یہ سب کیا ہو رہا ہے۔"

"تمہیں ان باتوں سے کوئی غرض نہ ہونی چاہئے۔" ملٹری آفیسر نے کہا۔

"کیوں نہ ہونی چاہئے۔" عورت جھلا کر بولی۔ "تم لوگ کوئی خطرناک کام کر رہے ہو۔"

"اوہ تم غلط سمجھیں۔" ملٹری آفیسر نرم لہجے میں بولا۔ "تم جانتی ہو کہ یہاں کے کئی دیسی تاجر ٹیوی کے دشمن ہو رہے ہیں۔"

"لیکن وہ اس وقت کہاں گیا تھا.... اور تم لوگ اس وقت تک کیوں جاگ رہے ہو۔ تم نے اپنا لباس کیوں نہیں تبدیل کیا۔ تم نے ابھی یہ کیوں کہا تھا کہ ٹیوی نے احتیاط سے کام نہیں لیا۔"

عورت ایک سانس میں سب کچھ کہہ گئی۔

"تم بھی بعض اوقات بہت مضحکہ خیز ہو جاتی ہو۔" ملٹری آفیسر ہنس کر بولا۔

"مذاق میں ٹالنے کی کوشش نہ کرو۔" عورت تیز لہجے میں بولی۔

"ہمیں ٹیوی کے لئے کچھ کرنا چاہئے۔" "یہ باتیں پھر ہوتی رہیں گی۔ ملٹری آفیسر نے منہ بنا کر کہا اور مسہری کے قریب آگیا۔

اتنے میں وہ دوسرا آدمی بھی آگیا، جو دروازہ بند کرنے گیا تھا۔

"میں نے مکان کا کونا کونا دیکھ ڈالا۔" اُس نے کہا۔

"برانڈی لاؤ۔" ملٹری آفیسر بولا جو ٹیوی کے اوپر جھکا ہوا تھا۔

"میں پوچھتی ہوں آخر یہ سب ہے کیا۔" عورت مضطربانہ انداز میں بولی۔

"بھلا میں کیا بتا سکتا ہوں۔" ملٹری آفیسر جھنجھلا کر بولا۔ "میں تو اپنے کمرے....!"

"سو رہے تھے۔" عورت طنزیہ انداز میں اُس کی بات کاٹ کر بولی۔ "تمہیں صبح میدان جنگ میں جانا ہے نا اس لئے تم وردی پہن کر سوئے تھے.... اور اتنی احتیاط سے لیٹے تھے کہ کپڑوں میں ایک شکن بھی نہیں دکھائی دیتی۔"

ملٹری آفیسر ہنس پڑا۔

"تم لوگوں نے میرا دماغ خراب کر دیا۔" عورت جلا کر بولی۔ "ایک گھنٹہ گذر گیا لیکن ابھی تک اسے ہوش نہیں آیا۔ معلوم نہیں باہر کتنی دیر تک بیہوش پڑا رہا... کسی ڈاکٹر کو کیوں نہیں لاتے۔"

تھوڑی دیر بعد ٹیوی کے جسم میں حرکت پیدا ہوئی اور اُسے ہوش آگیا۔ عورت نے کچھ بولنا چاہا لیکن ملٹری آفیسر نے اشارے سے منع کر دیا۔

"میں کہاں ہوں۔" ٹیوی بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"اپنے کمرے میں۔" عورت جلدی سے بولی۔ "تم گلی میں بیہوش پڑے تھے۔" ٹیوی کچھ سوچنے لگا پھر اُس نے اٹھ کر بیٹھنا چاہا۔

"تمہیں آرام کی ضرورت ہے۔" عورت آگے بڑھ کر بولی۔

"فون....!" ٹیوی جلدی سے بولا۔ "مجھے فون کرنا ہے مجھے آفس میں لے چلو۔"

"کیا پولیس کو....!" عورت نے پوچھا۔

"نہیں....!" ٹیوی نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"تم اس وقت کہاں گئے تھے؟" عورت بے ساختہ پوچھ بیٹھی۔

"پھر وہی....!" ملٹری آفیسر نے کہا۔ "یہ پھر پوچھ لینا۔ ٹیوی کی دماغی حالت اس وقت

ٹھیک نہیں۔"

"تم مجھے آفس میں لے چلو۔" ٹیوی نے ملٹری آفیسر کی طرف دیکھ کر کہا۔ پھر اپنی بیوی سے بولا۔ "تم یہیں ٹھہرو۔"

"آخر یہ سب کیا ہے۔" عورت اکتا کر بولی۔

"تمہیں اس سے غرض نہیں۔" ٹیوی تیز لہجے میں بولا۔

اور پھر وہ تینوں کمرے سے باہر چلے گئے۔ عورت سسکیاں لے لے کر رو رہی تھی۔

حمید مسہری کے نیچے پڑا سوچ رہا تھا کہ اب اسے کیا کرنا چاہئے۔ یہاں سے نکل بھاگنا ضروری تھا۔ خطرے کی بو اُس نے پہلے ہی سونگھ لی تھی اور پھر ان لوگوں کی گفتگو سے اُس نے اچھی طرح اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ کوئی ایسا کام کر رہے ہیں جو قانون کی نظروں میں جرم ہے۔

ابھی حمید یہ سوچ ہی رہا تھا کہ ملٹری آفیسر نے کمرے میں آ کر عورت سے کہا۔

"ٹیوی تمہیں آفس میں بلا رہا ہے۔"

عورت اٹھ کر اُس کے ساتھ چلی گئی۔

حمید نے اندازہ لگا لیا کہ وہ ابھی جلد ہی اس کمرے میں واپس نہ آ سکیں گے۔ کیونکہ شائد وہ ٹیوی کی بیوی کو اپنی عجیب و غریب حرکات کا الٹا سیدھا مطلب سمجھا کر اُسے مطمئن کرنے کی کوشش کریں گے۔ وہ مسہری کے نیچے سے نکلا اور میز پر رکھا ہوا بجلی کا لیمپ بجھا دیا۔ پھر وہ سوچنے لگا کہ اگر نیچے روشنی ہوئی تو اس کا پکڑا جانا ضروری ہے۔ معلوم نہیں وہ کمرہ کدھر ہو جسے وہ لوگ آفس کہہ رہے تھے۔ حمید چند لمحے کھڑا رہا پھر اُس نے جیب سے ایک اکنی نکالی لیمپ سے بلب نکالا اور ہولڈر میں اکنی رکھی پھر اس پر سے بلب لگا کر سوئچ آف کر دیا... پوری عمارت تاریک ہو گئی۔

حمید کمرے سے نکل کر تیزی سے زینے کی طرف بڑھا....

"شائد فیوز اڑ گیا۔" کسی نے کہا اور حمید دوسرے لمحے گلی میں تھا۔

گونگا بولتا ہے

سردی بہت شدت سے پڑ رہی تھی۔ حمید گلی سے نکل کر سیدھا ہائی سرکل نائٹ کلب کی

طرف ہولیا۔ اس نے گھڑی دیکھی تین بج رہے تھے۔ کلب پہنچتے پہنچتے اسے ایسا محسوس ہونے لگا جیسے اس کے جسم کے کھلے ہوئے حصے بالکل سن ہو گئے ہوں۔

کلب میں اب کچھ بے رونقی سی آگئی تھی۔ زیادہ تر لوگ جا چکے تھے کچھ میزوں پر صرف وہی لوگ نظر آرہے تھے جو بہت لمبا کھیل کھیلتے تھے یا پھر وہ جو اپنے پچھلے خسارے پورے کر رہے تھے۔ حمید ایک خالی میز کے قریب بیٹھ گیا اور کافی منگائی....

اُس کا ذہن تیزی سے سوچ رہا تھا.... وہ لوگ کون تھے اور ان کا پُر اسرار رویہ.... کیا اس کا تعلق کسی اہم واقعے سے ہو سکتا ہے اور پھر اچانک اُسے سر بتھال یاد آگیا۔ آخر اس کا ساتھی کہاں گیا۔ اُسے زمین نگل گئی یا آسمان۔ اس گلی میں کوئی اور راستہ بھی تو نہیں تھا۔

کافی ختم کر چکنے کے بعد اس نے سوچا کہ اب گھر چلنا چاہئے۔ اس وقت ٹیکسی تو ملنے سے رہی۔ پیدل ہی جانا پڑے گا اور یہ خون منجمد کر دینے والی سردی.... اس نے اپنے اوور کوٹ کے کالر کھڑے کئے اور فلٹ ہیٹ کا گوشہ چہرے پر جھکاتا ہوا کلب سے نکل آیا.... گھر پہنچتے پہنچتے ساڑھے چار بج گئے۔ فریدی کے سونے کے کمرے میں اندھیرا تھا۔ شاید وہ سو رہا تھا یا وہاں تھا ہی نہیں۔ نیند سے حمید کی آنکھیں بوجھل ہو رہی تھیں۔ وہ سیدھا اپنے کمرے میں آیا اور کپڑے اتار کر مسہری میں گھس گیا۔

اور پھر اُسی وقت اس کی آنکھ کھلی جب فریدی نے اُسے جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر جگایا۔ "ارے صاحب کون سی آفت آگئی۔ وہ لحاف سے منہ نکال کر میز پر رکھی ہوئی ٹائم پیس کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔ "ابھی تو نو ہی بجے ہیں۔"

اُس نے پھر منہ اندر کر لیا اور فریدی نے لحاف کھینچ کر الگ ڈال دیا۔

"لاحول ولا قوۃ....!" حمید اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

"تم کہاں تھے۔" فریدی نے پوچھا۔

"جہاں سے ابھی آپ نے اٹھایا ہے۔"

"میں پوچھتا ہوں رات تم کہاں رہے۔"

"اس کیلئے مجھے سوچنا پڑے گا۔" حمید نے کہا اور کمرے سے نکل کر غسل خانے میں چلا گیا۔

فریدی لائبریری کی طرف گھوم گیا وہ خیالات میں ڈوبا ہوا تھا۔

حمید ناشتہ کرنے کے بعد پائپ پیتا ہوا ٹیلی فون کے قریب آیا۔ فریدی کسی کتاب کے مطالعے میں غرق تھا۔ حمید ریسیور اٹھا کر بولنے لگا۔ "ہیلو.... کوتوالی.... ذرا جگدیش.... میں حمید بول رہا ہوں.... کل رات یا آج صبح کسی انگریز نے کوئی رپورٹ تو نہیں درج کرائی.... اوہ.... کیا نام بتایا تم نے راشر ٹیوی ہاں.... ہاں.... کیا.... بہت خوب.... اچھا شکریہ.... نہیں کوئی خاص بات نہیں.... شام کو آرہے ہو.... اچھا....!" حمید نے ریسیور رکھ دیا۔

اس دوران میں فریدی اُسے گھور گھور کر دیکھتا رہا۔

"کوئی نئی حماقت....؟" فریدی نے طنزیہ انداز میں مسکرا کر پوچھا۔

"جی ہاں میری تو ہر حرکت حماقت ہے۔" حمید نے کہا۔ "میں ایک نئے معاملے کی تحقیقات کر رہا ہوں۔"

"بہت اچھے!"

"تو گویا آپ مذاق سمجھتے ہیں۔"

"جی نہیں۔ مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ آپ سر بتھال کا تعاقب کرتے کرتے ایک دوسرے معاملے میں ٹانگ اڑا بیٹھے۔"

"جی....!" حمید نے چونک کر کہا۔ "آپ کو کیا معلوم۔"

"خیر اُسے چھوڑو۔ اس مکان کا نمبر کیا تھا۔" فریدی نے پوچھا۔

"پہلے آپ یہ بتائیے کہ آپ کو معلوم کیسے ہوا۔"

"بکواس چھوڑ جو میں پوچھتا ہوں اس کا جواب دو۔" فریدی نے کہا۔

"۲/۱۳ ہارنلے اسٹریٹ....!"

"تم کچھ اور بھی کہنا چاہتے ہو۔" فریدی حمید کی طرف دیکھ کر بولا۔ "کہو....!"

"کچھ نہیں....!"

"میں اس نئے معاملے کے متعلق جاننا چاہتا ہوں جس کی تم تحقیقات کر رہے ہو۔"

"آپ کو شاید نہیں معلوم کہ میں نے اپنا طریقہ کار بدل دیا ہے۔" حمید نے فریدی کے لہجے کی نقل کرتے ہوئے کہا۔

"اچھا جی۔"

"جی ہاں....!"

"خیر جانے دو مجھے کیا....!" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔ "شاید تم ابھی فون پر جگدیش سے باتیں کر رہے تھے۔ کیا جگدیش نے تمہیں یہ نہیں بتایا کہ ٹیوی کے یہاں ایک بدمعاش بھی گھس گیا تھا، جو بعد میں ان کے یہاں کی لائٹ فیوز کر کے نکل بھاگا.... اور اس کا حلیہ.... اُس نے حلیہ بھی درج کرادیا ہے.... میری رائے تو یہ ہے کہ تم اُس وقت تک گھر سے باہر نہ نکلنا جب تک تمہارے چہرے پر کافی گھنی ڈاڑھی نہ نکل آئے۔"

حمید خاموشی سے فریدی کی طرف دیکھتا رہا۔ اُس کی حالت اس وقت کسی ایسے بچے کی سی ہو رہی تھی جسے کسی غلطی پر ٹوک دیا گیا ہو۔

"تمہارا طریقہ کار واقعی بہت دلچسپ ہے۔" فریدی ہنس کر بولا۔

حمید نے کوئی جواب دینے کی بجائے جھینپ کر ایک کتاب اٹھالی۔

"ہاں اب کہہ چلو۔" فریدی نے کہا۔ "میں یہ نہیں کہتا کہ تم نے غلطی کی۔"

چند لمحوں کی ہچکچاہٹ کے بعد حمید نے رات کے سارے واقعات دہرادیئے۔

"لیکن آپ کو اس کا علم کیسے ہوا۔" حمید نے پوچھا۔

"کچھ میں پہلے ہی سے جانتا تھا بقیہ باتیں تم نے بتائیں اور انجام کی اطلاع جگدیش سے ملی۔ اس نے آج صبح مجھے ٹیوی کے متعلق فون کیا تھا۔" فریدی نے کہا۔

"پہلے سے آپ کچھ جانتے تھے وہ کس طرح آپ کو معلوم ہوا۔" حمید نے مضطربانہ انداز میں پوچھا۔

"ابھی بتاؤں گا۔" فریدی نے کہا۔ "تمہاری داستان کا یہ حصہ دلچسپ ہے کہ ٹیوی کے مکان میں کوئی وردی پہن کر سویا تھا اور اس پر ٹیوی کی بیوی کو حیرت تھی۔"

"بس یہیں سے میرے شکوک اور زیادہ بڑھ گئے تھے۔" حمید نے کہا۔

"بہر حال" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "اس سے تم کس نتیجے پر پہنچے ہو۔"

"سمجھ میں نہیں آتا کہ کس نتیجے پر پہنچوں۔ میں سر بنتھال اور اُس کے عجیب الخلقت ساتھی کا تعاقب کر رہا تھا۔ دونوں ایک گلی میں داخل ہوئے تھے دونوں کے قدموں کی آوازیں سنتا رہا اور جب سر بنتھال گلی کے دوسرے سرے پر پہنچا تو وہ بالکل تنہا تھا۔ اگر ایک سیکنڈ کیلئے بھی اسکے قدم

رکے ہوتے تو میں کہتا کہ اس نے وہیں کہیں اُسے ڈال دیا ہو گا یا کسی کے حوالے کر دیا ہو گا۔"

"اور واپسی میں تم نے ٹیوی کو گلی میں پڑا دیکھا۔" فریدی نے کہا۔

"اور اسی لئے میں یہ سمجھنے پر مجبور ہوں کی ٹیوی ہی سر بنتھال کے ساتھ تھا۔ اُس کی سادھوں جیسی ڈاڑھی سے میں نے پہلے ہی اندازہ لگالیا تھا کہ وہ نقلی ہے۔"

"اچھا تو تم یہ سمجھ رہے ہو کہ سر بنتھال نے اُسے شراب پلائی اور گلی میں لے جا کر اُس کی ڈاڑھی نوچ لی پھر زخمی کر کے وہیں ڈال دیا۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"پھر اس کے علاوہ اور سمجھا ہی کیا جاسکتا ہے۔"

"فرض کرو اگر ایسا ہی ہے تو تم اس حرکت کو کیا معنی پہناؤ گے؟"

حمید خاموش ہو گیا۔ وہ سوچ رہا تھا۔

"بظاہر یہ حرکت قطعی بے معنی معلوم ہوتی ہے۔" حمید نے کہا۔

"مگر....!"

"مگر یہ کہ میں غیب دان نہیں ہوں۔" حمید جھلا کر بولا۔

فریدی ہنسنے لگا....

"خیر....!" فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ "میں سمجھتا ہوں....!"

تھوڑی دیر بعد وہ دونوں تہہ خانے کی سیڑھیاں طے کر رہے تھے۔

اور پھر وہ لمحہ بھی عجیب تھا جب حمید کے منہ سے حیرت کی چیخ نکل گئی تھی۔

سر بنتھال کا عجیب الخلقت ساتھی۔ فریدی کے تہہ خانے میں بیٹھا! نہیں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہا تھا۔

"یہاں تمہیں کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی۔" فریدی نے اس سے انگریزی میں کہا۔ "تمہیں اس گھنی ڈاڑھی کی وجہ سے گرمی لگ رہی ہو گی اسے اب اپنے چہرے سے ہٹا ہی دو تو بہتر ہے۔"

حمید اُس کے چہرے پر فریدی کے الفاظ کا ردعمل دیکھ رہا تھا.... سر بنتھال کا ساتھی اس طرح فریدی کی طرف دیکھنے لگا جیسے اُس نے کچھ سنا ہی نہ ہو۔

"میرے خیال سے یہ گونگا ہے۔" فریدی نے حمید کی طرف مڑ کر انگریزی میں کہا۔

"ہو سکتا ہے۔" حمید بولا۔

"ٹھہرو! میں اس کی ڈاڑھی الگ کیئے دیتا ہوں۔" فریدی نے کہا اور آگے بڑھ کر اُس
ڈاڑھی نوچ لی۔ وہ خوفزدہ نظر آنے لگا۔ لیکن زبان سے کچھ نہ بولا۔ اُس کے چہرے سے مصنو
ڈاڑھی الگ ہو چکی تھی۔

فریدی اُس کے قریب بیٹھ گیا اور حمید کو بھی بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ پھر فریدی نے ایسی گف
چھیڑ دی جس کا ان معاملات سے کوئی تعلق ہی نہ تھا۔ حمید کو حیرت ہو رہی تھی کہ آخر اس
فریدی کا کیا مطلب ہے۔

"ارے خدا غارت کرے۔" سربتھال کے ساتھی نے یک بیک اچھل کر عربی زبان میں ک

حمید گھبرا کر اس کی طرف دیکھنے لگا اور فریدی نے قہقہہ لگایا۔

"تو کیا تم انگریزی زبان بالکل نہیں جانتے۔" فریدی نے عربی میں پوچھا۔

"جانتا ہوں۔" وہ جھلا کر بولا۔

"بہر حال تمہاری مادری زبان عربی معلوم ہوتی ہے۔"

"ہاں میں حسینہ کا بھائی ہوں۔" وہ چیخ کر بولا۔ "جس طرح تم لوگوں نے اُسے قتل کیا
مجھے بھی مار ڈالو.... میں اب زندہ نہیں رہنا چاہتا۔"

حمید کو حیرت ہو رہی تھی کہ آخر یک بیک یہ گونگا بول کیسے پڑا۔ وہ عربی زبان سے ناوا
تھا لیکن اتنا ضرور سمجھ گیا تھا کہ سربتھال کا ساتھی اور فریدی عربی میں گفتگو کر رہے ہیں۔

"اوہ تو تم حسینہ کے بھائی ہو۔" فریدی نے کہا۔

"ہاں ہاں.... لیکن اب دیر کس بات کی ہے۔ مجھے بھی قتل کر دو نا۔" اس نے جواب دیا۔

"پریشان ہونے کی ضرورت نہیں.... ہم تمہیں قتل کرنے کے لئے نہیں لائے۔"

"پھر مجھے یہاں تہہ خانے میں کیوں رکھا گیا ہے۔"

"کل رات تم کس کے ساتھ تھے اور تم نے بھیس کیوں بدل رکھا تھا۔" فریدی نے اس
سوال کو نظر انداز کر کے پوچھا۔

"اور بھیس بدلنے کے باوجود بھی میں نہ بچ سکا۔"

"تم قطعی بچ گئے۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔ "لیکن سربتھال کو ایک مصری
دلچسپی ہو سکتی ہے۔"

"وہ میرے مرحوم باپ کا دوست اور میرا ہمدرد ہے۔"

"کیا وہ حسینہ کو پہچانتا تھا۔" فریدی نے پوچھا۔

"نہیں....!"

"اور تمہیں....!"

"ہاں وہ مجھے پہچانتا ہے.... لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ تم اُسے بھی ختم کر دو۔"

"تم اس شہر میں کب آئے ہو۔"

"کل دوپہر کو۔"

"سربتھال سے تمہاری ملاقات کس طرح ہوئی۔"

"میں اسی کے ہاں ٹھہرا تھا۔"

"تمہیں کل ہی حسینہ کے قتل کے متعلق معلوم ہو گیا تھا۔"

"ہاں....!"

"تو پھر تم نے اپنے متعلق پولیس کو کیوں اطلاع نہیں دی۔"

"تمہیں ان سب باتوں سے کیا مطلب....!" وہ جھلا کر بولا۔

"مطلب یہ ہے کہ میں یہاں کے محکمہ سراغرسانی کا انسپکٹر ہوں۔"

سربتھال کا ساتھی حیرت سے اُس کی طرف دیکھنے لگا۔

"تمہارا نام....؟" فریدی نے پوچھا۔

"فضیل.... محمد فضیل....!"

"تم نے ایک بہت بڑا جرم کیا ہے۔" فریدی نے کہا۔

"میں نے....؟" وہ متحیرانہ انداز میں بولا۔

"ہاں تم نے.... تمہیں اپنے متعلق پولیس کو ضرور مطلع کرنا چاہیئے تھا۔"

"مجھے سربتھال نے روک دیا تھا۔"

"کیوں....؟"

"اُسے ڈر تھا کہ کہیں میں بھی نہ قتل کر دیا جاؤں۔"

"آخر اس ڈر کی وجہ....؟" فریدی نے پوچھا۔

"اس لئے کہ اب اپنے خاندان میں صرف میں ہی باقی رہ گیا ہوں۔"

"میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا۔"

"میرے علاوہ میرے خاندان کا ایک ایک فرد قتل کیا جا چکا ہے۔"

"آخر کیوں....؟ کوئی وجہ....!"

"وجہ تو مجھے بھی آج تک نہیں معلوم ہو سکی۔ پہلے میرا باپ قتل ہوا۔ پھر بڑا بھائی، پھر بہن اور شاید اب میری باری ہے۔"

"میں اُس رومال کے بارے میں جاننا چاہتا ہوں جس کے لئے تمہاری بہن قتل کی گئی۔"

"اوہ وہ منحوس رومال....!"

"ہاں ہاں کہو۔"

"وہ رومال میرے باپ نے اپنے قتل سے ایک روز قبل میرے بڑے بھائی کو دیا تھا۔"

"آخر وہ رومال تھا کیسا....!"

"معمولی جیسے کہ سب رومال ہوتے ہیں۔"

"تمہارے باپ کے قاتلوں کا کچھ پتہ چلا تھا۔"

"نہیں.... لیکن میرا خیال ہے کہ وہ کسی آدمی کا کام نہیں تھا۔"

"یعنی....!"

"یہ کام اُن سے کئی ہزار گنی طاقت والے کا تھا۔"

"میں پھر نہیں سمجھا۔" فریدی نے دلچسپی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"اب میں کس طرح بتاؤں۔" وہ کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "بس اسی طرح سمجھ لو کہ اگر تم ننھی منی چڑیا کی ٹانگیں پکڑ کر زور آزمائی کرو تو اس کا کیا حشر ہو گا۔"

"اوہ....!" فریدی کے منہ سے بے اختیار نکل گیا۔ "تم قاہرہ کے فوجی سراغ رساں فضیل کے لڑکے تو نہیں ہو۔"

"ہاں میں اُسی مظلوم باپ کا بیٹا ہوں۔" وہ گلوگیر آواز میں بولا۔

"شاید اب سے تین سال قبل ہمیں اس دردناک قتل کی اطلاع ملی تھی۔" فریدی نے کہا۔

"اور پھر ٹھیک اسی کے تیسرے دن میرے بھائی کو کسی نے گولی کا نشانہ بنادیا۔"

"اور وہ رومال....!" فریدی نے مضطربانہ انداز میں پوچھا۔

"میں اُس رومال کو بھول جانا چاہتا ہوں۔"

"لیکن یہ نہ بھولو کہ تمہیں ان تینوں کے قاتلوں سے انتقام لینے کے لئے زندہ رہنا ہے۔"

"انتقام....!" وہ حسرت آمیز لہجے میں بولا۔ "کسی ان دیکھی قوت سے انتقام نہیں لیا جاسکتا۔ سر بتھال کا خیال ہے کہ یہ کسی آدمی ہی کا کام ہے لیکن میں اسے ماننے کیلئے تیار نہیں۔"

"آخر کیوں۔"

"میرے باپ کی پُر اسرار موت۔"

"لیکن تمہارا بھائی تو کسی کی گولی سے ہلاک ہوا۔ تمہاری بہن کو کسی نے خنجر مارا۔" فریدی نے کہا۔

"یہ سب اُسی رومال کی نحوست ہے۔" وہ کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "یقیناً وہ رومال آسیب زدہ ہے اس کا تعلق کسی خبیث روح سے ہے۔"

"لیکن وہ رومال تمہاری بہن تک کیسے پہنچا تھا۔" فریدی نے پوچھا۔

"میں اُس دوران میں وہاں موجود نہیں تھا۔ بھائی اور باپ دونوں کی موت کی اطلاع مجھے ایک ساتھ ملی۔ جب میں قاہرہ واپس آیا تو میرے ماموں نے مجھے سب حالات بتائے اپنی موت سے ایک روز قبل میرے بھائی نے وہ رومال حسینہ کو دے کر احتیاط سے رکھنے کی ہدایت کی تھی اور پھر بھائی کی موت کے بعد حسینہ پُر اسرار طور پر غائب ہو گئی.... میں اُسے ڈھونڈتا رہا.... مجھے اطلاع ملی وہ تمہارے ملک میں آئی ہے... میں برابر اُسے ڈھونڈتا رہا اور پھر جب یہاں پہنچا تو اخبار میں اس کی تصویر دیکھی اور موت کی خبر.... کاش میں بھی.... اتنا کہہ کر وہ خاموش ہو گیا۔"

"سر بتھال سے تم پہلی بار کب اور کہاں ملے تھے۔" فریدی نے پوچھا۔

"باپ اور بھائی کی موت کے بعد وہ ہمارے یہاں آیا تھا۔"

"حسینہ اُس وقت موجود تھی....؟" فریدی نے پوچھا۔

"نہیں وہ لاپتہ ہو چکی تھی۔"

"تم یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہو کہ سر بتھال نے اُسے کبھی نہیں دیکھا تھا۔"

"مجھے یقین ہے کہ وہ اُسے نہیں پہچانتا تھا۔"

"سر بتھال کے سامنے کبھی اُس رومال کا تذکرہ بھی آیا تھا....؟" فریدی نے پوچھا۔

"کل کے علاوہ کبھی نہیں۔"

"کیا تمہیں اپنے حافظے پر بھروسہ ہے۔"

"قطعی....!"

"تمہیں اس بات پر کس طرح یقین آگیا تھا کہ سر بتھال تمہارے باپ کا دوست تھا۔"

"مجھے یہ سر بتھال ہی کی زبانی معلوم ہوا تھا۔"

"کبھی تمہارے باپ نے بھی اس کا تذکرہ کیا تھا۔"

"کبھی نہیں۔"

"ہوں....!" فریدی کچھ سوچنے لگا۔

"لیکن میں کس طرح یقین کرلوں...." وہ جملہ ادھورا چھوڑ کر فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔

"میں سچ مچ ایک سرکاری جاسوس ہوں اور تمہاری بہن کے قتل کے سلسلے میں تحقیقات کررہا ہوں اور تمہاری حفاظت بھی میرے ذمے آپڑی ہے۔"

فضیل خاموشی سے زمین کی طرف دیکھنے لگا۔

"مجھے یہاں کب تک رہنا پڑے گا۔" اس نے تھوڑی دیر بعد فریدی سے پوچھا۔

"زیادہ دن نہیں۔" فریدی نے کہا۔ "مجھے یقین ہے کہ میں جلد ہی اپنے مقصد میں کامیاب ہوجاؤں گا۔"

تھوڑی دیر کے لئے پھر خاموشی چھاگئی۔ حمید کے چہرے سے اضطراب ظاہر ہو رہا تھا۔

"سر بتھال نے کل رات تمہیں اتنی زیادہ کیوں پلادی تھی۔" فریدی نے اچانک پوچھا۔

"یہ میں نہیں جانتا۔" فضیل نے کہا۔

"تمہارا بھیس اُسی نے بدلا تھا۔"

"ہاں....!"

"کیا تمہیں سر بتھال پر اعتماد ہے۔"

"ہاں....!"

"آخر اُس کی وجہ....!"

"میں نے بتایا نا کہ وہ میرے باپ کا دوست ہے۔"

"لیکن تمہارے پاس اس کے لئے کوئی دلیل نہیں۔" فریدی نے کہا۔

"پھر بھلا خواہ مخواہ اُسے خود کو اُن کا دوست ظاہر کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔"

"ممکن ہے کہ اُس رومال کو حاصل کرنے کے لئے اُس نے ایسا کیا ہو۔" فریدی نے کہا۔

فضیل کچھ سوچنے لگا۔

"یہ سب کچھ میری سمجھ میں نہیں آتا....!" وہ تھوڑی دیر بعد اکتائے ہوئے لہجے میں بولا۔

"بہر حال یہ تو مجھے دیکھنا ہے۔" فریدی نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "تمہیں یہاں کوئی تکلیف نہ ہوگی۔"

حمید اور فریدی تہہ خانے سے واپس آگئے۔

حمید کا رقیب

"یکایک وہ گونگا بول کیسے پڑا تھا۔" حمید نے فریدی سے پوچھا۔

"میں نے اس کے پن چبھا دیا تھا۔" فریدی نے جواب دیا۔

"کمال کیا آپ نے.... اگر آپ ایسا نہ کرتے تو شاید وہ گونگا ہی بنا رہتا۔"

"شاید آپ لوگ عربی میں گفتگو کررہے تھے۔"

"اور اگر تم اُس گفتگو کا ماحصل سن لو تو اچھل ہی پڑو گے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"کچھ بتایئے بھی تو....!" حمید بے صبری سے بولا۔

فریدی نے مختصر الفاظ میں اُسے اپنی اور فضیل کی گفتگو کا مطلب بتایا۔

"تو کیا یہ واقعہ آپ کو کسی خاص راستے کی طرف لے جائے گا۔" حمید نے پوچھا۔

"راستے کی طرف نہیں البتہ یہ پگڈنڈی کی طرف اشارہ ضرور کرتا ہے.... اور وہ پگڈنڈی ایک تیرہ و تار جنگل کی طرف جاتی ہے جہاں پہنچ کر راستے کا تعین خود ہمیں کرنا پڑے گا۔"

"غالباً آپ کا اشارہ سر بتھال کی طرف ہے۔" حمید نے کہا۔

"تمہارا خیال درست ہے۔" فریدی نے سوچتے ہوئے کہا۔

"علی فضیل کا قتل کسی ایسی جگہ ہوا تھا جس کے متعلق مقامی باشندوں کا خیال ہے کہ بدارواح کا مسکن ہے۔ محمد فضیل کا بیان بھی اسی کی طرف اشارہ کرتا ہے.... مجھے اس مقام کا نہیں یاد رہا لیکن اتنا یاد ہے کہ یہ واقعہ مصر کے کسی ساحلی دیہی علاقے میں پیش آیا تھا.... لیکن سر بتھال.... اس کی شخصیت کا اس واقعے سے کیا تعلق ہو سکتا ہے.... تم نے مجھے بتایا تھا کہ وہ دنوں تک فیشن ایبل نوجوان عورتوں کے رومال چراتا رہا۔ اس سے اس حقیقت پر روشنی پڑتی ہے کہ وہ حسینہ کو نہیں پہچانتا تھا۔"

فریدی خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا۔ پھر آہستہ آہستہ بولا۔

"سر بتھال محمد فضیل کو بھی ٹھکانے لگا دینا چاہتا تھا.... لیکن آخر کیوں.... وہ رومال کیا ہے جس کے لئے تین قتل ہو گئے۔"

"ارے ہو گا کوئی خزانے وزانے کا چکر.... اور پھر مصر تو بڑا پُر اسرار ملک ہے.... کیا آپ وہ پیتل کی مورتی بھول گئے۔" حمید نے کہا۔

"مصر قطعی پُر اسرار نہیں۔" فریدی نے کہا۔ "بعض انگریزوں کی بیمار ذہنیت نے اُسے پُر اسرار بنا دیا ہے۔ ہم لوگ عام طور پر یہ سمجھتے ہیں کہ انگریزوں میں ضعیف الاعتقاد نہیں ہیں۔ حالانکہ پینتالیس فیصدی انگریز اتنے ضعیف الاعتقاد واقع ہوئے ہیں کہ اُن سے ہماری نانیاں اور دادیاں بھی پناہ مانگ جائیں۔"

"بہر حال یہ کوئی ایسا ہی معاملہ ہے۔" حمید نے کہا۔

"لیکن تمہیں یہ نہ بھولنا چاہئے کہ علی فضیل ایک فوجی جاسوس تھا اور دوسری جنگ عظیم میں اس نے اطالویوں کے کئی مورچے تڑوا دیئے تھے۔"

"اس سے کیا ہوتا ہے۔" حمید نے کہا۔ "کیا وہ کسی خزانے کے چکر میں نہیں پڑ سکتا۔"

"دیکھو بیسویں صدی کے لوگ اتنے احمق نہیں ہوتے۔" فریدی نے کہا۔

"تو پھر آپ کیوں[1] سر جارج کے ساتھ کپنار کے جنگلوں تک دوڑتے چلے گئے تھے۔"

"محض اُس مورتی کا راز جاننے کے لئے مجھے خزانے کی توقع پہلے ہی سے نہیں تھی۔"

"تو پھر اس طرح سمجھ بیٹھئے کہ اُس رومال کا راز جاننے کے لئے کسی نے تین آدمیوں کو قتل

[1] جاسوسی دنیا کی جلد نمبر 3 میں "پہاڑوں کی ملکہ" ملاحظہ فرمائیں۔

کر دیا۔" حمید نے کہا۔

"اچھا چلو یہی سہی۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "ذرا یہ تو بتاؤ....!"

"نہیں میں کچھ نہیں بتاؤں گا۔" حمید نے اکتا کر کہا۔ "آپ یہ بتائیے کہ وہ آپ کے ہاتھ کیسے لگ گیا۔"

"بہت ہی حیرت انگیز طریقے پر....!" فریدی مسکرا کر بولا۔ "رات میں کلب سے اٹھ کر سر بتھال کی طرف نکل گیا تھا۔ میرا ارادہ تھا کہ میں سر بتھال کے بنگلے میں گھس کر اس کی تلاشی لوں کہ دفعتاً مجھے سر بتھال اور فضیل بنگلے سے نکلتے ہوئے دکھائی دیئے۔ میں نے ارادہ ترک کر دیا۔ حالانکہ تلاشی لینے کے لئے وہ بہترین موقع تھا۔ لیکن میں فضیل کو دیکھ کر پہلی ہی نظر میں بھانپ گیا کہ وہ مصنوعی ڈاڑھی لگائے ہوئے ہے۔ میں نے سوچا کہ ان کا تعاقب کرنا چاہئے اور میں کلب تک ان کے ساتھ گیا۔ تم نے مجھے نہیں دیکھا۔ میں صدر دروازے کے قریب رکھے ہوئے بڑے گلدان کی اوٹ میں بیٹھ گیا تھا.... اور پھر جب تم اُن کا تعاقب کر رہے تھے میں تم سے پچاس قدم کے فاصلے پر چل رہا تھا.... گلی میں تم سر بتھال کے جوتوں کی آواز پر آگے بڑھ گئے اور مجھے ٹیوی سے الجھنا پڑا.... سر بتھال چلتے وقت فضیل کو اُس کے حوالے کر کے خود آگے بڑھ گیا تھا۔ تمہاری طرح میں بھی دھوکا کھا جاتا لیکن ٹیوی کی ٹارچ نے اُس کا راز افشا کر دیا۔ وہ سمجھا تھا کہ شاید گلی بالکل سنسان ہے اس لئے اس نے نہایت اطمینان سے اپنی ٹارچ استعمال کی۔ وہ فضیل کو کاندھے پر اٹھائے ہوئے اپنے مکان میں داخل ہی ہو رہا تھا کہ میں اُس پر ٹوٹ پڑا۔ ایک ہاتھ سے میں نے فضیل کو سنبھالا اور دوسرے ہاتھ سے ٹیوی کا منہ دبا کر سر دیوار سے ٹکرا دیا۔ اس طرح وہ آواز نکالے بغیر ڈھیر ہو گیا.... اور پھر.... اور پھر تو تم جانتے ہی ہو کہ میرے تہ خانے میں کتنی کہانیاں جنم لے چکی ہیں۔"

فریدی خاموش ہو گیا۔ اس کی آنکھیں میز پر رکھے ہوئے ایش ٹرے پر جمی ہوئی تھیں۔

حمید اپنے پائپ میں تمباکو بھر رہا تھا۔

"تو پھر اب ہمارا دوسرا قدم کیا ہو گا۔" حمید نے فریدی سے پوچھا۔

"آخر بات کیا ہے۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "تم اس کیس میں بہت دلچسپی لے رہے ہو۔"

"وجہ یہ ہے کہ آجکل میں اپنی زندگی سے کچھ بیزار سا ہو رہا ہوں۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔

"اچھا.... خیریت تو ہے۔"

"کچھ نہیں کوئی خاص بات نہیں۔" حمید نے گلوگیر آواز میں کہا۔ اس کی آنکھوں میں نمی آگئی تھی۔

فریدی حیرت سے اُس کی طرف دیکھنے لگا۔ آج سے پہلے کبھی اُس نے حمید کو اس موڈ میں نہیں دیکھا۔ پہلے تو وہ سمجھا کہ یہ بھی اس کی کوئی نئی مکاری ہے اور اُسے کئی نئی شرارت سوجھی ہے۔ لیکن پھر اُس نے اپنا خیال بدل دیا۔

حمید قطعی سنجیدہ تھا۔

"آخر بات کیا ہے۔" فریدی نے پوچھا۔

"کچھ نہیں....!" حمید بیزاری سے بولا۔ "لیکن میں اُن دونوں کو کسی مصیبت میں پھنسادوں گا"

"کن دونوں کو....!"

"کیا آپ کو نہیں معلوم کہ شہناز آج کل ایک کیپٹن کے ساتھ دیکھی جارہی ہے۔" ا بسور کر بولا۔

"اوہ بڑی خوشی ہوئی۔ خدا اس کیپٹن کی مغفرت کرے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"آپ میرا مضحکہ اڑا رہے ہیں۔" حمید بگڑ کر بولا۔

"تم وہ کیپٹن تو نہیں۔"

"آپ کو مجھ سے ہمدردی ہونی چاہئے۔"

"خدا کا شکر ہے کہ تم ایک بہت بڑے وبال سے بچ گئے۔" فریدی نے کہا۔

"خدا کی قسم میں دونوں سے سمجھ لوں گا۔"

"بیکار باتیں مت کرو۔" فریدی نے کہا۔ "تمہیں صرف ایک عورت چاہئے خواہ اس کا شہناز ہو خواہ کچھ اور۔"

"نہیں اب مجھے کوئی عورت نہ چاہئے۔" حمید بھنا کر بولا۔

"الحمدللہ....!"

"اسی لئے میں اس کیس میں دلچسپی لے رہا ہوں۔" حمید بولا۔ "اب میں.... اب میں۔"

"ٹھہرو.... ٹھہرو.... میرے دیوداس۔ کہیں کوئی بڑی سی قسم نہ کھا بیٹھنا....!" فرید

نے کہا۔ "آخر وہ کیپٹن ہے کون۔"

"کیپٹن خاور....!"

"کیپٹن خاور....!" فریدی اچھل کر بولا۔ "وہی تو نہیں جو مون اسٹریٹ میں رہتا ہے۔"

"وہی.... وہی....!"

"اوہ....!" فریدی نے کہا اور اس کی پلکیں بھنچ گئیں اور پھر وہ میز پر ایک زوردار گھونسا مار کر کھڑا ہو گیا۔ اتنے میں ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ فریدی نے ریسیور اٹھالیا۔

"ہیلو.... ہاں میں بول رہا ہوں.... فریدی.... ہاں.... ہاں.... کیا کہا.... اوہ.... ٹیوی جہاں جاتا ہے اُسے جانے دو.... لیکن تم ان دونوں پر کڑی نظر رکھنا.... بہت اچھا....!"

فریدی ریسیور رکھ کر حمید کی طرف مڑا۔

"لو بھئی ان دونوں میں سے ایک تو خود بخود مصیبت میں پھنس گیا۔" فریدی نے کہا۔

"کیا مطلب!" حمید چونک کر بولا۔

"کیپٹن خاور....!"

"میں کچھ نہیں سمجھا۔" حمید مضطربانہ انداز میں بولا۔

"کیپٹن خاور ایک انگریز ملٹری آفیسر کے ساتھ ٹیوی کے مکان سے نکلتا دیکھا گیا ہے۔ میں اس سے پہلے بھی دو ایک بار اُسے سر بنتھال کے ساتھ دیکھ چکا ہوں.... کیپٹن خاور اور شہناز اور حمید.... حمید اور فریدی.... خدا کی قسم سر بنتھال نے بڑا بھیانک جال بچھایا ہے۔"

"تو آپ کا یہ مطلب ہے کہ سر بنتھال نے ہم لوگوں پر نظر رکھنے کے لئے یہ چال چلی ہے۔" حمید نے بیساختہ کہا۔

"میں یہی سمجھنے پر مجبور ہوں۔ اُس نے اِس واردات سے پہلے ہی ہم لوگوں کا انتظام کرلیا ہے۔"

حمید کچھ سوچنے لگا۔

"شہناز کو تم خاور کے ساتھ کب سے دیکھ رہے ہو۔" فریدی نے پوچھا۔

"دو تین دن سے۔" حمید نے کہا۔ "وہ دونوں کل رات بھی ہائی سرکل کلب میں آئے تھے۔ شہناز نے شائد مجھے نہیں دیکھا تھا یا پھر نظر انداز کر گئی تھی۔"

"کیا سر بنتھال حسینہ کے قتل اور رومال کے حصول کے علاوہ بھی کوئی اور حرکت کرنیوالا تھا۔"

"کیوں....؟"

"اگر اُس نے خاور کو حسینہ کے قتل سے پہلے ہی شہناز کے پیچھے لگادیا تھا تو اُس کا یہی مطلب ہوا کہ وہ حسینہ کو پہچانتا تھا۔"

"اور اگر ایسا تھا تو وہ پھر اوروں کے رومال کیوں چراتا رہا۔"

فریدی پھر خاموش ہو گیا.... تھوڑی دیر کے بعد وہ حمید سے بولا۔

"تم آج شہناز سے ملو۔"

"میں ہرگز نہ ملوں گا۔"

"کیا بچوں کی سی باتیں کر رہے ہو..... میرا خیال شاذونادر ہی غلط نکلتا ہے۔"

"میں اُس سے مل کر کروں گا کیا۔"

"محض یہ مارک کرنا کہ میرا خیال کہاں تک صحیح ہے۔" فریدی نے کہا۔ "اور ہاں خود سے بھی نہ ظاہر ہونے دینا کہ تم خاور کو اس کے ساتھ دیکھ چکے ہو۔"

"لیکن کیا وہ حقیقتاً ہمیں دھوکا دے گی۔" حمید نے بے تابی سے کہا۔

"نادانستہ طور پر وہ ہمیں ضرور دھوکا دے سکتی ہے۔"

"یعنی.....!"

"تمہارے ذریعہ۔"

"کہنے کا مطلب یہ کہ شہناز کو کسی اہم معاملے کے متعلق کچھ نہ بتانا۔" فریدی نے کہا۔ "ہو سکتا ہے کہ وہ باتوں ہی باتوں میں کچھ اگل دے۔"

"میں نے کبھی اُس سے کوئی ایسی بات نہیں کی۔" حمید نے کہا۔ "اور اب تو اس کا کوئی سوال ہی نہیں رہ گیا۔"

"خیر یہ ایک اچھی بات ہے۔" فریدی نے کہا۔ "تم اُس وقت تک کام کے آدمی نہیں ہو سکتے جب تک کہ جنسی بیچارگی میں مبتلا نہ ہو جاؤ.... اگر شہناز ایسی نہیں بھی ہے تو تم یہ سوچنے کی عادت ڈالو کہ وہ تمہیں دھوکا دے رہی ہے.... اس طرح تم ایک قسم کی جھلاہٹ میں مبتلا ہو جاؤ گے.... اور یہ جھلاہٹ تمہیں خطر پسندی کی طرف لے جائے گی.... پھر جہاں تم اس حد تک پہنچے.... سارا کام بن جائے گا.... کیا سمجھے۔"

حمید کوئی جواب دیئے بغیر اٹھ گیا۔ لیکن اُس کے انداز میں ناگواری کا شائبہ تک نہ تھا۔

تہہ خانے میں دھماکہ

حمید کے جانے کے بعد فریدی نے فون پر کسی کو کچھ ہدایات دیں اور کپڑے پہن کر باہر چلا گیا اس کی کار شہر کی بارونق سڑکوں پر دوڑتی پھر رہی تھی اور خود وہ خیالات میں کھویا ہوا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اُس نے کار آفس کی طرف گھمادی۔

ابھی وہ اپنی میز پر بیٹھنے بھی نہیں پایا تھا کہ سپرنٹنڈنٹ کے چپراسی نے صاحب کا "سلام دیا" فریدی اس کے کمرے میں پہنچا۔ سپرنٹنڈنٹ کچھ مضطرب سا نظر آ رہا تھا۔ فریدی کو دیکھتے ہی اُس نے اُسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"تمہارے اسسٹنٹ کی وجہ سے محکمے کی بڑی بدنامی ہو رہی ہے۔" سپرنٹنڈنٹ نے کہا۔

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔"

"وہ ٹیوی کے مکان میں کیوں گھسا تھا۔"

"میں نے بھیجا تھا۔" فریدی نے کہا۔

"لیکن آخر کیوں۔" سپرنٹنڈنٹ جھنجھلا کر بولا۔

"دلکشا ہوٹل کے حادثات کے سلسلے میں میرا یہ ایک طریق کار تھا۔"

"لیکن ابھی وہ کیس باضابطہ طور پر ہمارے پاس نہیں آیا۔"

"ایک نہ ایک دن تو اسے آنا ہی ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "یہ سول پولیس کے بس کا روگ نہیں۔"

"تو تم نے یہ کیسے فرض کر لیا کہ اس کی تفتیش کا کام تمہارے ہی سپرد کیا جائے گا۔"

"اس لئے کہ عموماً یہاں کا یہی رواج ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"تو اسکا یہ مطلب ہے کہ یہاں تمہارے علاوہ اور سب گدھے ہیں۔" سپرنٹنڈنٹ جھلا کر بولا۔

فریدی نے ایک تیز نظر سپرنٹنڈنٹ پر ڈالی اور دوسری طرف دیکھنے لگا۔

"دوسرا چارج تمہارے اسسٹنٹ کے خلاف یہ ہے کہ وہ شہر کی شریف لڑکیوں کو پریشان

کرتا ہے۔"

"جی....!" فریدی نے چونک کر کہا۔

"ابھی ایک آدمی نے فون پر اس کی شکایت کی ہے۔"

"کون ہے وہ....!" فریدی نے دلچسپی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"کیپٹن خاور....!" سپرنٹنڈنٹ نے کہا وہ بہت غصے میں تھا۔ "اس نے بتایا کہ حمید اس
منگیتر.... کیا نام ہے اس کا.... میں نام بھول گیا۔"

"شہناز....!" فریدی مسکرا کر بولا۔

"ہاں ہاں تو تمہیں اس کا علم ہے۔" سپرنٹنڈنٹ نے تیز لہجے میں کہا۔

"جی ہاں....!" فریدی نے کہا۔ "لیکن آپ ذرا اپنے لہجے میں نرمی پیدا کرنے کی کوش
کیجئے.... وہ کچھ دن پہلے حمید کی بھی منگیتر رہ چکی ہے۔"

"میں یہ سب نہیں جانتا۔" سپرنٹنڈنٹ بگڑ کر بولا۔ "لیکن میں اپنے محکمے کی بدنامی نہ
برداشت کر سکتا۔"

"تو اس سلسلے آپ پھر کیا کریں گے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

سپرنٹنڈنٹ جو ابھی حال میں یہاں آیا تھا فریدی کے اس انداز گفتگو پر چڑ سا گیا۔

"تم یہ بھی نہیں جانتے کہ آفیسروں سے کس طرح بات کی جاتی ہے۔"

"میں اچھی طرح جانتا ہوں۔" فریدی نے کہا اور اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

"میں تمہاری رپورٹ کروں گا۔"

"بہتر ہے.... آپ کے اوپر والے مجھے آپ سے زیادہ جانتے ہیں۔" فریدی نے ک
کمرے سے نکل آیا۔

فریدی اپنی میز پر آکر فائلوں کی دیکھ بھال میں مشغول ہو گیا۔ چڑچڑے آفیسر کی گفتگو
اس کی طبیعت بدمزہ ہو گئی تھی۔ وہ ان چیزوں کا عادی نہیں تھا۔

جس محکمے کا انسپکٹر جنرل تک اس کی عزت کرتا ہو اس کے سپرنٹنڈنٹ کی بھلا اس کی نظر
میں کیا وقعت ہو سکتی تھی۔

تقریباً دو گھنٹے کے بعد ڈی۔ آئی۔ جی کا اردلی اس کی میز کے قریب آکر کھڑا ہو گیا۔

ڈی۔ آئی۔ جی نے اُسے اپنے کمرے میں طلب کیا تھا۔

اور ڈی۔ آئی۔ جی نے حسب سابق اسے ہاتھوں ہاتھ لیا۔

"مسٹر فریدی میرا خیال ہے کہ آج کل کچھ زیادہ مصروف نہیں ہو۔"

"آپ کا خیال درست ہے۔"

"بھئی وہ دلکشا ہوٹل والا کیس ہمارے پاس آگیا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اس کی تفتیش تم کرو
معاملہ بہت زیادہ الجھا ہوا ہے۔"

"جیسا آپ فرمائیں۔" فریدی نے کہا۔ "کیا آپ براہِ راست مجھے یہ کیس دے رہے ہیں۔"

"ہاں میں نے سپرنٹنڈنٹ کے توسط سے دینا مناسب نہیں سمجھا۔"

فریدی مسکرا کر خاموش ہو گیا۔

"دیکھو بھئی.... سپرنٹنڈنٹ یہاں نوارد ہے.... اور سول پولیس سے اس محکمے میں آیا ہے۔
میرا مطلب یہ ہے کہ تم خود سمجھدار اور تجربہ کار ہو۔"

"مجھے کوئی شکایت نہیں....!" فریدی نے کہا۔

دفتر کی گھڑی نے چار بجائے اور فریدی گھر واپس آگیا۔ حمید اس کا انتظار کر رہا تھا۔

"کہو بھئی کیا خبر لائے۔" فریدی نے پوچھا۔

"کیپٹن خاور خواہ مخواہ اس کے گلے پڑ گیا۔" حمید نے کہا۔

"یعنی....!"

"کچھ دن قبل دونوں اتفاقیہ طور پر مل گئے تھے۔ تب سے خاور اس کے پیچھے پڑ گیا ہے۔ وہ
طرح طرح کے بہانے تراش کر اس سے پیچھا چھڑانا چاہتی ہے لیکن اس پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔"

"ہوں....؟" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "آثار کچھ اچھے نہیں۔"

اور پھر اُس نے اپنی اور سپرنٹنڈنٹ کی گفتگو کے متعلق حمید کو بتایا۔

حمید حیرت سے ہنستا رہا۔

"اس کا مطلب سمجھتے ہو۔" فریدی نے کہا۔

"نہیں.... میں کچھ نہیں سمجھ سکا۔"

"کیپٹن خاور کا بھی وہی حشر ہونے والا ہے جو لڑکی سے رومال چھیننے والے مزدور کا ہوا۔"

"یہ کیوں....!"

"کوئی اُسے بیوقوف بنا کر اپنا کام نکال رہا ہے۔"

"اوہ سمجھا۔" حمید نے معنی خیز انداز میں سر ہلا کر کہا۔

"مگر تمہاری پوزیشن اس سے خطرے میں پڑ جائے گی۔" فریدی نے کہا۔

"کیوں ....؟"

"خاور تمہیں بدنام کرتا پھر رہا ہے۔ اگر وہ مارا گیا تو لامحالہ تمہارا نام ضرور لیا جائے گا۔" فریدی نے کہا۔

"مگر شہناز تو اس کی تردید کرے گی۔" حمید نے جلدی سے کہا۔

"اور اگر اسے بھی غائب کر دیا گیا تو۔" فریدی نے کہا۔ "یہ مت سمجھو کہ مجرم دھوکے میں ہیں۔"

"قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ انہیں ہماری مشغولیات کا علم ہو گیا ہے۔"

"یہ تو بہت بُرا ہوا۔" حمید نے کہا۔ "ہم لوگ چوہے دان میں پھنس گئے۔"

"ہشت....!" فریدی مسکرا کر بولا۔ "میں ایسا نہیں سمجھتا۔"

حمید نے کوئی جواب نہیں دیا وہ کسی گہری سوچ میں پڑ گیا تھا۔

"واقعی میری پوزیشن خطرے میں پڑ گئی ہے۔" حمید نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ "کیوں نہ شہناز کو کہیں ہٹا دیا جائے۔"

"ناممکن....؟" فریدی نے کہا۔ "میں نے اپنا ایک خیال ظاہر کیا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ صحیح کہاں تک ہے۔ ہو سکتا ہے کہ میرا خیال غلط ہو....!"

"آپ کا خیال کبھی غلط نہیں ثابت ہوا کرتا۔" حمید نے مضطربانہ انداز میں کہا۔

"خیر چھوڑو ان باتوں کو.... آج رات کو ہمیں سر بنتھال کے لئے کچھ نہ کچھ کرنا چاہیے۔"

"جو کہئے وہ کیا جائے۔" حمید بولا۔

"سر بنتھال کے گھر کی تلاشی لینا ضروری ہے۔" فریدی نے کہا۔

"لیکن اُس نے گھر میں کوئی ایسی چیز چھوڑی ہی کیوں ہوگی۔" حمید نے کہا۔

"مجھے اُس رومال کی جستجو نہیں ہے۔" فریدی بولا۔

"پھر....؟"

"کوئی ایسی چیز جس سے میں اُسے قانونی شکنجے میں جکڑ سکوں۔"

"تو وہ رومال کے علاوہ اور کیا ہو سکتی ہے۔"

"رومال....!" فریدی نے کہا۔ "عجیب آدمی ہو۔ کیا تم مقتولہ کا رومال پہچانتے ہو۔"

"نہیں....!"

"پھر....!"

"میں شدید قسم کے انتشار میں مبتلا ہوں۔"

"کیوں....!"

"ارے یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔" حمید جھلا کر بولا۔

"ہرگز نہیں، برخوردار....!" فریدی مسکرا کر بولا۔ "ذہنی انتشار بلاوجہ ہے۔ میں تمہیں اتنا کمزور نہیں سمجھتا تھا۔"

"مجھے اپنی پرواہ نہیں.... مگر....!"

"شہناز....!" فریدی تضحیک آمیز انداز میں مسکرایا۔

حمید خاموش ہو گیا۔

باہر اندھیرا پھیل گیا تھا.... یہ دونوں گفتگو میں اس درجہ مشغول تھے کہ انہیں کمرے میں روشنی کرنے کا بھی خیال نہ رہا۔ فریدی کرسی سے اٹھا۔ وہ سوئچ بورڈ کی طرف بڑھ ہی رہا تھا کہ دفعتاً پوری عمارت ایک عجیب قسم کی گونج سے گونج اٹھی.... اور پھر ایک جھٹکا سا محسوس ہوا اور در و دیوار جھنجھنا اٹھے۔ فریدی نے جلدی سے کمرے میں روشنی کر دی اور ادھر اُدھر دیکھنے لگا۔

حمید احمقوں کی طرح اس کا منہ تک رہا تھا۔ برآمدے میں نوکروں کے قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ ایک پل کے لئے فریدی سناٹے میں آ گیا۔ لیکن جلد ہی اس کی حالت میں عجیب و غریب تغیر پیدا ہو گیا۔ وہ زخمی بھیڑیئے کی طرح غرا کر تہہ خانے کی طرف جھپٹا۔ حمید اس کے پیچھے تھا۔ برآمدے میں سارے نوکر کھڑے ایک دوسرے کا منہ دیکھ رہے تھے۔ فریدی اور حمید کو اس حال میں دیکھ کر ان کی حیرت اور بڑھ گئی۔ لیکن اُن میں سے کوئی اس جگہ سے ہلا نہیں۔ حمید اور فریدی تہہ خانے والے کمرے میں آئے۔ فریدی نے فرش پر بچھی ہوئی قالین الٹ دی اور دوسرے ہی لمحے میں چونک کر پیچھے ہٹ گیا۔ تہہ خانے کے ڈھکن کی درزوں سے دھوئیں کی پتلی

پتلی لکیریں ڈس کر کمرے کی فضا میں منتشر ہو رہی تھیں۔

فریدی نے حمید کو کمرے سے نکل جانے کا اشارہ کیا اور تہہ خانے کا ڈھکن کھول کر خود بھی کمرے سے باہر نکل آیا۔ پھر دھوئیں کا ایک امنڈتا ہوا بادل دروازے کی طرف جھپٹا۔

حمید اس کا مطلب سمجھ چکا تھا.... اُس نے اپنا پستول نکال کر اُس کی نال دروازے کی طرف گھما دی۔

"بے سود.... قطعی بے سود....!" فریدی آہستہ سے بڑبڑایا۔ "ہم دھوکا کھا گئے....!"

تھوڑی دیر کے بعد دھواں ختم ہو گیا.... فریدی اور حمید پھر کمرے میں داخل ہوئے۔ کمرے میں بارود کی بدبو پھیلی ہوئی تھی۔

اور پھر وہ تہہ خانے میں آئے، جو بالکل خالی تھا.... میز پر ایک کاغذ پڑا ہوا تھا۔ اس پر عربی زبان میں کچھ تحریر تھا۔ فریدی اُسے پڑھنے لگا.... اور ایک بار پھر وہ کسی زخمی درندے کی طرح پیچ و تاب کھانے لگا۔

"اچھا.... اچھا.... دیکھا جائے گا.... فریدی لونڈا نہیں۔" وہ آہستہ سے بولا۔

حمید حیرت سے اُسے دیکھ رہا تھا۔

"نکل گیا....!" حمید نے کہا۔

فریدی کوئی جواب دینے کے بجائے لپک کر کمرے کا فرش دیکھنے لگا۔

"اوہ....!" اسکے منہ سے بے اختیار نکلا اور پھر وہ سیدھا کھڑا ہو کر حمید کی طرف دیکھنے لگا۔

"مجھ سے بڑا احمق آج تک نہ پیدا ہوا ہو گا۔" فریدی نے کہا۔

حمید نے کوئی جواب نہ دیا وہ استفہامیہ نظروں سے فریدی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"آؤ چلیں....!" فریدی نے کہا۔

دونوں تہہ خانے سے چلے آئے۔

"اس کاغذ پر کیا لکھا ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"فریدی پڑھ کر سمجھانے لگا....!"

"محترم سراغ رساں!

تم خواہ مخواہ بیچ میں آ ٹپکے.... میں تو سر بنتھال کو ایک شاندار سبق دینے جا رہا تھا۔

ہر وہ شخص جو اس رومال کا راز جاننے کی کوشش کرے گا اس کا یہی حشر ہو گا۔

میں نے محض اس لئے تمہیں کوئی گزند نہیں پہنچایا کہ تم بھی سر بنتھال کے پیچھے پڑے ہوئے ہو۔ اس رومال کو اپنے پاس رکھنے والے کی سزا موت ہے اور اس کا راز جاننے کی کوشش کرنے والے کو بھی تھوڑی بہت سزا ضرور دی جاتی ہے۔ تمہارے لئے فی الحال یہی صدمہ کافی ہے کہ تم دھوکا کھا سکے۔ سر بنتھال کو اس سے زیادہ بھگتنا پڑے گا.... دیکھ لو دھواں بن کر تمہارے تہہ خانے سے جا رہا ہوں.... خیر تھوڑی سی ہسٹری اُس رومال کی بھی سن لو۔ علی فضیل نے ایک پرانے مقبرے سے وہ رومال کھود کر نکالا تھا.... دو ہزار سال پرانے مقبرے سے.... فرعون سوئم کی بیٹی لامیا کے مقبرے سے.... فرعون کی وہ بیٹی جو سانپ پالتی تھی.... فرعون کی وہ بیٹی جو زہریلے سانپوں کے منہ میں اپنی زبان ڈال دیتی تھی.... فرعون کی وہ بیٹی جس کا سارا جسم سانپ چاٹتے تھے.... اور جب علی فضیل نے اُس کا رومال کھود نکالا تو ایک بہت بڑا اژدھا اُس کے پیچھے لگ گیا اور پھر ایک دن اُس نے اسے اس طرح چیر کر پھینک دیا جیسے کوئی شریر بچہ کسی ننھی سی چڑیا کی ٹانگیں نوچ ڈالتا ہے.... رومال مصر قدیم کے بعض اہم رازوں سے تعلق رکھتا ہے اس لئے اس کے پیچھے پڑنے والے کی سزا موت ہے.... خوفناک روحیں اس کی محافظ ہیں۔"

فریدی خاموش ہو گیا۔ حمید سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"لغویت اور بکواس....!" فریدی خلاء میں گھورتا ہوا بڑبڑایا۔

"میں بھی ضعیف الاعتقاد نہیں.... مگر...." حمید کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

"تہہ خانے سے دھواں بن کر نکل جانے والی کوئی بدروح تھی۔" فریدی نے طنزیہ انداز میں حمید کا جملہ پورا کر دیا۔

"پھر اس کے علاوہ اور کیا کہا جا سکتا ہے۔" حمید نے کہا۔

"روحیں نقلی ڈاڑھیاں نہیں لگاتیں.... روحیں کسی مزدور کو سوٹ پہنا کر اُسے پستول کی گولی کا نشانہ نہیں بناتیں....!"

"مگر.... مگر.... دھواں....!" حمید ہکلایا۔

"ایک چھوٹا سا ٹائم بم جو اُس نے کہیں چھپا رکھا تھا۔"

"ہم لوگوں کی عدم موجودگی میں کسی طرح تہہ خانے سے نکل گیا اور ٹائم بم ڈالتا گیا۔۔۔ وقت معینہ پر بم پھٹ گیا۔۔۔ چونکہ وہ ایک بند جگہ میں پھٹا تھا اس لئے دھماکے کے بجائے صر ہلکی سی گونج اور گھڑگھڑاہٹ سنائی دی۔ بم زیادہ طاقتور نہیں تھا ورنہ کمرے کا فرش بیٹھ جاتا۔"

"تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ سربتھال کے علاوہ کوئی اور بھی اس رومال میں دلچسپی ہی نہ لے رہا بلکہ حقیقتاً اس رومال پر قابض بھی ہے۔" حمید نے کہا۔

"یہ ایک نیا معمہ پیدا ہو گیا۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "لیکن سربتھال کی پوزیشن میر ذہن میں صاف نہیں۔"

"میرا خیال ہے کہ اُس نے اسی مقصد کے تحت اس آدمی کو ٹیوی کے حوالے کیا تھا۔ سے وہ رومال زبردستی حاصل کر لے۔" حمید بولا۔

"یہ تو ظاہری بات ہے۔" فریدی بولا۔ "لیکن میں اس سے مطمئن نہیں۔"

"اس لئے کہ تمہارے بیان کے مطابق اُس رات کو سربتھال نے کسی کا رومال غائب کیا تھا جس رات وہ رومال حسینہ سے چھینا گیا۔"

حمید کچھ سوچنے لگا۔ دفعتاً اُس کی آنکھیں چمک اٹھیں۔

"کیا یہ ممکن نہیں۔ وہ مزدور سربتھال کا آدمی رہا ہو جو رومال چھین کر بھاگا تھا اور پھر کسی دوسرے آدمی نے ہلاک کر کے رومال اس سے حاصل کر لیا ہو۔۔۔۔ اس طرح سربتھال کوششوں کے باوجود بھی محروم رہ گیا ہو۔"

"یہ بھی ہو سکتا ہے۔" فریدی نے کہا اور کچھ سوچنے لگا۔ پھر چند لمحے خاموش رہ کر

"لیکن تمہیں یہ بھی ماننا پڑے گا کہ سربتھال ہم لوگوں سے بے خبر نہیں تھا۔"

"کیوں۔۔۔۔؟"

"اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ اتنے موٹے شکار کو دوسروں پر چھوڑ کر خود وہاں سے چلا نہ جا
فریدی نے کہا اور کچھ سوچنے لگا۔ دفعتاً اُس کی آنکھوں میں دبے ہوئے جوش کی جھلکیاں نظر لگیں اور وہ اٹھ کر کھڑا ہوا۔

"لیکن ٹھہرو!" اس نے حمید کی طرف دیکھ کر کہا۔ "ٹیوی اس وقت وہاں کیا کر رہا تھا

اس کا مطلب یہ کہ وہ ایک سوچی سمجھی ہوئی اسکیم تھی۔۔۔۔ اوہ۔۔۔۔ حمید۔۔۔۔ ہم لوگ بالکل گدھے ہیں۔۔۔۔ پرلے سرے کے احمق۔۔۔۔ لیکن اتنا یاد رکھو کہ کیپٹن خاور چند گھنٹوں کا مہمان ہے۔"

"معلوم نہیں آپ کیا کہہ رہے ہیں۔" حمید اکتا کر بولا۔ "سربتھال سے آپ کیپٹن خاور پر آ گئے۔"

"ٹھہرو۔۔۔۔" فریدی نے ٹیلی فون کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ "اُس نے ریسیور اٹھا کر ڈائل گھماتے ہوئے کہا۔ "انکوائری۔۔۔۔ مصری سفارت خانہ۔۔۔۔ شرف العزیز۔۔۔۔ یہیں ہیں۔۔۔۔ ان کے بنگلے کا فون نمبر کیا ہے۔"

"اوہ۔۔۔۔ اچھا شکریہ۔" فریدی نے ڈس کنکٹ کر کے دوبارہ نمبر ملائے "ہیلو۔۔۔۔ کیا شرف العزیز ہیں۔۔۔۔ میں انسپکٹر فریدی بول رہا ہوں۔۔۔۔ وعلیکم السلام۔۔۔۔ میں تھوڑی سی تکلیف دینا چاہتا ہوں۔۔۔۔ اس دوران میں کسی نے مصر جانے کے لئے ویزا کی درخواست تو نہیں دی۔۔۔۔ ہوں۔۔۔۔ اور کوئی ذرا ٹھہرو۔۔۔۔ میں نوٹ کروں گا۔۔۔۔ کیا نام بتایا تھا۔۔۔۔ ہاں۔۔۔۔ اچھا اچھا۔۔۔۔ اور۔۔۔۔ اور۔۔۔۔ بہت خوب۔۔۔۔ اچھا شکریہ۔۔۔۔ کل ہم لوگ دلکشا میں چائے بھی پئیں گے اور کھانا بھی کھائیں گے۔ بہت دنوں سے تم سے ملاقات نہیں ہوئی۔۔۔۔ میڈموزئیل ثریا فیروزاں کو بھی میری طرف سے کہہ دینا۔۔۔۔ اچھا۔۔۔۔ والسلام۔۔۔۔!"

فریدی ریسیور رکھ کر مڑا۔۔۔۔ اس کے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔

"اور سنا تم نے" وہ حمید سے بولا۔ "سربتھال مصر جا رہا ہے۔ اُس نے مصری سفارت خانے میں ویزا کے لئے درخواست دی ہے۔"

"دی ہو گی۔" حمید جھلا کر بولا۔ "مجھے تو کیپٹن خاور کی ہونیوالی موت کا غم کھائے جا رہا ہے۔"

"کیوں۔۔۔۔؟" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "اپنے رقیب سے اتنی محبت کرتے ہو۔"

"محبت نہیں بلکہ خواہ مخواہ کی پھانسی سے ڈرتا ہوں۔" حمید نے اکتا کر کہا۔ "کس جنجال میں پھنس گیا۔"

"ڈرو، نہیں پیارے تم خواہ مخواہ کیوں مرے جا رہے ہو۔۔۔۔ یہ سب مجھ پر چھوڑ کر اپنے کام میں لگ جاؤ۔"

"کام۔۔۔۔! اب کیا کام ہے؟"

"شہناز کو کہیں غائب کردو۔" فریدی نے کہا۔

"غائب کہاں کردوں.... یہیں لاکر تہہ خانے میں۔"

"جی نہیں۔" فریدی نے کہا۔ "تہہ خانے کا راز افشاء ہو چکا ہے۔"

"پھر....!"

حمید کچھ کہنے ہی والا تھا کہ دفعتاً ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ فریدی نے ریسیور اٹھالیا۔

"ہیلو.... فریدی بول رہا ہے.... اوہ آپ.... جی.... کیا.... ہاں ہاں.... حمید یہاں وقت میرے پاس موجود ہے.... اوہ.... تو میرا خیال صحیح نکلا.... خیر خیر یہ ثابت کرنا تو میرا ہے.... آپ مطمئن رہیں.... اُس کی یا میری ملازمت پر ذرہ برابر بھی آنچ نہیں آسکتی.... خیر....!"

فریدی ریسیور رکھ کر مڑا۔ وہ قدرے متفکر نظر آرہا تھا۔

"کون تھا....؟" حمید نے پوچھا۔

"ہمارے سپرنٹنڈنٹ صاحب۔" فریدی نے تلخ لہجے میں کہا۔ "شہناز غائب ہو گئی ہے کے خالہ زاد بھائی کیپٹن خاور نے مشکوک لوگوں میں تمہارا اور میرا نام بھی لکھا دیا ہے۔"

"مگر وہ تو کہتی تھی کہ وہ اس کا کوئی بھی نہیں ہے۔" فریدی نے کہا۔

"پولیس کو اس سے کیا غرض اُس نے پولیس کو تو اس قسم کا کوئی بیان نہیں دیا۔"

"یہ تو بہت بُرا ہوا....!" حمید۔

"بہت بُرا۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "اتنا بُرا کہ شائد اب جلد ہی تمہیں کیپٹن خاور کی تجہیز و تکفین کا انتظام کرنا پڑے گا۔"

ایک لٹیرا

"جہنم میں گیا خاور۔" حمید بے چینی سے بولا۔ "شہناز کے لئے کیا کیا جائے۔"

"گھبراؤ نہیں۔" فریدی نے کہا۔ "سب ٹھیک ہو جائے گا.... سر بنتھال کو مصر جانے کے لئے اُس وقت تک ویزا نہیں مل سکتا جب تک میں نہ چاہوں۔"

"تو کیا یہ سر بنتھال ہی کی حرکت ہے۔"

"میں یہی سمجھتا ہوں۔"

"لیکن وہ تہہ خانے والا۔"

"فی الحال اُسے بھول جاؤ۔"

"لیکن آخر سر بنتھال ہمیں کیوں پھنسانا چاہتا ہے۔" حمید نے اکتا کر پوچھا۔

فریدی کچھ سوچنے لگا۔

"لیکن آخر یہ سپرنٹنڈنٹ کا پٹھا ہم لوگوں کے پیچھے کیوں پڑ گیا ہے۔" حمید نے کہا۔

"خیر.... اس کے علاوہ اور کیا کہا جاسکتا ہے۔" فریدی نے کہا۔ "خیر دیکھا جائے گا۔"

"آٹھ بج رہے ہیں.... چلو کھانا کھائیں۔"

کھانے کے دوران میں حمید خاموش رہا.... فریدی بھی کچھ نہیں بولا۔

"تم اتنے خاموش خاموش کیوں ہو۔" فریدی کھانا کھا چکنے کے بعد بولا۔

"بھئی شہناز کا معاملہ مجھ پر چھوڑ دو.... ابھی کل ہی کی بات ہے کہ تم نے عشق سے توبہ کی تھی۔"

حمید نے کوئی جواب نہ دیا۔

"اور یہ تو بڑا اچھا ہوا.... اب تم بھی کچھ ہاتھ پیر سیدھے کر سکو گے.... ایک بار تم شہناز کے لئے سر دھڑ کی بازی لگا چکے ہو[1] اس بار پھر سہی۔"

"مجھے اسکا افسوس ہے کہ میری بدولت اُسے مصیبت جھیلنی پڑے گی۔" حمید بے بسی سے بولا۔

"ارے عشق میں چنے کے لوہے ارے.... لاحول.... لوہے کے چنے چبانے پڑتے ہیں.... اگر وہ تمہارے لئے اتنی سی مصیبت جھیل ہی لے جائے گی تو کیا ہو جائے گا۔"

"آپ خواہ مخواہ میرا مذاق اڑا رہے ہیں۔" حمید بُرا مان کر بولا۔ "آپ پر کبھی گذری ہوتی تو معلوم ہوتا۔"

"اُف.... کیا بات کہہ دی ہے تم نے۔" فریدی سینے پر ہاتھ مار کر بولا۔ "اس دل پر تو ایسی گذری ہے کہ خدا دشمن کو ضرور نصیب کرے۔"

حمید احتجاجاً اٹھ کر وہاں سے جانے لگا۔

[1] جاسوسی دنیا کا تیسرا ناول "عورت فروش کا قاتل" جلد نمبر 1 ملاحظہ فرمائیں۔

"ٹھہرو.....!" فریدی سخت لہجے میں بولا۔ "تم بعض اوقات اتنے احمق کیوں ہو جا
ہو.....میں نے شہناز کا انتظام پہلے ہی کرلیا ہے۔"

حمید رک کر فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔

"میں نے کچھ آدمیوں کو اُس کے مکان کی نگرانی کے لئے مقرر کر دیا تھا۔ آج دفتر م
سپرنٹنڈنٹ سے گفتگو کرنے کے بعد ہی میں نے یہ اقدام کیا تھا۔ وہ جہاں بھی لی جائی گئی ہوگی مج
اس کی اطلاع مل جائے گی۔"

"اگر اُسے بھی ختم کر دیا گیا تو.....!" حمید نے کہا۔

"تو پھر میں تم دونوں کو ایک ہی قبر میں دفن کرادوں گا۔" فریدی نے بیزاری سے کہا اور ا
کر کمرے میں ٹہلنے لگا۔

حمید خاموشی سے ایک طرف کرسی پر بیٹھ گیا۔

"جاؤ نا جاکر کیپٹن خاور کے گریبان میں ہاتھ ڈال دو.....!" فریدی اس کی طرف مڑ
ناخوشگوار لہجے میں بولا۔

"آپ تو خواہ مخواہ ناراض ہو جاتے ہیں۔"

فریدی کچھ کہنے ہی والا تھا کہ ایک نوکر کمرے میں داخل ہوا۔

"ایک برقعہ پوش عورت آپ سے ملنا چاہتی ہے۔" اس نے کہا۔

"برقعہ پوش عورت.....!" فریدی چونک کر بولا۔ "اچھا اسے ڈرائنگ روم میں بٹھاؤ۔"

نوکر چلا گیا۔

"یہ برقعہ پوش عورت کون ہے۔" فریدی آہستہ سے بڑبڑایا۔

اس نے حمید کو ساتھ آنے کے لئے اشارہ کیا اور ڈرائنگ روم کی طرف روانہ ہو گیا۔

ایک عورت جس نے خود کو سر سے پیر تک سیاہ برقعے میں چھپا رکھا تھا۔ ڈرائنگ روم ک
دروازے بند کر رہی تھی۔ فریدی اور حمید اس کی اس حرکت پر متحیر ہوئے بغیر نہ رہ سکے انہو
نے اتنی لمبی تڑنگی عورت آج تک نہ دیکھی تھی اور پھر آخر ڈرائنگ روم کے دروازے بند کر
کا کیا مطلب تھا۔

فریدی کا ہاتھ بے اختیار اپنی کوٹ کی اس جیب میں چلا گیا جس میں پستول تھا..... عورت

نے بالآخر دروازہ بھی بند کر دیا جس سے وہ لوگ کمرے میں داخل ہوئے تھے.....اور پھر اس نے
نقاب الٹ دی۔

"اوہ" فریدی کے منہ سے بے اختیار نکلا۔ "کون جبار خان۔"

"جی ہاں.....!" اُس نے ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"اس کا مطلب.....!" فریدی نے کڑے لہجے میں پوچھا۔

"میں جانتا ہوں کہ جیل کی تنگ و تاریک کوٹھری میرا انتظار کر رہی ہے..... لیکن وہ موت
سے بہتر ہے۔ میں اسی لئے آپ کے پاس آیا ہوں..... میں مرنا نہیں چاہتا۔"

"آخر بات کیا ہے۔" فریدی نے بیٹھتے ہوئے نرم لہجے میں پوچھا۔

"صرف آپ ہی مجھے اس مصیبت سے نجات دلا سکتے ہیں۔"

"کچھ کہو بھی.....!" حمید اکتا کر بولا۔

"حسینہ کے قتل کا بھی کچھ تھوڑا بہت ذمہ دار ہوں۔"

"کون حسینہ.....!" فریدی نے لاپروائی سے پوچھا۔

"وہی جو دلکشا ہوٹل میں قتل کر دی گئی تھی؟"

"اچھا..... ہوں تو گویا تم اقبال جرم کر کے خود کو قانون کے حوالے کرنے آئے ہو..... بہتر
یہ ہوگا کہ تم کوتوالی جاکر اپنا بیان دے دو..... بھلا میرے پاس آنے سے کیا فائدہ۔"

"اس طرح تو آپ سچ مچ مجھے موت ہی کے منہ میں دھکیل رہے ہیں۔" جبار خان نے گھبرا
کر کہا۔

"تو کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں ایک ایسے آدمی کو اپنے یہاں سے صحیح و سلامت نکل جانے دوں
گا جسے پولیس چار سال سے تلاش کر رہی ہو۔" فریدی نے کہا۔

"آپ میرا مطلب نہیں سمجھے۔" جبار خان نے کہا۔ "میں تو چاہتا ہوں کہ حراست میں لے
لیا جاؤں کیونکہ اسی طرح میری جان بچ سکتی ہے۔"

"اسی لئے تو کہتا ہوں کہ کوتوالی چلے جاؤ۔"

"اور اگر راستے ہی میں کسی نے مجھے ٹھکانے لگا دیا تو..... ڈرتا ڈرتا تو میں یہاں تک آیا
ہوں۔" جبار خان نے کہا۔ فریدی اُسے غور سے دیکھ رہا تھا۔

"تم اب تک کہاں رہے۔" فریدی نے پوچھا۔

"اسی شہر میں۔" جبار خان بولا۔ "نام تبدیل کر کے یتیم خانے میں ملازمت کرلی تھی۔"

"لیکن ایسا کیا تم پولیس کو اپنے متعلق بتانا چاہتے ہو۔"

"یہی بتانے کے لئے آپ کے پاس آیا ہوں۔"

"تو بتاؤ نا....!" فریدی جماہی لیتا ہوا لاپروائی سے بولا۔

"کئی دن ہوئے مجھے ایک لفافہ بذریعہ ڈاک ملا جس میں سو روپے کا ایک نوٹ تھا۔"

"بڑے خوش قسمت ہو تم....!" فریدی اُس کی بات کاٹ کر بولا۔

"جی نہیں اُسی نوٹ سے میری بد قسمتی شروع ہوئی۔" جبار خان بولا۔

"چلو یہی سہی.... آگے کہو۔" فریدی اکتاہٹ کا اظہار کرتے ہوئے بولا۔

"اُسی نوٹ کے ساتھ ایک خط بھی تھا جس میں کسی نے مجھے بارہ بجے رات کو ایک سنسان سڑک پر جانے کے لئے لکھا تھا۔ اُس میں یہ بھی تھا کہ مجھ سے جو کام لیا جانے والا ہے اس کے عوض مجھے تین ہزار روپے ملیں گے جس میں سے ڈیڑھ ہزار تو اسی وقت مل جائیں گے۔ جب میں شرائط مان جاؤں گا اور ڈیڑھ ہزار کام ہو جانے پر....!"

"کیا وہ خط تمہارے اصلی نام سے آیا تھا۔"

"جی نہیں.... لفافے پر وہی نام درج تھا جو میں نے بعد میں اختیار کیا تھا.... سعید احمد۔"

"ہوں....!"

"پہلے تو میں سمجھا کہ شاید پولیس کو میرے متعلق معلوم ہو گیا ہے.... لیکن پھر سوچا کہ اگر پولیس کو معلوم ہو گیا ہوتا تو وہ اتنی دردسری کیوں مول لیتی.... سو روپے کا خون کرتی۔"

"داستان کو مختصر کرو.... میں بہت مشغول آدمی ہوں۔" فریدی نے کہا۔

"بہر حال میں کافی سوچ بچار کے بعد سرکلر روڈ پر بارہ بجے رات کو پہنچ ہی گیا.... مجھے کنوئیں کے پاس والے پیپل کے درخت کے نیچے آنے کو لکھا گیا تھا.... چاروں طرف تاریکی پھیلی ہوئی تھی۔ تھوڑی دیر بعد ایک کار آکر وہاں رکی اور کسی نے میرا اصلی نام لے کر پکارا۔ میں دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ موٹر کے قریب پہنچا.... کار میں اندھیرا تھا۔ میں اس کی صورت نہ دیکھ سکا.... اور شاید اب اس کی آواز نہ پہچان سکوں.... کیونکہ وہ اپنی آواز کو دبا کر باتیں کر رہا

تھا۔ اُس نے مجھے ایک ایسے آدمی کو حسینہ کو قتل کر دینے کے لئے تلاش کرنے کو کہا جسے آسانی سے پہچانا نہ جا سکے.... آپ جانتے ہوں گے کہ میں نے آج تک قتل وغیرہ کے معاملے میں ہاتھ نہیں لگایا لیکن ان دنوں روپیوں سے تنگ تھا۔ سوچا مجھے تو قتل کرنا نہیں ہے۔ لہٰذا میں اس پر راضی ہو گیا.... اور معاملہ بھی عجیب دلچسپ تھا۔ وہ محض ایک رومال کی خاطر قتل کی جا رہی تھی۔ موٹر والے نے مجھے بتایا کہ حسینہ سے رومال لینے کے بعد اُسے قتل کر دیا جائے گا۔ میں راضی ہو گیا۔ مجھے ڈیڑھ ہزار روپے اُسی وقت مل گئے اور ایک کاغذ بھی ملا جس پر اُس قتل کے متعلق ساری احتیاطی تدبیریں درج تھیں.... وہ کاغذ اس وقت بھی میرے پاس موجود ہے.... ہاں تو میں نے اُس سے دوسرے دن ملنے کا وعدہ کیا.... لیکن وہ یہ سارا کام دوسری ہی رات کو کر ڈالنا چاہتا تھا.... اُس نے مجھ سے کہا کہ جو اُسے قتل کر کے رومال لے آئے گا اس کے لئے ایک ہزار روپے الگ سے دیئے جائیں گے.... میں نے دوسری ہی رات کو یہ کام سرانجام دے ڈالنے کا وعدہ کیا.... میرے ذہن میں ایک آدمی تھا.... وہی جو اسی رات کو دلکشا ہوٹل کے باہر قتل کر دیا گیا۔ میں نے اُسے تیار کیا۔ وہ ایک معمولی مزدور تھا.... میں نے موٹر والے کی اسکیم کے تحت اُسے نفیس قسم کا سوٹ پہنا کر دلکشا ہوٹل میں بھیج دیا.... اور پھر جب وہ ہوٹل سے باہر نکلا تو کسی نے اس کو قتل کر دیا۔"

جبار خان خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا۔

"کیا تم اس وقت وہیں موجود تھے۔" فریدی نے پوچھا۔

"نہیں.... میں آگے بڑھ کر ایک چائے خانے میں بیٹھ گیا تھا۔ میں نے اُسے سمجھا دیا تھا کہ وہ اُس رومال کو لے کر سیدھا وہیں آئے.... لیکن کسی نے اُسے....!"

"تمہیں بقیہ روپے تو مل گئے ہوں گے۔"

"آج بارہ بجے رات کو ملیں گے۔" جبار خان نے کہا۔ "مجھے آج پھر ایک خط ملا ہے جس میں لکھا ہے کہ میں آج بارہ بجے رات کو اُسی پیپل کے درخت کے نیچے پہنچ جاؤں۔"

"وہ خط اور وہ کاغذ جس پر قتل کی اسکیم لکھی ہوئی ہے مجھے دو" فریدی نے کہا۔

جبار خان نے کاغذات جیب سے نکال کر فریدی کو دے دیئے۔ فریدی انکا بغور مطالعہ کرتا رہا۔

"تو پھر تم یہاں کیوں دوڑے آئے۔" فریدی نے اُس سے پوچھا۔

"میں جانتا ہوں کہ اگر میں وہاں گیا تو صبح تک میری لاش سردی سے اکڑ جائے گی۔"
خان نے کہا۔

"کیوں....؟" فریدی نے اُسے تیز نظروں سے گھورتے ہوئے پوچھا۔

"اس لئے کہ وہ شخص انتہائی رازداری سے کام لے رہا ہے.... اُس نے اُس مزدور کو قتل کروایا؟ رومال حاصل کر لینے کے بعد اُسے ایسا نہ کرنا چاہئے تھا.... میں بھی اسی بساط کا [illegible] مہرہ ہوں جسے شبہ سے بچنے کے لئے پٹوا دیا جائے۔ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ اگر میں [illegible] کے لالچ میں وہاں دوڑا گیا تو میرا بھی وہی حشر ہوگا جو اُس مزدور کا ہوا.... اب صرف آپ میری جان بچا سکتے ہیں۔"

"ہوں....!" فریدی کچھ سوچتے ہوئے بولا۔ "تم یہ کس طرح کہتے ہو کہ تمہارا بھی حشر ہوگا۔"

"میرا دل کہہ رہا ہے۔" جبار بولا۔ "یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ ہم جرائم پیشہ لوگ [illegible] حس بھی رکھتے ہیں۔ میں سوچتا ہوں کہ جو لوگ شارع عام پر کسی کو گولی مار سکتے ہیں کیا وہ [illegible] حسینہ کو قتل کر کے وہ رومال نہیں حاصل کر سکتے تھے۔ انہوں نے کسی مجبوری ہی کی بناء پر مجھے [illegible] معاملے میں شریک کیا اور پھر محض رازداری کے خیال سے اس مزدور کو قتل کر دیا.... تو پھر وہ مجھے کیوں زندہ رہنے دیں گے.... مجھے منطق نہیں آتی ورنہ میں اس سے بھی زیادہ زور [illegible] دلائل پیش کرتا ویسے میرا دل کہہ رہا ہے کہ میرا بھی وہی حشر ہونیوالا ہے، جو اُس مزدور کا ہوا"

جبار خاموش ہو کر رحم طلب نگاہوں سے فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔

"وہ شخص جو تم سے سرکلر روڈ پر ملا تھا کوئی انگریز تھا۔" فریدی نے پوچھا۔

"انگریز تو کسی طرح نہیں ہو سکتا.... کیونکہ وہ اردو میں گفتگو کر رہا تھا۔" جبار نے کہا۔

"بہتیرے انگریز اچھی خاصی اردو بولتے ہی ہیں۔" فریدی بولا۔

"لیکن لہجہ۔" جبار مضطربانہ انداز میں بولا۔ "میں نے آج تک کوئی انگریز نہیں دیکھا جس کا لہجہ ہندوستانی ہو۔"

"اوہ....!" فریدی کسی سوچ میں پڑ گیا۔

"میں نے اخبار میں پڑھا تھا کہ آپ بھی کیس میں دلچسپی لے رہے ہیں۔" جبار نے کہا۔

"کون سا کیس....!"

"وہی حسینہ والا....!"

"میں اتفاقاً وہاں پہنچ گیا تھا.... اور یہ رومال والا معاملہ تو کسی طرح میرے حلق سے نہیں اترتا.... بھلا رومال.... لاحول ولاقوۃ کسی احمق کو بھی اس پر یقین نہیں آسکتا۔"

"میں آپ سے سچ کہتا ہوں کہ مجھے یہی بتایا گیا تھا۔ اس کاغذ میں بھی وہی تحریر ہے.... اب اس کی تہہ میں کیا راز ہے یہ میں نہیں جانتا۔"

"تو اب تم کیا چاہتے ہو۔" فریدی نے کہا۔

"کتنی بار کہوں۔" جبار جھلا کر بولا۔

"تم نے ایک بار بھی نہیں کہا۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا۔

"میں نے یہاں آکر سخت غلطی کی۔" جبار آہستہ سے بولا۔ اس کی آنکھوں سے بے اعتباری مترشح ہو رہی تھی۔ "میں تو سمجھا تھا کہ میری اس اطلاع پر آپ اچھل پڑیں گے۔"

"مگر تمہاری اطلاع میں کوئی ایسی بات نہیں جسے سن کر اچھلنا پڑے۔" فریدی نے کہا۔

"تو میں ناامید ہو جاؤں۔"

"میں یہ بھی نہیں کہتا۔"

"پھر آخر آپ کہتے کیا ہیں۔"

"پولیس کو فون کر کے تمہیں احتیاط سے جیل بھجوا دوں۔"

"تو کیا وہ مجھے جیل میں زندہ رہنے دیں گے۔"

"زندہ تو تم کہیں بھی نہیں رہ سکتے.... تمہارا مرنا اتنا ہی یقینی ہے جتنا کہ اُس آدمی کا جو تمہیں سرکلر روڈ پر ملا تھا۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔"

"مطلب سمجھ کر تم کیا کرو گے۔" فریدی نے کہا۔ "خیر تم یہیں ٹھہرو، مگر اس طرح نہیں تمہیں یہاں پولیس والوں کی نگرانی میں رہنا پڑے گا۔"

"مجھے منظور ہے۔" جبار نے کہا۔

فریدی نے ریسیور رکھ کر انسپکٹر جگدیش کو فون کیا۔ تھوڑی دیر بعد جگدیش دو مسلح سپاہیوں

کے ساتھ فریدی کی کوٹھی پر پہنچ گیا۔

جبار خان کو دیکھ کر وہ چونک پڑا۔

"ہاں یہ جبار خان ہے۔" فریدی نے کہا۔ "خود کو پولیس کے حوالے کرنے آیا ہے۔"

"اوہ....!" جگدیش نے کہا اور جبار کو گھورنے لگا۔

"لیکن یہ نہیں بتانا چاہتا کہ اُس نے ایسا کیوں کیا ہے۔" فریدی نے کہا۔

"میں اگلوالوں گا۔" جگدیش نے کڑے لہجے میں کہا۔

"جی نہیں.... داروغہ جی صاحب.... اس کی ضرورت نہیں۔" فریدی طنزیہ لہجے میں بولا۔ "آپ اس کے لئے مجبور نہ کیجئے گا۔"

"اوہ....!" جگدیش معنی خیز نظروں سے فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔

"آپ اُس وقت تک یہاں ٹھہر کر اس کی نگرانی کریں گے جب تک کہ میں واپس نہ آجاؤں۔" فریدی نے کہا۔

"حوالات میں کیوں نہ رکھا جائے۔" جگدیش نے کہا۔

"بھئی میں جو کہہ رہا ہوں وہ کرو....؟" فریدی جھنجھلا کر بولا۔

"بہت اچھا.... بہت اچھا۔" جگدیش نے جلدی سے کہا۔

"اپنے ان دونوں سپاہیوں کو بھی کمرے سے باہر نہ جانے دینا۔"

"اچھا.... لیکن....!"

"لیکن کیا....!" فریدی اسے آنکھ مار کر بولا۔ "میں آج رات بھر جبار خان کو اپنا ہی مہمان رکھنا چاہتا ہوں۔"

"اوہ....!"

"باہر کسی کو اس کی اطلاع نہ ہونے پائے۔" فریدی نے سپاہیوں کی طرف دیکھ کر کہا۔ "تم میری طرف سے انعام کے مستحق ہو گے۔"

"نہیں سرکار بھلا ایسی بات ہو سکتی ہے۔" ایک سپاہی بولا۔

انہیں ڈرائنگ روم میں چھوڑ کر فریدی اور حمید باہر چلے آئے۔

"اپنا سیاہ سوٹ پہن لو۔" فریدی نے حمید سے کہا۔

"کیوں....؟"

"ابھی بتاتا ہوں۔" فریدی نے کہا اور اپنے سونے کے کمرے میں چلا گیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ سیاہ سوٹ میں ملبوس کمرے سے نکلا.... حمید نے بھی اُس کی ہدایت کے مطابق سیاہ سوٹ پہن لیا تھا۔ فریدی اپنے جیب میں پڑے ہوئے پستول کو ٹٹولتا ہوا بولا۔ "ریوالور بھی لیتے چلو۔"

کار میں لاش

رات تاریک اور انتہائی سرد تھی۔ ستارے اس طرح کپکپا رہے تھے جیسے وہ برف کے طوفان میں پھنس کر آخری جدوجہد کر رہے ہوں۔ چاروں طرف ایک لامتناہی سناٹا چھایا ہوا تھا.... کبھی کبھی جھینگروں کی "جھائیں جھائیں" اچانک رک جاتی اور ایسا معلوم ہونے لگتا جیسے سناٹے کا تسلسل ٹوٹ گیا ہو۔

سرکلر روڈ پر جو شہر میں روشنی کی بوچھاڑوں میں ڈوبی ہوئی تھی۔ شہر کے باہر کے ویران حصے میں آکر تاریکی کی آغوش میں سو گئی تھی اور اس وقت قدموں کی آہٹیں بھی اُس کے سینے میں دھڑکنیں نہیں پیدا کر رہی تھیں اس کے دونوں کناروں پر بڑے بڑے درخت اور کہیں کہیں گھنی جھاڑیاں تھیں۔ دفعتاً اس کے سیاہ سینے پر روشنی کی لمبی لمبی لکیریں نظر آنے لگیں اور دور کسی کار کی ہیڈ لائٹس دکھائی دیں۔ کار تیزی سے آرہی تھی۔:. پیپل کے پرانے درخت کے قریب آکر اُس کی رفتار کم ہو گئی اور پھر کچھ دور چلنے کے بعد رک سی گئی لیکن مشین نہیں روکی گئی۔ انجن کی ہلکی ہلکی آواز فضا میں منتشر ہو رہی تھی۔ ہیڈ لائٹس بجھا دی گئیں.... کسی نے کھڑکی سے سر نکال کر پیپل کے درخت کی طرف دیکھا.... وہاں ایک تاریک سایہ متحرک نظر آرہا تھا۔

"جبار خان" کار والے نے آہستہ سے آواز دی۔ "قریب آؤ....!" یہ آہستہ آہستہ کار کی طرف بڑھنے لگا۔ ساتھ ہی کار والے کا ہاتھ جیب میں گیا۔ اُس نے پستول نکال کر اس کی نال کار کی کھڑکی پر رکھ دی۔ لیکن کار کی طرف بڑھنے والا سایہ شائد اس سے بے خبر تھا۔ وہ کار سے ڈیڑھ فٹ کے فاصلے پر کھڑا ہوگا.... کار والے نے پستول مضبوطی سے پکڑ لیا.... لیکن دوسرے ہی

لمحے میں کار کی دوسری کھڑکی سے ایک ہاتھ اس کی گردن کی طرف بڑھا۔ کار والے کو اس کی
تک نہ آئی۔

"خبر دار....!" پیچھے سے آواز آئی۔ "اپنا پستول سڑک پر گرادو۔"

کار والے کی گردن میں ٹھنڈے لوہے کا ننھا سا دائرہ چبھنے لگا....

"پستول سڑک پر گرادو....!" پیچھے سے پھر آواز آئی۔ "اگر تم نے ذرہ برابر بھی جنبش کی
کھوپڑی اڑ جائے گی۔"

کار والے کا پستول سڑک پر آگرا۔ اس کے سامنے کھڑا ہوا آدمی خاموش کھڑا تھا۔

"کیپٹن خاور نیچے اتر آؤ۔" اُس نے آہستہ سے کہا۔

"تم کون ہو۔" کار والے نے خوفزدہ لہجے میں پوچھا۔

"انسپکٹر فریدی۔" سامنے کھڑے ہوئے آدمی نے کہا۔

"شہناز کہاں ہے۔" پیچھے سے سرجنٹ حمید نے پوچھا۔ اُس کے پستول کی نال کار والے
گردن میں چبھی جا رہی تھی۔

"میں نہیں جانتا۔" کار والے نے کہا۔

"نیچے اُتر آؤ۔" آخر فریدی نے کہا اور کار کا دروازہ کھول دیا۔

کار کے انجن کی آواز سناٹے میں گونج رہی تھی۔ کار والے نے ایک پیر پائیدان پر رکھ دیا۔
ایسا معلوم ہوا جیسے وہ نیچے اُتر رہا ہو۔ لیکن اندھیرے میں فریدی یہ نہ دیکھ سکا کہ کار وا
ہاتھ گیئر پر رینگ رہا ہے۔ دفعتاً فریدی کو اپنی بنیادی غلطی کا احساس ہوا۔ اُس نے ہاتھ بڑھا
مشین بند کرنے کا ارادہ ہی کیا تھا کہ کار ایک جھٹکے کے ساتھ چل پڑی.... سرجنٹ حمید دو
طرف سڑک کے کنارے لڑھک گیا.... اور فریدی کھڑا ہاتھ ملتا رہ گیا۔ حمید نے پے در پے
کرنے شروع کردیئے۔ لیکن کار گولیوں کی دسترس سے دور جاچکی تھی۔

"کیوں فضول کارتوس خراب کر رہے ہو۔" فریدی جھلا کر بولا۔ "تم سے بھی اتنا نہ ہو سکا
ہاتھ بڑھا کر انجن بند کر دیتے۔"

"میں.... کیا.... میں کیا....!" حمید ہانپتا ہوا بولا۔

"ہاں تم کیا کر سکتے تھے۔" فریدی طنزیہ انداز میں بولا۔ "کیپٹن خاور کا نام سنتے ہی شہناز کی

تو پڑ گئی تھی۔"

"شائد میرے سر میں چوٹ آگئی ہے۔" حمید جھینپ کر بولا۔

فریدی نے جھک کر سڑک پر سے کیپٹن خاور کا پستول اٹھالیا۔

دونوں ایک طرف چلنے لگے۔

"کیا آپ ناراض ہوگئے۔" حمید تھوڑی دیر بعد بولا۔ "مجھے خود اس کا خیال رکھنا چاہئے تھا۔"

"خیر کوئی پرواہ نہیں.... اب یہ لوگ بچ نہیں سکتے۔"

ایک کار تیزی سے اُن کے قریب سے گذر گئی۔

"ہمیں کار پر آنا چاہئے تھا۔" حمید نے کہا۔

"مگر اس کار پر کون تھا۔" فریدی نے کہا۔ "اس نے ہیڈ لائٹس بھی نہیں جلائی تھیں۔"

"ہو گا کوئی یہ کیا یہاں ویرانے میں چالان کا ڈر ہے۔" حمید بولا۔

فریدی کسی سوچ میں پڑ گیا۔

"لیکن تھی کوئی نہایت نفیس قسم کی کار۔" فریدی نے کہا۔ "ذرہ برابر بھی آواز نہیں معلوم ہوئی۔"

وہ پھر کچھ سوچنے لگا۔

"حمید....!" وہ تھوڑی دیر بعد بولا۔ "کہیں اس کار پر اس گروہ کا سرغنہ رہا ہو.... کون جانے کہ وہ کیپٹن خاور کو ختم کر دینے کے لئے اُدھر آیا ہو۔"

"کیا مطلب....!"

"کیپٹن خاور جبار کو قتل کرتا اور وہ کیپٹن خاور کو....!"

"اوہ....!"

"بہر حال اس معاملے میں بھی خاصی چوٹ رہی۔" فریدی نے کہا۔ "جابر[1] کے بعد یہ دوسری ہستی ملی ہے جس سے مقابلہ کرنے میں دانتوں پسینہ آرہا ہے۔"

"میرے دانتوں میں تو درد ہوگیا ہے۔" حمید ہنس کر بولا۔

"خیر خیر جلدی چلو۔" فریدی نے کہا۔ "میرے خیال سے ڈیڑھ بج گئے ہوں گے۔ اب اس

[1] جاسوسی دنیا کا ساتواں، آٹھواں ناول (جلد نمبر 2) ملاحظہ کیجئے۔

وقت کوئی سواری بھی نہ ملے گی۔"

دونوں نے تیز تیز قدم اٹھانے شروع کر دیئے۔

"آخر وہ کون تھا جو ہمارے تہہ خانے سے نکل بھاگا۔" حمید نے کہا۔

"سر بنتھال....!"

"جی....!" حمید چلتے چلتے رک کر بولا۔

"چلتے رہو چلتے رہو.... یہ کوئی ایسی حیرت انگیز بات نہیں۔" فریدی نے کہا۔

"معلوم نہیں آپ اس وقت کس موڈ میں ہیں۔" حمید ہنس کر بولا۔ "شاید اس وق
ناکامی نے آپ کے ذہن پر کوئی بُرا اثر ڈالا ہے۔"

"یعنی میرا دماغ خراب ہو گیا ہے۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔

"میں یہ نہیں کہتا.... اگر وہ سر بنتھال تھا تو شائد وہ جس نے اُسے شراب پلائی تھی ا
ہمزاد تھا۔"

"ہمزاد نہیں بلکہ ہمشکل کہو۔" فریدی نے کہا۔ "میں تمہیں میک اپ کر کے سر بنتھا
سکتا ہوں اور خود فضیل بن سکتا ہوں.... کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں فضیل کی گفتگو سے مط
ہو گیا تھا.... ہرگز نہیں.... میں صرف اس بات پر مطمئن تھا کہ وہ میرے تہہ خانے سے نک
کہیں جا نہیں سکتا۔"

"لیکن آپ نے اس وقت اپنے شبہے کا اظہار نہیں کیا تھا۔" حمید نے کہا۔

"ضروری نہیں سمجھا تھا۔" فریدی نے کہا۔ "وہ عربی ضرور بولتا تھا لیکن اس کا لہجہ اس
اہل زبان ہونے پر دلالت نہیں کرتا تھا....!"

"آخر سر بنتھال کی اس حرکت کا مطلب کیا تھا۔"

"محض یہی کہ میری توجہ اپنی طرف سے ہٹا کر یہاں سے نکل جائے.... اگر وہ اس
کے حصول کے لئے کوشش کر رہا تھا تو پھر مصر جانے کے لئے ویزا کی درخواست کیوں دی
اس سے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ وہ رومال اس کے پاس ہے.... شاید اُسے اس بات کا علم ہو
کہ تم اس کی حرکت کو بغور دیکھ رہے ہو۔ لہٰذا اس نے ہمیں بیوقوف بنانے کے لئے یہ پلاٹ
حیرت ہوتی ہے اس کی ذہانت پر۔ میرے پن چھپانے پر وہ اس طرح عربی میں چیختا تھا جیسے اس

لئے پہلے ہی سے تیار رہا ہو۔ کتنا مصنوعی نفسیاتی ردعمل تھا اُس وقت یقیناً میں اپنی اس تدبیر پر خود
ہی جھوم اٹھا تھا.... لیکن آج اپنے سے زیادہ احمق کسی اور کو سمجھ ہی نہیں سکتا.... اور اس کے
باوجود بھی میں مشکوک تھا۔"

"تو کیا اُسی وقت آپ نے اس کا اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ سر بنتھال تھا۔" حمید نے پوچھا۔

"ہرگز نہیں.... میں مشکوک ضرور تھا لیکن اُس وقت اس کا وہم و گمان بھی نہیں تھا کہ وہ
خود سر بنتھال ہے۔"

"اور حقیقت تو یہ ہے کہ اب بھی یہ بات میرے حلق سے نہیں اترتی۔" حمید نے کہا۔

"خیر دیکھا جائے گا۔" فریدی نے کہا۔ "اس راز سے بھی کبھی نہ کبھی پردہ اٹھے ہی گا.... میں
تم سے یہ کب کہتا ہوں کہ بے چوں وچرا ہر بات پر ایمان لے آیا کرو۔"

وہ دونوں تقریباً چار بجے گھر پہنچے ڈرائنگ روم میں سناٹا تھا.... "لو بھئی کوئی دوسری چوٹ"
فریدی بوکھلا کر بولا۔ "یہ لوگ کہاں گئے۔ کیا اُن احمقوں نے اُسے حوالات پہنچا دیا۔"

"نوکروں کو جگا کر پوچھیے۔" حمید بولا۔

"ٹھہرو....!" فریدی فون کی طرف بڑھتا ہوا بولا.... اُس نے ریسیور اٹھایا.... "ہیلو....
کوتوالی ڈیوٹی پر کون ہے.... اوہ.... ذرا جگدیش کو بلاؤ۔" فریدی نے ریسیور میز پر ڈال دیا اور
حمید کی طرف دیکھنے لگا.... تھوڑی دیر بعد اُس نے پھر ریسیور اٹھایا۔ "ہیلو.... جگدیش....
فریدی بول رہا ہے.... کیا چُوٹ.... کیسی چوٹ.... گھاس تو نہیں کھا گئے.... ارے.... چہرہ
خون میں ڈوبا ہوا تھا.... تمہیں کب عقل آئے گی۔ سب ستیاناس کر دیا تم نے.... لاحول
ولاقوۃ.... میں نے تمہیں بلا کر غلطی کی تھی.... میں سمجھا تھا کہ تمہیں کچھ کچھ عقل آ گئی
ہوگی.... خیر آئندہ احتیاط برتوں گا....“ فریدی نے ایک جھٹکے سے ریسیور رکھ دیا اور بے چینی
سے کمرے میں ٹہلنے لگا۔ غصے سے اُس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ اُس نے ایک بار رک کر میز پر ایک
زوردار مکا مارا اور پلٹ کر حمید کو گھورنے لگا۔

"کیا ہوا....!" حمید نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

"شکست....!" فریدی زخمی بھیڑیئے کی طرح غرایا۔ "جبار کو وہ لوگ نکال لے گئے۔"

"نکال لے گئے؟" حمید نے متحیرانہ انداز میں پوچھا۔

"ہاں.... جگدیش کو دھوکہ دیا گیا.... لیکن اب پانی سر سے اونچا ہو چکا ہے۔" فریدی نے صوفے پر گر کر آنکھیں بند کر لیں۔

"جگدیش کس طرح دھوکا کھا گیا۔" حمید نے کہا۔

"جب میں دھوکے کھا رہا ہوں تو جگدیش کی کیا حقیقت ہے۔" فریدی نے بُرا سا منہ بنایا۔

"آخر ہوا کیا....؟"

"جگدیش کا بیان ہے کہ تین بجے کے قریب تم خون میں نہائے ہوئے ڈرائنگ روم میں داخل ہوئے۔"

"میں....!" حمید اچھل کر بولا۔

"ہاں.... تمہارا چہرہ خون میں ڈوبا ہوا تھا۔"

حمید گھبرا کر اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرنے لگا۔ لیکن پھر اپنی اس حماقت کا احساس ہوتے ہی ہاتھ نیچے گرا دیا۔

"تم نے اس سے کہا کہ فریدی صاحب جبار کو بلا رہے ہیں.... تم اتنی جلدی میں تھے کہ تم نے جگدیش کو یہ بھی نہ بتایا کہ تم خون میں کیوں نہائے ہوئے ہو۔"

"مگر میں تو....!"

"میرے ساتھ تھے۔" فریدی طنزیہ انداز میں بولا۔ "تم اتنے احمق کیوں ہو جاتے ہو.... میں یہ کب کہتا ہوں کہ ہوں کہ تم میرے ساتھ نہیں تھے.... اُس گروہ کا کوئی آدمی تمہاری شکل میں آیا اور جبار کو لے اڑا.... مجھے اس کی توقع نہیں تھی۔"

"اب کیا کیا جائے۔" حمید بے بسی سے بولا۔

"سوچنا پڑے گا.... سوچنا پڑے گا....!" فریدی نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"میں نے آج تک ایسا مجرم نہیں دیکھا جو دلیر بھی ہو کھل کر بھی سامنے نہ آتا ہو۔"

"کیوں نہ سر بنتھال کو گرفتار کر لیا جائے۔" حمید نے کہا۔

"کیا احمقوں کی سی باتیں کر رہے ہو۔" فریدی نے کہا۔ "اُس کے خلاف ثبوت کہاں سے کریں گے۔ یہ تو اسی وقت ہو سکتا تھا جب ہم کیپٹن خاور کو گرفتار کر لیتے....!"

"کیپٹن خاور....!" حمید اپنی مٹھیاں بھینچ کر آہستہ سے بولا۔

"جاؤ جا کر سو جاؤ۔" فریدی نے کہا۔ "ابھی بہت کچھ کرنا ہے...."

"اب نیند نہیں آئے گی۔" حمید نے کہا۔

فریدی خاموش ہو گیا۔

"اچھا اس آتش دان میں کوئلے ہی ڈال دو۔" فریدی نے کہا اور آنکھیں بند کر کے کچھ سوچنے لگا۔

حمید نے اٹھ کر آتش دان میں کوئلے سلگا دیئے۔

فریدی جو صوفے میں بیٹھا اونگھ رہا تھا دفعتاً کھڑا ہو گیا۔

"تھوڑی دوڑ دھوپ کی ہمت کر سکو گے۔" فریدی نے حمید سے پوچھا۔

"ابھی اس وقت....؟" حمید اپنے چہرے پر کاہلی کے آثار پیدا کرتا ہوا بولا۔

"اور نہیں تو کیا ایک سال کے بعد۔" فریدی نے کہا اور اپنا اوور کوٹ پہننے لگا۔

حمید بھی طوعاً و کرہاً اٹھا۔ آج کافی تھک گیا تھا۔ تھکن کا یہ عالم تھا کہ اُسے بولنے میں بھی کاہلی محسوس ہو رہی تھی۔

گھڑی ساڑھے پانچ بجا رہی تھی۔ وہ دونوں برآمدے سے نکل کر پائیں باغ میں آئے۔

فریدی گیراج کھول کر اپنی کار باہر نکال ہی رہا تھا کہ ایک کار احاطے کے پھاٹک پر آ کر رکی پھر کوئی پھاٹک کو پکڑ کر ہلانے لگا۔

"کون ہے؟" حمید چیخا۔

"پھاٹک کھولو....!"

"اوہ آپ....؟" حمید پھاٹک کی طرف بڑھتا ہوا بولا اور فریدی سے مخاطب ہو کر کہا۔

"سپرنٹنڈنٹ صاحب" حمید نے پھاٹک کھول دیا۔ سپرنٹنڈنٹ اندر آ گیا.... فریدی بھی گیراج سے باہر نکل آیا۔

"تم لوگ کہاں سے آ رہے ہو۔" سپرنٹنڈنٹ نے اُن سے پوچھا۔

"ہم لوگ کہیں جا رہے ہیں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "مگر اب نہ جائیں گے ہماری خوش نصیبی ہے کہ آپ نے غریب خانے پر قدم رنجہ فرمایا.... اندر تشریف لے چلیے۔"

"نہیں....!" سپرنٹنڈنٹ نے طنزیہ انداز میں کہا۔ "میں یہ بتانے کے لئے آیا ہوں کہ

کیپٹن خاور سرکلر روڈ کے موڑ پر اپنی ٹوٹی ہوئی کار میں مردہ پایا گیا ہے.... اس کی داہنی کنپٹی پر لگی....!"

"اوہ....!" حمید اچھل کر بولا۔ اُس کی نظریں بے اختیار فریدی کی طرف اٹھ گئیں۔

"تو میرا خیال سچ نکلا....!" سپرنٹنڈنٹ نے کڑے لہجے میں کہا۔

"اگر آپ اپنے خیال سے مطلع فرمائیں تو اپنی خوش نصیبی سمجھوں گا۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

"حمید اس خبر کو سن کر گھبرا کیوں گیا۔" سپرنٹنڈنٹ نے تلخ لہجے میں کہا۔

"اس لئے کہ اُسے کیپٹن خاور کا انجام معلوم تھا۔" فریدی نے کہا۔

"یعنی....؟"

"یہی کہ جو ایک قاتل کا انجام ہونا چاہئے۔"

"کون قاتل....!"

"کیپٹن خاور....!"

"نہ جانے تم کہاں کی باتیں کر رہے ہو۔" سپرنٹنڈنٹ جھلا کر بولا۔

"شاید آپ کو نہیں معلوم کہ وہ رومال والا کیس میرے سپرد کر دیا گیا ہے۔"

"مجھے معلوم ہے۔" سپرنٹنڈنٹ تلخ لہجے میں بولا۔

"تو پھر بس کیپٹن خاور کا قتل اُسی سلسلے کی ایک کڑی ہے.... حسینہ سے رومال مزدور نے چھینا.... مزدور کو کیپٹن خاور نے ختم کیا اور ہو سکتا ہے کہ وہی حسینہ کا بھی قاتل ہو.... اور کیپٹن خاور کو اس کے اوپر والوں نے ختم کر دیا۔"

"ثبوت....!"

"بھلا میں آپ کو ثبوت کیوں کر دے سکتا ہوں۔" فریدی نے کہا۔ "اس کیس میں تعلق براہِ راست ڈی۔ آئی۔ جی۔ سے ہے۔"

"ہوں....اچھا....!" سپرنٹنڈنٹ نے حمید کی طرف مڑ کر پوچھا۔ "شہناز کہاں ہے۔"

"بھلا وہ بیچارہ کیا بتائے گا۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "وہ بیچارہ تو اُس کے لئے بُری طرح تڑپ رہا ہے۔ یہ میں جانتا ہوں کہ شہناز کہاں ہے۔"

"کہاں ہے۔" سپرنٹنڈنٹ نے بگڑ کر پوچھا۔ فریدی کے طنز آمیز طرز گفتگو نے اس کا موڈ بگاڑ دیا تھا۔

"یہ میں نہیں بتا سکتا۔" فریدی نے تلخ لہجے میں کہا۔ "میری مصلحت اسکی اجازت نہیں دیتی۔"

"میں تمہارا آفیسر ہوں" سپرنٹنڈنٹ نے ڈانٹ کر کہا۔

"یہ کوئی خاص بات نہیں۔ ایک بار یورپ کا مشہور ڈاکو لیونارڈ[1] بھی کافی عرصے تک میرا آفیسر رہ چکا ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"تم میری توہین کر رہے ہو۔" سپرنٹنڈنٹ گرج کر بولا۔

"آپ خواہ مخواہ دل برداشتہ ہو رہے ہیں۔ یہ محکمہ ہی ایسا ہے.... یہاں سب کچھ سہنا پڑتا ہے۔"

"کچھ نہیں یہ اوپر والوں کی غلط پالیسی کا نتیجہ ہے۔" سپرنٹنڈنٹ جھلا کر بولا۔

"میں خدا کے علاوہ اور کسی کو اوپر والا نہیں سمجھتا۔" فریدی نے کہا۔

"خیر چھوڑیئے ان باتوں میں.... اگر کوئی حرج نہ ہو تو اس وقت میرے ہی ساتھ ناشتہ کر لیجئے۔"

"میں سورج طلوع ہونے سے قبل ناشتہ نہیں کرتا۔" سپرنٹنڈنٹ نے کہا اور پیر پٹختا ہوا باہر چلا گیا۔

"یا وحشت....!" حمید مسکرا کر بولا۔



تھوڑی دیر بعد فریدی اور حمید بھی جائے وقوعہ پر پہنچ گئے۔ سرکلر روڈ کے چوراہے پر مڑتے وقت کیپٹن خاور کی کار ایک درخت سے ٹکرا کر الٹ گئی تھی.... بمشکل تمام اُس کی لاش اُس کے اندر سے نکالی جا سکی تھی۔ دو تین سب انسپکٹر اور محکمہ سراغرسانی کا سپرنٹنڈنٹ لاش کے گرد کھڑے تھے۔ فریدی اور حمید کے پہنچتے ہی سپرنٹنڈنٹ نے بُرا سا منہ بنایا۔

"میں نہیں سمجھتا کہ تم لوگوں کی دخل اندازی ضروری ہے۔" سپرنٹنڈنٹ نے کہا۔

فریدی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ سول پولیس والوں کے سامنے بات بڑھے اور سپرنٹنڈنٹ صاحب اس میں اپنی توہین محسوس کریں۔

[1] جاسوسی دنیا جلد نمبر 2 کا ناول "فریدی اور لیونارڈ" ملاحظہ فرمائیے۔

لیکن یہ واقعہ سول پولیس والوں کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیپٹن خاور گولی لگنے کی وجہ
مرا یا کار الٹنے کی وجہ سے۔ سپرنٹنڈنٹ نے اپنے خیال کا اظہار شروع کیا۔ اس نے فریدی اور
پر ایک اچٹتی ہوئی سی نگاہ ڈالی اور کہنے لگا۔ "جس وقت یہ یہاں کار موڑ رہا تھا کسی نے اس پر
چلائی اور کار درخت سے ٹکرا کر الٹ گئی۔"

فریدی کے ہونٹوں پر طنز آمیز مسکراہٹ پھیلنے لگی۔ لیکن وہ کچھ بولا نہیں۔

تھوڑی دیر بعد سول پولیس والے لاش وہاں سے اٹھا لے گئے.... سپرنٹنڈنٹ وہیں رہ گیا

"اب فرمائیے آپ لوگ....!" سپرنٹنڈنٹ طنزیہ لہجے میں بولا۔

"میں آپ سے متفق نہیں ہوں۔" فریدی نے کہا۔

"بھلا آپ لوگ کیوں متفق ہونے لگے۔" سپرنٹنڈنٹ معنی خیز انداز میں سر ہلا کر بولا۔

"آپ غلط لائنوں پر سوچ رہے ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"مسٹر فریدی خود کو عقل مند سمجھنے والا عموماً بیوقوف ہوتا ہے۔"

"میں بہت عرصے سے یہی سوچ رہا ہوں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"رات تم دونوں کہاں تھے۔" سپرنٹنڈنٹ نے پوچھا۔

"کیپٹن خاور کے تعاقب میں....!" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔

"کیا مطلب....!" سپرنٹنڈنٹ اچھل کر بولا۔

"مطلب ہم لوگ فی الحال اپنے ہی تک محدود رکھنا چاہتے ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"تم اس جرم کو اپنی مصنوعی دلیری کے پردے میں نہیں چھپا سکتے۔ تم لوگوں کے خلا
کیپٹن خاور کی رپورٹ محفوظ ہے۔"

"اور اس غریب کو ملک الموت نے اپنی حفاظت میں لے لیا۔" فریدی ہنس کر بولا۔

"تم پھر میرا مذاق اڑانے کی کوشش کر رہے ہو۔" سپرنٹنڈنٹ گرج کر بولا۔

"آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔ "میں آج ہی شہر بھر
بدمعاشوں سے آپ کے خلاف لاتعداد رپورٹس لکھوا سکتا ہوں۔"

"یعنی....!"

"یعنی یہ کہ ہمیں اپنے راستے سے تھوڑی دیر کیلئے ہٹا دینے کو مجرموں نے یہ چال چلی۔"

"اور اب تم یہ دوسری چال چل رہے ہو۔"

"تو آپ یہ سمجھتے ہیں کہ کیپٹن خاور کے قتل میں ہمارا ہاتھ ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"چہ چہ ہم لوگ اتنے احمق نہیں کہ کسی مردے پر گولی چلائیں۔"

"مردے پر....!" سپرنٹنڈنٹ چونک کر بولا۔

"جی ہاں....!" فریدی نے کہا۔ "موٹر الٹنے سے پہلے اس پر گولی نہیں چلائی گئی۔"

"یہ تم کس طرح کہہ سکتے ہو۔"

"زخم کے گرد جمی ہوئی بارود کی کھرنڈ.... ریوالور کی نال اس کی کنپٹی پر رکھ کر چلائی گئی ہے.... ورنہ اتنی گہری کھرنڈ جمنی ناممکن تھی اور چلتی ہوئی کار پر اتنے قریب سے گولی چلانے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا.... زخم سے خون بھی نہیں نکلا۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ لاش ٹھنڈی ہو جانے کے بعد اُس پر گولی چلائی گئی۔"

"بڑی پیاری دلیل پیش کی ہے تم نے۔" سپرنٹنڈنٹ طنزیہ انداز میں مسکرا کر بولا۔

"خیر.... خیر.... پوسٹ مارٹم کی رپورٹ بھی آجانے دیجئے۔" فریدی نے کہا۔

"لیکن تم یہ بتاؤ کہ کیپٹن خاور کا تعاقب کیوں کر رہے تھے۔" سپرنٹنڈنٹ نے پوچھا۔

"مجھے افسوس ہے کہ میں اس پر کوئی روشنی نہ ڈال سکوں گا۔"

"اوہ تو مجھے تمہارے خلاف تحقیقات کرانی پڑے گی۔" سپرنٹنڈنٹ نے کہا۔

"شوق سے۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "لیکن کم از کم یہاں تو مجھے کوئی ایسا نظر نہیں آتا جو میرے خلاف تحقیقات کر کے کوئی کام کی بات معلوم کر سکے۔"

"مسٹر فریدی تم بہت مغرور ہو گئے ہو۔"

"آپ کا خیال درست نہیں۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

"خیر دیکھا جائے گا۔" سپرنٹنڈنٹ نے کہا اور اپنی کار میں بیٹھ کر وہاں سے چل دیا۔

"تو آئیے حمید صاحب۔" فریدی الٹی ہوئی کار کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

"احمقوں نے اگر ذرا سی بھی عقلمندی کا ثبوت دیا ہوتا تو ہمیں مجرم ثابت کر دینے میں ذرہ برابر بھی تکلیف نہ ہوتی.... یہ دیکھو اس ہینڈل پر میری انگلیوں کے نشانات موجود ہیں اور دوسری طرف کی کھڑکی پر یقیناً تمہاری انگلیوں کے بھی نشانات ہوں گے۔"

فریدی نے جیب سے رومال نکال کر ہینڈل صاف کر دیا اور دوسری طرف کی کھڑکی پر رومال پھیرنے لگا۔

"آخر سپرنٹنڈنٹ صاحب ہمارے دشمن کیوں ہو رہے ہیں۔" حمید نے کہا۔

"بعض لوگ عادتاً ایسے ہوتے ہیں.... میں اسے کوئی اہمیت نہیں دیتا۔" فریدی نے کہا بغور کار کے ٹوٹے ہوئے حصوں کا جائزہ لے رہا تھا۔

"کچھ نہیں کوئی کام کی بات نہیں معلوم ہو سکتی۔" فریدی تھوڑی دیر بعد بولا۔ "آؤ چلیں"

"شہناز نہ جانے کہاں ہو گی۔" حمید بولا۔

"سر بنتھال کے یہاں۔" فریدی بولا۔

"مگر.... وہ تو....!"

"کچھ نہیں اب کھل کر سامنے آئے بغیر کام نہیں چلے گا۔"

دو دو باتیں

سر بنتھال اپنے بنگلے میں موجود نہیں تھا۔ فریدی اور حمید ڈرائنگ روم میں بیٹھ کر اس کا انتظار کرنے لگے۔ سر بنتھال کے نوکروں نے انہیں ٹالنا چاہا لیکن وہ اس میں کامیاب نہ ہوئے۔ حمید کو بھی حیرت ہو رہی تھی کہ آخر فریدی سر بنتھال کی عدم موجودگی میں اس کے گھر میں کر کیا کرے گا۔

ڈرائنگ روم عمدہ فرنیچر اور اعلیٰ تصاویر سے مزین تھا۔ ان میں زیادہ تر نامور مصوروں کے شاہکار تھے۔ فرش پر ایران اور کشمیر کے بیش قیمت قالین تھے۔ فریدی یہاں کی ایک ایک چیز کا جائزہ لے رہا تھا۔ دفعتاً وہ چونک پڑا۔

"حمید ذرا پلٹ کر دیکھنا کیا پیچھے روشن دان میں بلی ہے۔" فریدی نے کہا۔

حمید مڑ کر دیکھنے لگا اور پھر اُسے ہنسی آ گئی۔

"کمال کیا آپ نے...." وہ ہنس کر بولا۔ "کیا آپ کی گردن میں بھی آنکھیں ہیں۔ آپ سامنے دیکھ رہے تھے پھر آپ کو بلی کیسے نظر آ گئی۔"

"صرف بلی ہی نہیں دکھائی دی بلکہ اس کا خاصا ثبوت مل گیا کہ اس رات سر بنتھال اس سے بے خبر نہیں تھا کہ میں اس کا پیچھا کر رہا ہوں۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔" حمید نے کہا۔

"بھلا بتاؤ تو چھت کے قریب آئینے کیوں لگائے گئے ہیں.... اور پھر ہر روشندان کے سامنے ایک آئینہ ہے۔ اس کا کیا مطلب ہو سکتا ہے۔"

حمید نے اب خیال کیا۔ واقعی ہر روشندان کے سامنے چھت کے قریب ایک ایک آئینہ نصب تھا۔

"ہاں ہے تو بے تکی چیز....!"

"بے تکی نہیں کار آمد کہو۔"

"کیوں....!"

"اُس رات میں نے چھت پر چڑھ کر انہیں روشندانوں میں سے کسی ایک سے جھانک کر اس کمرے میں دیکھا تھا۔ ظاہر ہے کہ کسی نہ کسی آئینے میں میری صورت ضرور دکھائی دی ہو گی۔ سر بنتھال اپنے ساتھی کے ساتھ یہیں موجود تھا.... میں نے اُن دونوں کو بولتے سنا تھا.... ان کی صورتیں نہیں دکھائی دی تھیں۔"

"آپ کا یہ خیال غلط بھی ہو سکتا ہے۔" حمید نے کہا۔

"ہو سکتا ہے۔" فریدی نے کہا۔ "لیکن اس کے علاوہ ان آئینوں کا کوئی اور مقصد ہو بھی نہیں سکتا۔"

حمید نے کوئی جواب نہیں دیا۔ فریدی بھی خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا....

اتفاقاً ڈرائنگ روم سے ایک نوکر گزر کر دوسرے کمرے میں جانے لگا۔ فریدی نے اُسے بلا کر پانی مانگا۔ جب وہ پانی لے کر واپس آیا تو فریدی نے ایک طویل انگڑائی لی اور پانی کا گلاس ہاتھ میں لے کر تعریفی نظروں سے ڈرائنگ روم کا جائزہ لینے لگا۔

"آج کل ایسے آئینے یہاں نہیں ملتے۔" فریدی نے کہا۔ "نوکر نے کوئی جواب نہیں دیا۔"

"میں نے پہلے کبھی انہیں یہاں نہیں دیکھا.... کیا ابھی یہ حال ہی میں یہاں لگائے گئے ہیں۔" فریدی نے پوچھا۔

"جی ہاں....!" نوکر نے کہا اور گلاس لے کر چلا گیا۔

"کیوں بھئی اب کیا کہتے ہو۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"مان گیا۔"

"دیکھیں وہ کب آتا ہے۔"

"میرے خیال سے تو چلئے۔"

"نہیں.... ہمیں بیٹھنا ہے۔" فریدی نے کہا اور سامنے والی تصویر پر نظریں گاڑ دیں۔

وہ کچھ سوچ رہا تھا۔ دفعتاً برآمدے میں قدموں کی آہٹ سنائی دی اور سر بنتھال ڈرائنگ
میں داخل ہوا۔ فریدی اور حمید کو دیکھ کر وہ بے ساختہ بولا۔

"اوہ.... فون ٹھیک کرنے آئے ہو.... تمہیں میرا انتظار کرنا پڑا.... مگر کیوں...
تے نوکروں سے کہہ کر ٹیلی فون بنا کیوں نہیں دیا.... رات سے بگڑا پڑا ہے.... اچھا
ساتھ آؤ۔"

فریدی مسکرا کر اٹھا.... وہ اور حمید سر بنتھال کے ساتھ چلنے لگے۔ متعدد کمرو
گذرتے ہوئے وہ لائبریری میں آئے.... سر بنتھال نے میز پر رکھے ہوئے فون کی طرف ا
کیا.... اور خود ایک الماری کھول کر کتابیں دیکھنے لگا۔

"یہ ٹیلی فون بارہ بجے رات کے بعد تو نہیں خراب ہوا!" فریدی نے پوچھا۔

سر بنتھال چونک کر اس کی طرف مڑا۔

"کیا مطلب....!"

"ہم لوگ یہ پوچھنے کے لئے آئے ہیں کہ کل رات تم نے کس کس کو فون کیا تھا۔"

"تم سے اس سے کیا مطلب....!" سر بنتھال بگڑ کر بولا۔

فریدی نے اپنا ملاقاتی کارڈ اس سے سامنے رکھ دیا۔

"اوہ.... لیکن ایک سراغ رساں کا یہاں کیا کام....!"

"کیا کیپٹن خاور تمہارا دوست تھا۔" فریدی نے پوچھا۔

"ہاں.... لیکن تم یہ کیوں پوچھ رہے ہو۔"

"کل رات اُسے کسی نے قتل کر دیا۔"

"قتل کر دیا....!" سر بنتھال نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں....!"

"مجھے افسوس ہے.... وہ بلیرڈ کا ایک اچھا کھلاڑی تھا۔"

"اُس کے بارے میں اور کیا جانتے ہو۔"

"کچھ زیادہ نہیں.... کیونکہ پندرہ دن قبل اس سے کلب میں ملاقات ہوئی تھی۔"

"وہ ایک اچھا نشانہ باز بھی تھا۔" فریدی نے کہا۔

"رہا ہوگا.... مجھے اس کا کوئی علم نہیں۔"

"اس سے آخری بار کب ملاقات ہوئی تھی۔"

"پرسوں رات کو کلب میں.... ہم دونوں دوپہر تک بلیرڈ کھیلتے رہے۔"

"وہ کیسا آدمی تھا۔" فریدی نے پوچھا۔

"ہندوستانیوں میں ایسے خوبصورت آدمی کم دکھائی دیتے ہیں۔" سر بنتھال بولا۔

"خوب...!" فریدی مسکرا کر حمید کو آنکھ مارتا ہوا بولا۔ "اسکی محبوبہ کے متعلق کیا خیال ہے۔"

"محبوبہ....!" سر بنتھال غرایا۔ "تم لوگ آخر چاہتے کیا ہو۔"

"ہمیں اس کی محبوبہ کی تلاش ہے۔"

"تو کیا میں اس کی محبوبہ ہوں۔" سر بنتھال گرج کر بولا۔

"ہمیں تو یہی اطلاع ملی ہے۔" حمید بے ساختہ بولا اور فریدی ہنس پڑا۔

سر بنتھال ٹیلی فون کی طرف بڑھا۔

"لیکن ہم نے ابھی اس کی مرمت کہاں کی ہے۔" فریدی نے آہستہ سے کہا اور سر بنتھال
پلٹ پڑا۔

"دیکھو میں کہتا ہوں کہ چپ چاپ یہاں سے چلے جاؤ۔"

"خیر میں جاتا ہوں.... اب مجھے علی فضیل مصری کی روح سے گفتگو کرنی پڑے گی۔"

فریدی دروازے کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

سر بنتھال خاموش ہو گیا.... فریدی اور حمید دروازے کے قریب پہنچ چکے تھے۔

"ٹھہرو....!" سر بنتھال نے کہا۔

فریدی مڑا.... سر بنتھال کے چہرے پر غصے کے بجائے گھبراہٹ کے آثار تھے۔

"میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا۔" سر بنتھال نے اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہو کہا۔

فریدی نے اپنی جیب سے ایک رومال نکال کر دو تین بار اُسے فضا میں اچھالا اور سر بنتھال طرف معنی خیز نظروں سے دیکھنے لگا۔

دفعتاً دور کسی کمرے میں قہقہے کی آواز سنائی دی جو بتدریج قریب ہوتی جارہی تھی۔

سر بنتھال دیوانہ وار آواز کی طرف دوڑا اور سامنے والی دیوار سے اس طرح ٹکرا گیا جیسے وہ اسے ہوا دروازہ سمجھا ہو۔

پھر اس نے وحشیانہ انداز میں جیب سے ریوالور نکالا اور پیچھے ہٹ کر دیوار پر فائر کر شروع کر دیئے۔

فریدی اور حمید تحیر آمیز نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگے.... ریوالور کی گولیاں خ ہو جانے کے بعد سر بنتھال ایک صوفے پر گر گیا.... اُس کا چہرہ پسینے میں ڈوب گیا تھا.... وہ بُر طرح ہانپ رہا تھا.... اُس نے ایک بار فریدی اور حمید کی طرف خوفزدہ نظروں سے دیکھا اور ا چہرہ دونوں ہاتھوں سے ڈھک لیا۔

فریدی اور حمید بھی ایک صوفے پر بیٹھ کر سر بنتھال کی بدلتی ہوئی حالت کو دیکھتے رہے۔

تھوڑی دیر بعد سر بنتھال سیدھا بیٹھ گیا... اُسکے چہرے پر عجیب قسم کی بے بسی کے آثار تھے۔

"تم کچھ کہنا چاہتے ہو۔" فریدی بولا۔

"سر بنتھال خاموش ہو گیا.... اُس کے چہرے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ کسی ذہنی کشمکش م مبتلا ہے۔"

"تمہاری اس حرکت کا کیا مطلب تھا.... میں تمہارے گھر کی تلاشی لینا چاہتا ہوں۔" فریدی نے کہا۔

"کیوں....؟ وارنٹ دکھاؤ۔" سر بنتھال بے چینی سے بولا۔

"میں ابھی فون پر اجازت حاصل کئے لیتا ہوں۔" فریدی نے کہا۔

"تم شائد قہقہہ لگانے والے کو تلاش کرو گے۔" سر بنتھال ہاتھ ملتا ہوا بولا "لیکن بیسود....

وہ چھلاوہ ہے.....

"اُف میرے خدا...." سر بنتھال نے پھر اپنا چہرہ چھپالیا۔

فریدی نے حمید کو بیٹھے رہنے کا اشارہ کیا اور کمرے سے نکل گیا۔

تھوڑی دیر بعد سر بنتھال نے سر اٹھا کر حمید کی طرف دیکھا۔

"تمہارا ساتھی تلاشی لینے گیا ہے۔" وہ مغموم آواز میں بولا۔ "مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ لیکن وہ مجھے اس مصیبت سے نہیں بچا سکتا۔"

"کیسی مصیبت....!"

"میں کچھ نہیں بتا سکتا.... نہیں بتا سکتا۔" سر بنتھال مضطربانہ انداز میں بولا۔

"تم نے اس دوران میں کیپٹن خاور کے ساتھ کوئی لڑکی دیکھی تھی۔" حمید نے پوچھا۔

"جہنم میں گیا کیپٹن خاور میں کچھ نہیں جانتا۔" سر بنتھال نے بے چینی سے کہا۔

"اور وہ لڑکی....!"

"اوہ....!" سر بنتھال مکا تان کر غراتا ہوا اٹھنے لگا۔ لیکن پھر کچھ سوچ کر بیٹھ گیا۔

"تم پر....!" حمید کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ فریدی کمرے میں داخل ہوا۔

سر بنتھال استفہامیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"ہوں...." فریدی جھٹکے کے ساتھ صوفے پر بیٹھتا ہوا بولا۔ "علی فضیل کے بارے میں کیا جانتے ہو۔"

"میں کچھ نہیں.... کچھ نہیں جانتا۔" سر بنتھال کی آواز بھرا گئی اور وہ خوفزدہ نظروں سے ادھر اُدھر دیکھنے لگا۔

"بہت اچھے....!" فریدی مسکرا کر بولا۔ "ایکٹنگ اچھی کر لیتے ہو۔"

"کیا مطلب....؟" سر بنتھال غصے سے بولا۔

"میں علی فضیل کے بارے میں کچھ جاننا چاہتا ہوں۔" فریدی نے کہا۔

"کون علی فضیل....!"

"مصری سراغ رساں۔"

"میں اُس کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔"

"تم اس رات جس ڈاڑھی والے کو کلب میں شراب پلا رہے تھے کون تھا۔"

"اوہ.....!" سر بتھال چونک کر بولا۔ "وہ.....وہ.....!"

"ٹھیک ٹھیک بتاؤ.....؟"

"پادری جیر اللہ.....!"

"اور تم یہ جانتے تھے کہ وہ سچ مچ پادری جیر اللہ ہے۔"

سر بتھال پھر چونک پڑا..... وہ حیرت زدہ نظروں سے فریدی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"تم یہ کیوں پوچھ رہے ہو؟" سر بتھال نے پوچھا۔

"میں تم سے سوالات کر رہا ہوں۔" فریدی خشک لہجے میں بولا۔ "میرے سوال کا جواب دو۔"

"ہاں مجھے شبہ تھا کہ وہ جیر اللہ نہیں ہے۔"

"پھر تم اُسے اپنے ساتھ لئے کیوں پھرتے رہے۔"

"محض یہ دیکھنے کے لئے کہ وہ دراصل کون ہے۔"

"اور اسی لئے تم اُسے ٹیوی کے حوالے کر کے خود وہاں سے چل دیئے۔"

سر بتھال پھر چونک پڑا..... وہ فریدی کو غور سے دیکھ رہا تھا۔

"تم سب کچھ جانتے ہو..... اوہ..... اوہ.....!" سر بتھال اٹھ کر بے چینی سے ٹہلنے لگا۔

فریدی بغور اُس کا جائزہ لیتا رہا۔

"ہاں میں اُسے ٹیوی کے حوالے کر کے چلا گیا تھا۔" سر بتھال نے اچانک مڑ کر کہا۔ "کوئی میرا تعاقب کر رہا تھا۔"

"کون.....؟"

"میں نہیں جانتا۔" سر بتھال نے کہا۔ "ممکن ہے تم ہی رہے ہو۔"

"پادری جیر اللہ حقیقتاً کون ہے۔"

"میرا ایک دوست۔" لیکن مجھے حیرت تھی کہ وہ یک بیک یہاں کیسے پہنچ گیا۔"

"وہ کہاں رہتا ہے۔"

"سوئیز کے علاقے میں۔"

"اوہ تو اس کا تعلق بھی مصر ہی سے ہے۔" حمید بے ساختہ بولا۔

"علی فضیل کے لڑکے محمد فضیل کو جانتے ہو۔" فریدی نے پوچھا۔

"غلط بکواس..... علی فضیل کا کوئی بیٹا نہیں۔" سر بتھال چیخ کر بولا۔

"مگر تم تو علی فضیل کو جانتے ہی نہیں تھے..... اب اس کے خاندان بھر سے واقف نظر آ رہے ہو۔"

"اوہ..... اوہ.....!" سر بتھال بے بسی سے ایک صوفے پر گر گیا..... لیکن تھوڑی ہی دیر بعد پھر سنبھل گیا۔

"میں کہتا ہوں..... تم لوگ یہاں سے نکل جاؤ۔" وہ چیخ کر بولا۔

"لیکن یہ بات مت بھولو کہ علی فضیل کی لڑکی ایک رومال کے لئے دلکشا میں قتل کر دی گئی تھی۔" فریدی سر بتھال کو گھورتا ہوا بولا۔

"کر دی گئی ہوگی۔" سر بتھال لاپروائی سے بولا۔

"تو تم اُسے جانتے تھے۔"

"ہاں.....!"

"تم نے پولیس کو اس کی اطلاع کیوں نہیں دی۔"

"میری مرضی.....!"

"تم جانتے ہو کہ یہ جرم ہے۔"

"ہوگا.....!"

"میں تمہیں شبہے میں گرفتار کر سکتا ہوں۔"

"کون تم.....!" سر بتھال حقارت آمیز لہجے میں بولا۔

"ہاں..... میں.....!"

"میں ایک غیر ملکی ہوں..... تم براہِ راست ایسا نہیں کر سکتے۔"

"لیکن میں براہِ راست تمہاری ہڈیاں ضرور توڑ سکتا ہوں۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔

"تم برطانیہ کے ایک معزز اور خطاب یافتہ شہری کی توہین کر رہے ہو۔" سر بتھال چیخ کر بولا۔ "تمہاری حکومت کو اس کے لئے جواب دہ ہونا پڑے گا۔"

"حکومت جواب دے لے گی..... تم بے فکر رہو۔"

"نکل جاؤ یہاں سے..... نکلو۔" سر بتھال تیزی سے اٹھ کر دروازے کیطرف اشارہ کرتا ہوا بولا۔

بُرے پھنسے

"بہت اچھا سر بنتھال" فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ "تمہیں بہت جلد بولنے پر مجبور ہونا پڑے گا"

فریدی اور حمید سر بنتھال کے بنگلے سے نکل آئے انکی کار تیزی سے ایک طرف جا رہی

"آپ نے بہت بُرا کیا۔" حمید نے کہا۔

"کیوں....!"

"اگر آپ نے اُسے چھیڑا تھا تو اس طرح چھوڑ کر نہ آنا چاہئے تھا۔"

"اس کے علاوہ اب کوئی اور چارہ نہیں رہ گیا۔"

"اگر وہ کہیں نکل بھاگا تو....!" حمید نے کہا۔

"مطمئن رہو۔" فریدی نے کہا۔ "اس کے بنگلے کی نگرانی کی جا رہی ہے۔"

"اگر بھیس بدل کر نکل گیا تو۔"

"سنو! سر بنتھال ایک مشہور آدمی ہے وہ اس قسم کی حرکت کر کے بچ نہیں سکتا۔ وہ مطمئن کئے بغیر اس قسم کا اقدام ہر گز نہ کرے گا۔ اس نے مصر کے لئے ویزا کی درخواست ہے۔ جو اسے میری مرضی کے بغیر نہ مل سکے گا۔"

"بہر حال آپ اس سے گفتگو کرنے کے بعد کس نتیجے پر پہنچے ہیں۔"

"وہ ایک اول درجے کا مکار ہے.... اُس کی اس وقت کی اداکاری قابل داد تھی لیکن وہ آنکھوں میں دھول نہیں جھونک سکتا؟"

"اُسے گرفتار ہی کیوں نہ کیا جائے۔" حمید نے کہا۔

"خیال احمقانہ ہے.... تم اس کے خلاف ثبوت نہیں پیش کر سکتے۔"

"آپ غالباً وہاں سے اٹھ کر دوسرے کمروں میں گئے تھے۔" پھر حمید نے پوچھا۔

"ہاں لیکن کوئی کام کی بات نہیں معلوم ہوئی۔"

"آخر وہ قہقہہ کیسا تھا....؟"

"رہا ہوگا.... میں ایسی لغویات کی طرف دھیان نہیں دیتا۔"

"لغویات!" حمید حیرت کا اظہار کرتا ہوا بولا۔ "ارے میں نے اُسے اپنے کانوں سے سنا

"لیکن میرے کانوں سے نہیں سنا تھا۔" فریدی خشک لہجے میں بولا۔

"یعنی....!"

"ارے بھائی رہا ہوگا کچھ....!" فریدی نے کہا۔ "لیکن وہ اس قابل نہیں کہ میں اُسے خاص پر نوٹ کروں۔"

"اور سر بنتھال کا وہ دیوانہ پن....!"

"ایک عمدہ قسم کی اداکاری....!"

"تو آپ ابھی تک اسی خیال میں ہیں کہ سر بنتھال آپ کو غلط راستے پر لگانا چاہتا ہے۔"

"قطعی....!"

"لیکن آپ کا خیال غلط ہے۔"

"بہت اچھے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "میں تمہارے اس جذبے کی قدر کرتا ہوں۔"

حمید خاموش ہو گیا.... وہ کچھ سوچ رہا تھا۔

"اب ہمیں کہاں جانا ہے۔" اس نے تھوڑی دیر بعد پوچھا۔

"کیپٹن خاور کے یہاں۔" فریدی نے کہا۔

"اوہ.... وہاں تو ہمیں پہلے ہی جانا چاہئے تھا۔" حمید نے کہا۔

"آج کل بڑے عقلمند ہو رہے ہو۔" فریدی نے کہا۔ "کیوں نہ ہو شہناز کا معاملہ آپھنسا ہے نا۔"

حمید نے کوئی جواب نہ دیا۔

"اوہ....!" فریدی چونک کر بولا۔ "تو شاید یہ لوگ وہیں سے واپس آ رہے ہیں۔"

سامنے پولیس کی لاری آ رہی تھی۔ ڈرائیور کے قریب اگلی سیٹ پر انسپکٹر جگدیش بیٹھا تھا۔ فریدی نے کار کی رفتار کم کر دی تھی۔ پولیس کی لاری رک گئی۔

"کیا تم خاور کے یہاں سے آ رہے ہو۔" فریدی نے جگدیش سے پوچھا۔ جگدیش لاری سے کر قریب آگیا۔

"جی ہاں.... لیکن کوئی ایسی چیز نہیں مل سکی جو اس کے قتل پر روشنی ڈال سکتی۔"

"کار کے حادثے پر تو میں بھی روشنی ڈال سکتا ہوں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "لیکن قتل پر پوسٹ مارٹم کی رپورٹ ہی روشنی ڈال سکے گی۔"

"آخر یہ آپ کا سپرنٹنڈنٹ کیوں آپ کے پیچھے پڑ گیا ہے۔" جگدیش نے کہا۔

"سنو.....! بعض کتے سردیوں میں بھی پاگل ہو جاتے ہیں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ کے لئے ایک آنچ اور ہلکی سی چوٹ کی ضرورت ہے۔"

"خواہ مخواہ کو توالی آکر وہ رپورٹیں دیکھ رہا تھا جو کیپٹن خاور نے آپ لوگوں کے لکھوائی تھیں۔" جگدیش نے کہا۔

"ہونہہ..... دیکھنے دو بھائی..... تمہارا کیا نقصان ہوتا ہے۔"

"میں نے پہلے تو صاف انکار کر دیا تھا مگر بیچ میں ہمارے ایس۔ پی صاحب آکودے۔"

"خیر چھوڑو.....!" فریدی نے کہا۔ "کیپٹن خاور کے یہاں کون کون ہے۔"

"کوئی نہیں ہم نے تالا توڑ کر تلاشی لی تھی۔"

"پھر..... کیا دوسرا تالا بند کر آئے ہو۔"

"ہاں..... اب کسی مجسٹریٹ کی موجودگی میں تالے کو سیل کرادوں گا۔"

"جلدی مت کرو..... میں بھی ایک نظر دیکھنا چاہتا ہوں..... میرا خیال ہے کہ یہ حادثہ بھی اُسی رومال والے سلسلے کی ایک کڑی ہے۔"

"اوہ.....!" جگدیش چونک پڑا۔

جگدیش نے تالے کی کنجی فریدی کے حوالے کر دی۔

"اگر تمہیں میرا اعتبار نہ ہو تو تم بھی ساتھ چلو۔" فریدی نے کہا۔

"کمال کیا آپ نے.....!" جگدیش نے کہا اور لاری کی طرف چلا گیا۔

فریدی نے کار اسٹارٹ کر دی..... تھوڑی دیر بعد وہ کیپٹن خاور کے مکان کے سا گئے۔ فریدی نے تالا کھولا اور دونوں مکان میں داخل ہو گئے۔

وہ متعدد کمروں میں گھومتے پھرے..... دفعتاً حمید ایک میز کی طرف جھپٹا..... دوسر- میں اس کے ہاتھ میں سفید رنگ کا ایک رومال بھی تھا..... اُس نے اٹھا کر اُسے سونگھا اور ا منہ سے چیخ نکل گئی۔ فریدی چونک کر اُس کی طرف پلٹا۔

"خدا کی قسم کی شہناز کا ہے۔" حمید چیخا۔

فریدی اس کی طرف لپکا۔

"شہناز کا کیسے ہو سکتا ہے۔"

"یہ رومال میں نے اُسے دیا تھا۔ یہ دیکھئے اس کونے پر میرے دستخط..... اور شہناز یہی خوشبو تعمال کرتی تھی۔" حمید نے رومال کو سونگھتے ہوئے کہا۔

"اوہ.....!"

"اور یہ..... اور یہ.....!" حمید زمین کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔ "یہ چوڑیوں کے ٹکڑے..... ہی چوڑیاں شہناز پہنے ہوئے تھی..... مجھے اچھی طرح یاد ہے..... ارے وہ سینڈل..... خدا کی قسم بھی شہناز کا ہے..... اور..... وہ.....!"

"اب خاموش رہو۔" فریدی اس کے قریب آکر آہستہ سے بولا۔ "ریوالور ہے تمہارے یب میں۔"

"نہیں..... کیوں.....؟" حمید چونک کر بولا۔

"میرے پاس بھی نہیں ہے۔" فریدی نے کہا۔ "یہاں ان چیزوں کی موجودگی میں مجھے خطرہ سوس ہو رہا ہے۔ یہ سب چیزیں یہاں پولیس کی واپسی کے بعد ڈالی گئی ہیں۔"

"یہ آپ کس طرح کہہ رہے ہیں۔"

"فریدی صاحب سچ کہہ رہے ہیں سرجنٹ حمید۔" پیچھے سے کسی نے کہا۔

فریدی اور حمید چونک کر پلٹے..... دروازے میں وہی آدمی کھڑا مسکرا رہا تھا جو فریدی کے تہ خانے سے نکل بھاگا تھا..... اُس کے دونوں ہاتھوں میں پستول تھے اور اُن کی نالیں فریدی اور حمید کی طرف تھیں اور وہ اس وقت نہایت فصیح اردو بول رہا تھا۔

"اس کا مطلب.....!" فریدی نے درشت لہجے میں پوچھا۔

"کچھ نہیں تمہاری عقل مندی اور ذہانت کو تھوڑا سا مزہ چکھاؤں گا۔"

"خیر..... خیر.....!" فریدی مسکرا کر بولا۔ "تم نے اپنا نام شاید محمد فضیل بتایا تھا..... اور تم اپنی بہن کے قاتل ہو۔"

"فضول بکواس مت کرو۔"

"اور تم میرے والد کے دوست علی فضیل کے لڑکے ہو۔"

"ہاں ہاں ٹھیک ہے اس طرح تم میرے بھائی ہوئے۔" اُس نے کہا۔ "اپنے منہ پھیر کر

کھڑے ہو جاؤ ورنہ گولی ماردوں گا اور لوگ یہی سمجھیں گے تم شہناز کو غائب کر کے اور
جان سے مار کر کہیں فرار ہوگئے۔"

"جلدی کرو.... میرے پاس وقت نہیں۔"

حمید اور فریدی نے اپنے منہ پھیر لئے۔

"اب آگے بڑھو.... اگر پلٹ کر دیکھا تو یہیں ڈھیر کر دوں گا۔"

فریدی اور حمید چلنے لگے انہیں متعدد کمروں سے گذرنا پڑا.... "دیکھا تم نے۔" فرید
سے بلند آواز میں بولا۔ "ہمیں راستے بھر چوڑیوں کے ٹکڑے ملے ہیں.... اور ان کا سل
کسی تہہ خانے کے قریب گیا ہوگا۔"

فصیل نے قہقہہ لگایا۔

"بہر حال میں نے جو جال بچھایا تھا اس میں کامیاب ہو گیا.... تمہیں کسی قسم کی تً
ہونے پائے۔ میں تمہیں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ میں بھی تمہیں ایک تہہ خانے میں مہمان ر
ہوں لیکن تم اس میں سے نکل نہ سکو گے۔"

"بھلا میں کسی بدروح کا مقابلہ کیسے کر سکتا ہوں.... میں اپنے ساتھ ٹائم بم تو لا
نہیں....!" فریدی نے ہنس کر کہا۔

"آدمی دلیر ہو.... لیکن اتنے دلیر بھی نہیں کہ مصر کے قدیم رازوں کو دریافت کر
فصیل بولا۔ "جلدی چلو.... میرے ساتھ کسی قسم کی مکاری کر کے کامیاب نہیں ہو سکتے۔

"اے میرے والد کے دوست کے بیٹے تم اتنی بے مروتی سے کیوں پیش آرہے
فریدی مڑ کر بولا.... اور فصیل نے فائر کر دیا۔ اگر فریدی بیٹھ نہ جاتا تو سر اڑ ہی گیا ہوتا۔

"اٹھو....!" فصیل گرج کر بولا۔ "میں اب زیادہ خون نہیں کرنا چاہتا.... میرا کوٹا
قریب پورا ہو چکا ہے۔"

فریدی کھڑا ہو گیا۔

"اپنا منہ دروازے کی طرف پھیر لو۔" فصیل نے کہا۔

فریدی پھر دروازے کی طرف مڑ گیا۔

"لیکن اگر مجبور کرو گے تو تمہیں جہنم تک کیپٹن خاور کا تعاقب کرنا پڑے گا۔" فصیل نے

"میرا محکمہ مجھے اس کی اجازت نہ دے گا۔" فریدی ہنس کر بولا۔

"لیکن ہم تمہیں جہنم تک ضرور پہنچا دیں گے۔" حمید نے کہا۔

"شش شش تم مت بولو۔" فریدی نے کہا۔ "بزرگوں کا ادب کرنا سیکھو.... فصیل عمر میں
اسے بڑا معلوم ہوتا ہے۔"

"اچھا بکواس بند...." فصیل غصے میں چیخا۔ "اب رک جاؤ.... اس قالین کو الٹو....!"

وہ لوگ ایک ایسے کمرے میں پہنچے جہاں فرنیچر ہی نہیں تھا۔ فرش پر ایک خوبصورت قالین
بچھا ہوا تھا اور چاروں طرف بڑے بڑے تکئے رکھے ہوئے تھے۔

فریدی قالین الٹنے کے لئے جھکا.... اور قالین کا کنارا دونوں ہاتھوں میں مضبوط پکڑ کر
سیدھا کھڑا ہو گیا۔

"آگے کی طرف الٹ دو....!" فصیل تحکمانہ لہجے میں بولا۔

"فریدی نے ایک بار قالین کو پوری قوت سے تولا اور اپنے سر پر سے اچھال کر پیچھے کی
طرف پھینک دیا۔

فصیل اس سے بے خبر تھا۔ پوری قالین اس پر آرہی اور خود فریدی اور حمید بھی اس کی
ہیبت سے محفوظ نہ رہ سکے۔ وہ تینوں زمین پر گر گئے تھے اور فریدی قالین کے نیچے فصیل سے گتھا
ہوا تھا.... پستول پہلے ہی فصیل کے ہاتھوں سے نکل گئے تھے۔

"حمید پستول....!" فریدی چیخا۔ "پستول تلاش کرو۔"

"دیکھو....! میں اب تمہیں زندہ نہ چھوڑوں گا۔" فصیل ہانپتا ہوا بولا۔ اس نے فریدی کے
ہاتھوں میں کئی جگہ دانت کاٹے تھے۔

دفعتاً پستول چلنے کی آواز آئی اور حمید چیخ پڑا۔ فریدی کی گرفت ڈھیلی ہو گئی اور فصیل ایک ہی
جھٹکے میں فریدی کے شکنجے سے آزاد ہو گیا.... وہ بڑی پھرتی سے قالین کے نیچے سے نکلا اور
دوسرے ہی لمحے میں کمرے کے باہر تھا.... فریدی نے قالین الٹ دی ایک پستول اس کے ہاتھ
میں تھا.... وہ بھی باہر کی طرف جھپٹا.... حمید بھی اٹھا.... وہ گھبرائی ہوئی نظروں سے چاروں
طرف دیکھ رہا تھا.... اُس نے فرش پر پڑا ہوا دوسرا پستول اٹھا لیا اور اُسے قہر بھری نظروں سے
گھورنے لگا۔

"گولی تو نہیں لگی۔" فریدی نے کمرے میں داخل ہو کر کہا۔ "وہ نکل گیا۔"

"میں کیا بتاؤں.... مگر میں نے غلطی کی.... میں قالین کے نیچے پستول ڈھونڈنے لگا اور وہ کمبخت میرا ہاتھ پڑتے ہی چل گیا....!"

"اوہ تو یہ کہو.... احمق کہیں کے اگر اُس کا رخ تمہاری یا میری طرف ہوتا تو ہم لوگ ہوتے؟"

"اب کیا کیا جائے....!" حمید بے بسی سے بولا۔

"کچھ پرواہ نہیں.... کب تک بچے گا...." فریدی نے کہا۔ "یہاں سے جلدی چلو.... یہ مکان خطرناک معلوم ہوتا ہے۔"

دونوں صدر دروازے کی طرف بڑھنے لگے۔

"یوں نہیں....!" فریدی بولا۔ "ہم دونوں اپنی پیٹھ ملا کر چلیں۔"

"وہ کیوں....؟"

"اگر پیچھے سے کسی نے حملہ کیا تو....؟" فریدی نے کہا۔

"مگر میں الٹا نہ چل پاؤں گا۔" حمید بے بسی سے بولا۔

"تم سے کون کہتا ہے۔" فریدی بولا۔ "میں الٹا چلوں گا۔"

دونوں پشت ملا کر چلنے لگے۔ حمید کو ہنسی آ گئی۔ وہ سیدھا چل رہا تھا۔ اور فریدی اُس سے ملائے ہوئے الٹا چل رہا تھا۔ دونوں آہستہ آہستہ صدر دروازے کی طرف بڑھ رہے تھے۔

"ہنسو نہیں پیارے۔" فریدی بولا۔ "زندگی میں بعض مواقع ایسے بھی آتے ہیں جب سے بھی زیادہ مضحکہ خیز بننا پڑتا ہے۔"

"دونوں اپنے دائیں بائیں نظریں ڈالتے ہوئے آہستہ آہستہ بڑھ رہے تھے۔

"تم بہت جلدی کر رہے ہو۔" فریدی بولا۔ "کیا مجھے گرانے کا ارادہ ہے۔"

حمید نے رفتار دھیمی کر دی۔

"ڈرو نہیں.... اس طرح ہم محفوظ ہیں۔" فریدی نے کہا۔

لیکن وہ دونوں چھت کی طرف سے بے خبر تھے.... دفعتاً چھت کا ایک روشن دان کھلا ایک بڑا سا جال فریدی اور حمید پر آ گرا.... قبل اس کے کہ وہ سنبھلتے جال کے سرے پر لگی

ی کھینچ لی گئی.... دونوں پھنس کر رہ گئے۔

"خبردار فائر مت کرنا۔" اوپر سے آواز آئی۔ "یہ کمرہ سڑک کے قریب ہے.... فائر کی آواز سن کر راہ گیر اکٹھا ہو جائیں گے۔ لیکن اُن کے یہاں تک پہنچتے پہنچتے تم دونوں ختم کر دیئے جاؤ گے۔"

"ٹھہرو....!" فریدی نے کہا۔ "تم آخر چاہتے کیا ہو۔"

"اپنے پستول جال سے نکال کر دور پھینک دو۔" اوپر سے آواز آئی۔

"ارے میرے والد کے دوست کے بیٹے تو واقعی بڑا ستم ظریف ہے۔" فریدی ہنس کر بولا۔

"کمبخت...." اوپر سے آواز آئی۔ "پستول پھینکتے ہو یا میں اپنا کام کر کے چلتا بنوں۔"

"لے بھئی تو بھی کیا یاد کرے گا۔" فریدی نے دونوں پستول اوپر پھینک دیئے۔

"ٹھیک.... اب خاموشی سے پڑے رہو.... میں ابھی آیا۔" اوپر سے آواز آئی۔

چند لمحوں کے بعد فضیل کمرے میں داخل ہوا اور اس نے پستول اٹھا لئے۔

"ارے میرے والد کے دوست کے....!"

"خاموش رہو....!" فضیل غرا کر بولا۔

"تم اردو بہت اچھی بول لیتے ہو۔" فریدی نے کہا۔

"میں دس زبانوں کا ماہر ہوں۔" فضیل مسکرا کر بولا۔

"لیکن سر بتھال اردو نہیں جانتا۔" فریدی نے کہا۔

"اوہ سر بتھال۔" فضیل نفرت سے ہونٹ سکوڑ کر معنی خیز انداز میں بولا۔ "میں اُسے عنقریب اردو سکھاؤں گا۔"

"اچھا اب ایک لفظ بھی منہ سے نہ نکلے.... ورنہ....!"

"ہمیں قتل کر دو گے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

فضیل نے جال کی رسی کو پکڑ کر جھٹکا دیا اور وہ دونوں زمین پر گر پڑے.... فضیل جال کو کھینچتے ہوئے لے چلا۔

فریدی زخمی شیر کی طرح پیچ و تاب کھا رہا تھا۔

"خدا کی قسم ایسی ذلت کبھی نہیں ہوئی۔" وہ ہانپتا ہوا آہستہ سے بولا۔

فضیل جال کو کھینچتا ہوا اس کمرے میں لے آیا جہاں قالین الٹی گئی تھی۔

"اب تم تہہ خانے میں جا رہے ہو۔" فضیل بولا۔ "یہ چیز مجھ پر تمہاری طرف سے
تھی.... لیکن گھبراؤ نہیں تم نے مجھ سے کوئی بُرا سلوک نہیں کیا تھا۔ یہاں تمہیں کوئی تکلیف
ہو گی۔"

اس نے تہہ خانے کا ڈھکن اٹھایا اور جال کو کھینچ کر نیچے دھکیل دیا۔ فریدی اور حمید جال
الجھے ہوئے سیڑھیوں سے لڑھکتے ہوئے فرش پر آگرے.... اوپر ڈھکن بند کر دیا گیا۔ تہہ خا
میں بالکل اندھیرا تھا۔ چند لمحوں کے بعد جب اُن کی آنکھیں اندھیرے کی عادی ہو گئیں تو ا
دو شکلیں دکھائی دیں۔

"شہناز....!" حمید چیخا۔

"مقصود تم بھی آ پھنسے۔" فریدی نے کہا۔ "کھڑے دیکھتے کیا ہو اس جال کا منہ کھولو۔"

"ارے انسپکٹر صاحب آپ۔" مقصود تحیر آمیز لہجے میں چیخ کر آگے بڑھا۔ دوسرے
میں فریدی اور حمید جال کے باہر تھے۔

"اس گدھے کی بدولت مجھے یہ دن دیکھنا پڑا۔" فریدی نے حمید کی طرف اشارہ کر کے
سے کہا۔

"اب کیا کروں.... وہ کمبخت چل ہی گیا۔" حمید جھلا کر بولا۔

"خیر خیر بکو نہیں۔" فریدی نے کہا اور مقصود کیطرف مخاطب ہو کر بولا۔ "تم یہاں کیسے پہنچ

"میں آپ کے حکم کے مطابق شہناز صاحبہ کے مکان کی نگرانی کر رہا تھا کل شام کیپٹن
انہیں اپنے ساتھ کلب لے گیا.... میں ان کے پیچھے لگا ہوا تھا.... پھر وہ انہیں یہاں اپنے گھر
میں پلٹ کر آپ کو فون کرنے ہی والا تھا کہ کسی نے پیچھے سے میرے سر پر کوئی وزنی چیز مار
بیہوش ہو گیا.... اور پھر جب آنکھ کھلی تو میں شہناز صاحبہ سمیت اس تہہ خانے میں تھا۔"

"تم اُس کے ساتھ کلب کیوں گئیں تھیں۔" حمید شہناز کی طرف مڑ کر تیز لہجے میں بولا۔

"اچھا بس بس فضول بکواس نہیں۔" فریدی حمید کو گھور کر بولا۔

"مجھے دھوکا دیا گیا تھا۔" شہناز بولی۔

"مجھے یقین ہے۔" فریدی نے کہا۔ "میں نے پہلے ہی اس کی پیشین گوئی کر دی تھی اور

لئے تمہاری حفاظت کے لئے مقصود کو بھیجا گیا تھا۔"

"لیکن تمہیں دھوکا کیسے دیا گیا۔" حمید نے پوچھا۔

"تم پھر بولے۔" فریدی نے کہا اور شہناز سے بولا۔ "تم نے کیپٹن خاور کے لئے کچھ ایصال
اب بھی کیا یا نہیں۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی۔"

"وہ بیچارا پچھلی رات شیطان کو پیارا ہو گیا۔"

"اوہ.... کیسے....!"

"کار الٹ گئی.... کنپٹی میں گولی لگ گئی۔"

"ارے....!" مقصود اچھل کر بولا۔

"اس نے مجھ سے کہا تھا کہ فریدی صاحب تمہیں کلب میں بلا رہے ہیں.... میں اس کے
ساتھ کلب گئی.... وہاں ایک بیرے نے اُسے ایک چٹ دی.... وہ آپ کی طرف سے تھی۔
اُس میں آپ نے لکھا تھا کہ میں تمہارے گھر جا رہا ہوں تم شہناز کو لے کر وہاں آؤ۔"

"اوہ....!" فریدی جیب سے سگار نکال کر سلگاتا ہوا بولا۔ "بہر حال وہ اپنی سزا کو پہنچ گیا۔
میں نے تمہیں ہر گز نہیں بلایا تھا۔"

"لیکن کیا ہم اب یہاں چوہوں کی طرح بند رہیں گے۔" حمید نے کہا۔

"آدمیوں کیطرح۔" فریدی نے منہ اور ناک سے دھوئیں کے گنجان لہریئے نکالتے ہوئے کہا۔

"اب آپ کس کے قتل کی پیشین گوئی کرتے ہیں۔" حمید نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"جبار کے....!" فریدی نے کہا اور سگار کا کونا چبانے لگا۔ وہ کسی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا
تھا.... ماتھے پر شکنیں تھیں اور آنکھیں ادھ کھلی.... ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اُسے نیند آ رہی ہو۔

"آپ تو اتنے اطمینان سے بیٹھے ہیں جیسے اپنا ہی گھر ہو۔" حمید نے کہا۔

"ہوں....!" فریدی چونک کر بولا۔ "میں نے سنا نہیں۔"

"میں یہ عرض کر رہا ہوں کہ آخر کب تک یہاں بند پڑے رہیں گے۔"

"ابھی دیر ہی کتنی ہوئی ہے۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا اور بجھا ہوا سگار ایک کونے میں
پھینک کر ٹہلنے لگا۔

پھر وہ تہہ خانوں کے زینوں پر چڑھا اور تھوڑی دیر بعد پھر وہیں واپس آ گیا۔

"میرا خیال ہے کہ تختہ کیلوں سے جڑ دیا گیا ہے۔" فریدی نے کہا۔

"یہ تو بہت بُرا ہوا۔" حمید بے بسی سے بولا۔

"بلکہ بہت بُرے سے بھی بُرا ہوا۔" فریدی نے داہنے شانے کو جنبش دے کر کہا۔

"اب کیا ہوگا؟" حمید بے تابی سے بولا۔

"ہو گا یہ کہ تم تھوڑی دیر بعد فصیل کو بوڑھی کی طرح کلکلا کلکلا کر کوسنا شروع کر دو گے۔"

سر بتھال کی لاش

فریدی پر خاموشی کا دورہ پڑ گیا۔ شہناز حمید اور مقصود سرگوشیاں کرتے رہے۔ فریدی کبھ
کر ٹہلنے لگتا اور کبھی بیٹھ جاتا۔ اس نے کئی بار تہہ خانے کا ڈھکن ہٹانے کی کوشش کی مگر ناکام

"آخر اس نے ہمیں کیوں اس چوہے دان میں بند کر دیا ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"تاکہ من مانی حرکتیں کر سکے۔" فریدی نے کہا۔ "ہمارے خلاف کیپٹن خاور کی رپور
تقویت دینے کے لئے ہمارے اس طرح غائب ہو جانے پر آفیسروں کا شبہ بھی یقین م
جائے گا اور وہ کیپٹن خاور کے صحیح قاتل کا پیچھا چھوڑ کر ہماری تلاش شروع کر دیں گے۔"

"کیا کیپٹن خاور کی کوئی رپورٹ آپ کے خلاف ہے۔" شہناز نے پوچھا۔

"ہاں اس کا تعلق تمہاری ذات سے ہے۔ اس نے یہ رپورٹ کی تھی کہ تم اس کی خا
بہن اور منگیتر ہو اور ہم لوگ تمہیں پریشان کرتے ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"اُف میرے خدا اس کتے نے میری نادانستگی میں کیا کیا کر ڈالا۔" شہناز دانت پیس کر بو

"تم آخر اس کے ساتھ رہتی ہی کیوں تھیں۔" حمید جھلا کر بولا۔

"پھر تم نے بکواس کی۔" فریدی نے حمید کو گھور کر دیکھا۔

"بھلا میں کیا کر سکتی تھی۔"

"ٹھیک ہے۔" فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔

پھر خاموشی چھا گئی....

فریدی اٹھ کر زینوں کی طرف چلا گیا۔ اس کا خیال تھا کہ ایک بار پولیس اس کی تلاش میں بھی وہاں ضرور آئے گی۔ وہ اوپر کے آخری زینے پر بیٹھ گیا.... گھڑی نے چھ بجائے اور وہ مایوس ہو کر لوٹ آیا.... تہہ خانے میں بالکل اندھیرا چھا گیا۔ فریدی نے دیا سلائی جلائی۔ طاق پر ایک موم بتی رکھی تھی اس نے اسے روشن کر دیا۔

"رات بھی ہو گئی۔" حمید مایوسی سے بولا۔

"اور صبح بھی ہو جائے گی۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"آپ کو تو ہر وقت مذاق سوجھتا ہے۔"

"اب یہاں اس حالت میں مذاق کے علاوہ اور چارہ ہی کیا رہ جاتا ہے۔" فریدی نے کہا۔

"تو آپ کو کوئی پریشانی نہیں۔" شہناز نے پوچھا۔

"پریشانی کس بات کی۔" فریدی نے کہا۔ "یہاں فرش پر سونے میں تھوڑی سی تکلیف ضرور ہو گی.... اور شاید حمید کو بھوک بھی ستائے۔"

"ہم نے کل رات سے کھانا نہیں کھایا ہے....!" مقصود بولا۔

"یہ چیز تکلیف دہ ہے۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "کسی نہ کسی وقت پولیس یہاں ضرور آئیگی۔"

"تہہ خانے میں....!" حمید نے چونک کر پوچھا۔

"ٹھہرو مجھے کچھ آہٹ معلوم ہو رہی ہے۔" فریدی نے ہاتھ اٹھا کر انہیں چپ رہنے کا اشارہ کیا۔ پھر وہ اٹھ کر آہستہ آہستہ تہہ خانے کے زینوں پر چڑھنے لگا۔

اوپر کمرے میں کئی قدموں کی آہٹ معلوم ہو رہی تھی۔ حمید بھی فریدی کے پیچھے پیچھے چلا آیا تھا۔

"کون ہو سکتا ہے۔" حمید نے آہستہ سے پوچھا۔

"کوئی بھی ہو۔" فریدی نے کہا۔ "میں یہ ڈھکن پیٹنے جا رہا ہوں اگر پولیس ہو گی تو ضرور اس طرف متوجہ ہو جائے گی اور اگر مجرم ہوئے تو خیر....!"

فریدی نے تہہ خانے کے ڈھکن کو دونوں ہاتھوں سے پیٹنا شروع کر دیا۔ قدموں کی آہٹ رک گئی.... وہ بدستور اس تختے کو پیٹتا رہا.... تھوڑی دیر کے بعد اسے ایسا معلوم ہوا جیسے اوپر سے بھی کوئی اسے پیٹ رہا ہو۔

"شاید مجرموں نے اس تختے میں کیلیں جڑ دی تھیں پولیس جنہیں اکھاڑ رہی ہے یا پھر کیلیں جڑنا بھول گئے تھے۔ اب جڑ رہے ہیں۔ بہر حال جو کچھ بھی ہو ہمیں کسی خاص بات کے منتظر رہنا چاہئے۔" فریدی نے کہا۔

وہ دونوں نیچے اتر آئے۔ بدستور ہتھوڑے چل رہے تھے اور پھر چرچراہٹ کی آواز آ اچھل پڑا۔ زینوں پر کئی قدموں کی آہٹ سنائی دی اور انسپکٹر جگدیش کا چہرہ دکھائی دیا۔

"اوہ میرے باپ۔" جگدیش چیخ کر بولا۔ "یہاں تو جانی پہچانی صورتیں نظر آرہی ہیں۔

فریدی آہستہ سے اٹھ کر آگے بڑھا۔

"ارے آپ بھی ہیں۔" جگدیش آنکھیں پھاڑ کر بولا۔

"جی....!" فریدی نے ہونٹ بھینچ کر کہا اور جگدیش کو اس طرح گھورنے لگا جیسے ا حملہ کر بیٹھے گا۔ جگدیش لڑکھڑا کر پیچھے ہٹ گیا۔

"تم نے پہلی بار کس طرح تلاشی لی تھی۔" فریدی نے اس سے پوچھا۔

"اچھی طرح....!"

"اسی طرح....!" فریدی نے شہناز اور مقصود کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"لیکن آپ لوگ یہاں پہنچے کیسے؟" جگدیش نے پوچھا۔

"اوپر چلو....!" فریدی نے کہا اور زینے کی طرف بڑھ گیا۔

کمرے میں پہنچتے ہی سب سے پہلے اس کی مڈبھیڑ اپنے محکمے کے سپرنٹنڈنٹ سے

"کہئے صاحب پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کا کیا رہا۔" فریدی نے اس سے پوچھا۔

"تمہارا خیال صحیح تھا۔" سپرنٹنڈنٹ نے منہ سکوڑ کر کہا۔ "لیکن تم یہاں کیا کر رہے تھے

"مکھیاں مار رہا تھا۔" فریدی سنجیدگی سے بولا۔ "دفتر میں چونکہ کافی صفائی رہتی ہے ا وہاں زیادہ تعداد میں مکھیاں دستیاب نہیں ہوتیں۔"

فریدی آگے بڑھا لیکن دوسرے ہی لمحہ میں اُسے لوٹنا پڑا۔ دوسرے کمرے میں اس کے ڈی۔ آئی۔ جی اور سول پولیس کے کچھ اعلیٰ افسر بھی موجود تھے۔

"اس کا مطلب....!" فریدی نے اس کمرے کی طرف اشارہ کر کے جگدیش سے پوچھا

"اوہ.... یہاں ایک لاش بھی ہے۔"

"لاش کس کی لاش....!"

"ایک خطاب یافتہ اور معزز انگریز سر بنتھال کی۔" جگدیش نے کہا۔

"اوہ....!" فریدی نے آہستہ سے کہا۔ اس کی آواز میں مایوسی تھی۔

وہ سب دوسرے کمرے میں پہنچے۔

"ہیلو فریدی....!" ڈی۔ آئی۔ جی اس کی طرف بڑھا۔

"میں نے جو رپورٹ آپ کو دی تھی اس کے مطابق سب کچھ ہوا۔" فریدی نے کہا۔

"لیکن تم اس وقت یہاں کہاں۔" ڈی۔ آئی۔ جی نے کہا۔

"یہی میں آپ سے پوچھنے والا تھا۔"

"سر بنتھال کی لاش یہاں پائی گئی ہے۔"

"کہاں ہے۔"

"دوسرے کمرے میں۔"

"وہاں سے سب کو ہٹا دیجئے۔" فریدی نے کہا۔ "اور مجھے تنہا وہاں جانے دیجئے یا آپ بھی میرے ساتھ چلئے۔ آپ سے بہت سی باتیں کرنی ہیں۔"

وہ دونوں اس کمرے کی طرف چلے گئے۔

جگدیش شہناز کا بیان لکھ رہا تھا۔ حمید اور مقصود نے خاموشی اختیار کر لی تھی۔ سپرنٹنڈنٹ نے انہیں کریدنے کی کوشش کی لیکن اس میں کامیاب نہیں ہو سکا۔

تھوڑی دیر بعد فریدی منہ لٹکائے ہوئے کمرے سے واپس آیا۔ اس کے چہرے پر مایوسی اور ناکامی کے بادل چھائے ہوئے تھے۔

"کیا بات ہے۔" حمید نے آہستہ سے پوچھا۔

"کچھ نہیں کوئی خاص بات نہیں۔" فریدی بے دلی سے بولا۔

"دیکھئے آخر میرا ہی خیال سچ نکلا نا....!" حمید چہک کر بولا۔

"شاگرد کس کے ہو۔" فریدی کھسیانی ہنسی کے ساتھ بولا۔ "اگر استاد نے شکست کھائی تو کیا ہوا۔"

تھوڑی دیر بعد سر بنتھال کی لاش وہاں سے ہٹا دی گئی۔

وہاں ضروری کارروائی کے بعد یہ پارٹی سر بنتھال کے بنگلے کی طرف روانہ ہو گئی.... شہناز گھر

بھیج دی گئی۔

فریدی سر بنتھال کی ایک ایک چیز کا بغور جائزہ لے رہا تھا۔ ایک گھنٹے کے بعد وہ بھی ت
کر سر بنتھال کے ڈرائنگ روم میں آ بیٹھا۔

"دو تین دن کے دوران شہر میں چار قتل ہوگئے۔" ایس پی بولا۔ "ہم ابھی تک
کر سکے۔"

فریدی سمجھ گیا کہ روئے سخن کس کی طرف ہے۔ لیکن وہ خاموش ہی رہا۔

"لیکن سر بنتھال یہاں کس لئے مقیم تھا۔" محکمہ سراغ رسانی کے ڈی۔ آئی۔ جی نے کہا

"وہ ہمارے ملک کے آثار قدیمہ کے متعلق ایک کتاب لکھ رہا تھا۔" فریدی بولا۔
آپ کی نظروں سے اس کی کتاب Ruins of Egypt گذری ہو.... مصری آثار قدیمہ
سے اچھی کتاب شاید ہی کسی نے لکھی ہو۔"

"اوہ.... ٹھیک ہے میں نے اس کتاب کی شہرت سنی ہے۔" ڈی۔ آئی۔ جی نے کہا۔
اور پھر کچھ دیر کی کارروائی کے بعد وہ لوگ وہاں سے رخصت ہوگئے۔

فریدی راستے بھر خاموش رہا۔ حمید بھی خاموش تھا۔ اسے سب سے زیادہ کار کے
ہو جانے کا غم تھا۔ شاید فضیل ہی انہیں تہہ خانے میں بند کر کے ان کی کار بھی اڑا لے گیا تھا
وقت وہ ٹیکسی کر کے گھر جا رہے تھے۔ سردی کی شدت سے ان کے دانت بج رہے تھے۔
گئے تھے۔ شہر آہستہ آہستہ سنسان ہوتا جا رہا تھا۔

جیسے ہی ٹیکسی کی ہیڈ لائٹ کی روشنی فریدی کی کوٹھی کے پھاٹک پر پڑی حمید اچھل
فریدی کی کار سڑک کے کنارے کھڑی تھی۔

دونوں ٹیکسی سے اتر آئے.... فریدی نے کار میں ہاتھ ڈال کر ہارن دیا اور چوکیدار
پھاٹک کھول دیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ دونوں ڈرائنگ روم میں بیٹھے گفتگو کر رہے تھے۔

"فضیل کی دلیری پر حیرت ہوتی ہے۔" حمید بولا۔ "غالباً ہماری کار وہی یہاں چھوڑ گیا"
اور یہ خط بھی دیکھو! جو اگلی سیٹ پر پڑا ملا ہے۔" فریدی نے ایک لفافہ حمید کی طرف
ہوئے کہا۔

حمید خط نکال کر بلند آواز سے پڑھنے لگا۔

"پیارے فریدی....

مجھے امید ہے کہ تم ہوش میں آگئے ہو گے۔ یاد رکھو کہ میرے پیچھے پڑنے کا
نتیجہ موت ہے۔ میں بہادروں کی قدر ضرور کرتا ہوں لیکن ایک حد تک.... جہاں
کسی دلیر نے کم از کم میرے معاملے میں ان حدود سے قدم نکالا میں اسے معاف کرنا
چھوڑ دیتا ہوں.... سر بنتھال کا حشر دیکھو اور عبرت پکڑو۔ اسے تو میں کسی حالت میں
بھی معاف کر ہی نہیں سکتا تھا کیونکہ اسے رومال کا راز معلوم تھا اور وہ اسے حاصل
کرنے کی کوشش بھی کر رہا تھا۔ میں تمہارے ملک سے جا رہا ہوں۔ بالکل اسی طرح
یہاں سے نکل جاؤں گا جس طرح تمہارے مستحکم ترین تہہ خانہ سے نکل گیا تھا۔ اگر
تمہیں میری قید میں کچھ تکلیف ہوئی ہو تو معاف کرنا.... مجھے افسوس ہے کہ تمہیں
وہاں دن بھر بھوکا رہنا پڑا۔

"فضیل" (یا جو کچھ بھی تم سمجھو)

نوٹ: واضح رہے کہ مصر کے جاسوس علی فضیل سے میرا کوئی تعلق نہیں۔

حمید خط ختم کرنے کے بعد تحیر آمیز نظروں سے فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔

"یہ چوٹ زندگی بھر یاد رہے گی۔" فریدی ہنس کر بولا۔

"آخر یہ فضیل ہے کون۔" حمید نے پوچھا۔

"خدا جانے.... لیکن ہے دلیر آدمی.... لیونارڈ اور جابر کے بعد یہ دوسرا آدمی ملا ہے جس
نے مجھے اتنی ذہنی اور جسمانی ورزش پر مجبور کیا۔" فریدی نے کہا اور اٹھ کر ٹیلی فون کے نمبر
نے لگا۔

"ہیلو.... کون بول رہا ہے.... اچھا.... جگدیش.... میں ہوں.... فریدی.... دیکھو
ی اور اس کے لواحقین کو سر بنتھال کے قتل کی خبر شائع ہونے سے پہلے ہی حراست میں لینے کی
شش کرو۔ ان سے سر بنتھال کے متعلق بہت سی باتیں معلوم ہو سکیں گی.... اوہ.... اچھا اگر
اس وقت انہیں پکڑ سکو تو بہتر ہے.... میں صبح آؤں گا.... کم از کم انہیں رات بھر حوالات میں
روو رکھو.... اچھا شب بخیر۔" فریدی نے ریسیور رکھ دیا۔

"بھئی اب تو سونا چاہئے۔" فریدی جمائی لیتا ہوا بولا۔

"دوسرے دن صبح ہی صبح فریدی اور حمید کوتوالی پہنچے۔ ٹیوی اور اس کی بیوی حوالات
تھے۔

"کیا ان کے علاوہ کوئی اور نہیں ملا۔" فریدی نے جگدیش سے پوچھا۔

"گھر میں یہی دونوں تھے۔" جگدیش نے جواب دیا۔ فریدی ٹیوی اور اس کی بیوی کی متوجہ ہوا۔ ٹیوی کی بیوی حمید کو گھور رہی تھی۔

"کیا یہی وہ آدمی ہے جو اس رات تمہارے گھر کی لائٹ فیوز کر کے نکل بھاگا تھا۔" نے اس سے پوچھا۔

"ہاں یہی تھا۔" عورت بولی۔

"تم سر بتھال کو جانتے تھے۔" فریدی نے ٹیوی سے پوچھا۔

"ہاں....!"

"وہ کون تھا۔"

"میں نہیں جانتا۔"

"کیا سر بتھال نے تمہیں اس کے متعلق کوئی اطلاع دی تھی۔"

"ہاں....!"

"کس وقت....؟"

"دوپہر کو....!"

"اس رات تمہارے گھر میں وہ دوسرے آدمی کون تھے.... اور وہ اب کہاں ہیں۔"

"لیفٹیننٹ مارگن اور کیپٹن خاور.... لیفٹیننٹ مارگن کل انگلینڈ گیا۔"

"کس وقت....!"

"شام کو....!"

"لیفٹیننٹ مارگن سر بتھال کو جانتا تھا۔"

"ہاں....!"

"تمہارا سر بتھال اور ان دونوں سے کیا تعلق....؟"

"ہم تینوں دوست تھے۔"

"تمہارے دو دوستوں کا تو خاتمہ ہو گیا۔" فریدی نے کہا۔ "کیپٹن خاور سے تم لوگوں کی دوستی کتنی پرانی تھی۔"

"زیادہ پرانی نہیں۔" ٹیوی بولا۔ "شاید آج سے ایک ہفتہ قبل سر بتھال نے کلب میں اس سے میرا تعارف کرایا تھا۔"

"سر بتھال نے تمہیں یہ بھی بتایا تھا کہ وہ اس بیہوش آدمی کو تمہارے سپرد کیوں کرنا چاہتا تھا۔"

"ہاں اس نے کہا تھا کہ وہ اپنے ایک دشمن کو لائے گا جسے مجھے حراست میں رکھنا پڑے گا۔"

"یہ جانتے ہوئے بھی کہ یہ جرم ہے تم نے ایسی حرکت کا ارادہ کیوں کیا تھا۔" فریدی نے کہا۔

"میں جرم کی سزا بھگتنے کے لئے تیار ہوں۔" ٹیوی بیزاری سے بولا۔

"تم کیا کرتے ہو۔"

"اینڈرسن اینڈ اینڈرسن میں منیجر ہوں۔"

"تمہاری بیوی کو تمہاری اس حرکت کی اطلاع تھی۔"

"نہیں....!"

"کیا تم یہ بتا سکتے ہو کہ سر بتھال کے قتل میں کس کا ہاتھ ہو سکتا ہے؟"

"میں بھلا اس کے متعلق کیا بتا سکتا ہوں۔"

"اس کا کوئی دشمن....!"

"میں یہ بھی نہیں جانتا۔"

"لیکن ابھی تم نے اس کے کسی دشمن کا تذکرہ کیا تھا۔"

"ہاں! لیکن میں نے پہلے ہی کہہ دیا کہ سر بتھال نے مجھے اس کے متعلق کچھ نہیں بتایا تھا۔"

"مگر تم نے ابھی اس کا اقرار کیا ہے کہ تم اسے کاندھے پر لاد کر گھر میں لے جا رہے تھے۔"

"لیکن میں اس کی صورت نہیں دیکھ سکا تھا۔"

"اوہ....!"

"لیفٹیننٹ مارگن یہاں کب سے مقیم تھا۔"

"ایک ماہ سے۔"

"کیوں آیا تھا۔"

"مجھ سے ملنے....اور شکار کھیلنے۔"

"کیپٹن خاور اور لیفٹیننٹ مارگن کو سر بنتھال کی اس رات والی حرکت کی اطلاع تھی۔"

"صرف لیفٹیننٹ مارگن جانتا تھا۔"

"کیپٹن خاور اس وقت تمہارے یہاں کیا کر رہا تھا۔"

"ہم تینوں فلش کھیل رہے تھے۔"

"تم ایک دوسرے جرم کا اعتراف کر رہے ہو۔" فریدی مسکرا کر آنکھ مارتا ہوا بولا۔ خاموش ہو گیا۔

پھر فریدی اس کی بیوی کو الگ لے گیا اور کافی دیر تک اس سے گفتگو کرتا رہا۔ جب وہ با پھر ٹیوی کی طرف آیا تو ٹیوی نے پوچھا۔

"ہمیں حوالات میں کیوں رکھا گیا ہے؟"

"محض اس لئے کہ تم لوگ سازش کر کے ایک آدمی کو اپنے گھر میں بند رکھنا چاہتے فریدی نے کہا اور کوتوالی سے چل دیا۔ حمید کو حیرت تھی کہ آخر وہ اسے اپنے ساتھ کیو لے گیا۔ دس بجے حمید دفتر چلا گیا۔ وہاں بھی فریدی سے ملاقات نہ ہوئی۔ حمید کی سمجھ میں آ رہا تھا کہ فریدی اب کیا کر رہا ہے۔

شہر کے سارے اخبارات میں سر بنتھال کے حیرت انگیز قتل کی داستانیں شائع ہوئی بعض اخباروں نے رومال کا بھی حوالہ دیا تھا اور لکھا تھا کہ دلکشا ہوٹل سے لے کر سر بنتھ جتنے بھی قتل ہوئے ان کے پیچھے ایک منظم سازش کام کر رہی تھی۔ پولیس دو افراد کی تلا ہے۔ ایک جبار اور دوسرا ایک غیر ملکی جس کا صحیح نام پولیس کو بھی نہیں معلوم ہو اخباروں نے محکمہ سراغ رسانی پر بھی ہلکی پھلکی چوٹیں کی تھیں۔

سپرنٹنڈنٹ صاحب کافی بشاش نظر آ رہے تھے۔ انہوں نے ڈی۔ آئی۔ جی سے مشو یہ کیس دوسرے انسپکٹر کے سپرد کر دیا۔

حمید نے یہ چیز شدت سے محسوس کی۔ مگر وہ خاموش رہا۔ کر ہی کیا سکتا تھا۔

تھوڑی دیر بعد اسے سپرنٹنڈنٹ نے بلوایا۔

"فریدی کہاں ہے۔" سپرنٹنڈنٹ نے پوچھا۔

"مجھے علم نہیں۔"

"تم جانتے ہو۔"

"اب میں کس طرح عرض کروں۔"

"اس کیس کے چند ضروری کاغذات اس کے پاس ہیں۔"

"میرا خیال ہے کہ وہ تفتیش ہی کے سلسلے میں کہیں گئے ہیں۔" حمید نے کہا۔

"لیکن میں نے یہ کیس دوسروں کے سپرد کر دیا ہے۔"

"لیکن فریدی صاحب کو اس کا کیا علم....!"

"اب ہو جائے گا علم۔" سپرنٹنڈنٹ ہونٹ بھینچ کر بولا۔ "جاؤ جا کر اپنا کام کرو۔"

تقریباً دو بجے فریدی آفس پہنچا۔ وہ ابھی بیٹھنے بھی نہیں پایا تھا کہ سپرنٹنڈنٹ نے اسے اپنے کمرے میں طلب کر لیا۔

"اس کیس کے کاغذات داخل کر دو۔" سپرنٹنڈنٹ نے کہا۔

"میں آپ سے کئی بار عرض کر چکا کہ...."

"بس بس....!" سپرنٹنڈنٹ ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "میں ڈی۔ آئی۔ جی کے حکم کے مطابق ایسا کر رہا ہوں۔ یہ لو....ان کی تحریر۔"

سپرنٹنڈنٹ نے ایک کاغذ فریدی کی طرف بڑھا دیا۔

"اوہ....!" فریدی اُسے پڑھ چکنے کے بعد سپرنٹنڈنٹ کی طرف دیکھنے لگا۔

سپرنٹنڈنٹ طنزیہ انداز میں مسکرا رہا تھا۔

"یہ لیجئے۔" فریدی نے کچھ کاغذات جیب سے نکال کر میز پر ڈال دیئے۔

سپرنٹنڈنٹ انہیں بغور دیکھنے لگا۔

فریدی جانے کے لئے اٹھا۔

"بیٹھ جاؤ۔" سپرنٹنڈنٹ بولا۔ "اب تک کی تفتیش کی رپورٹ کہاں ہے۔"

"انہیں کاغذات میں ہے۔"

"یہ رپورٹس تو نہیں۔" سپرنٹنڈنٹ ایک کاغذ فریدی کی طرف بڑھا کر بولا۔ "مختصر ہیں۔"

"یہی میرا طریقہ کار ہے۔" فریدی لاپروائی سے بولا۔ "میں کسی کیس کو ختم کرنے کے ہی مکمل رپورٹ لکھا کرتا ہوں۔"

"اب تک کی روئیداد لکھ دو۔" سپرنٹنڈنٹ بولا۔

فریدی نے اپنے لکھے ہوئے نوٹ والا کاغذ اٹھا کر جیب میں رکھ لیا اور ایک سادے کا لکھنے لگا۔

"مکمل رپورٹ یہ ہے کہ اس کیس میں بُری طرح ناکامیاب رہا.... کوئی ایسا واقعہ پیش آیا جسے پے در پے قتل کے واقعات سے کوئی نسبت دی جاسکے.... مجرم نے مجھے اور سار حمید کو تہہ خانہ میں بند کروا دیا تھا.... اس سلسلے میں ایک مشکوک آدمی جبار خان کی مجھے تلا تھی.... اور مجرم جس نے مجھے تہہ خانہ میں بند کیا تھا کوئی غیر ملکی معلوم ہوتا تھا۔"

فریدی نے رپورٹ لکھ کر سپرنٹنڈنٹ کی طرف بڑھا دی۔

"بس....!" سپرنٹنڈنٹ نے طنز آمیز انداز میں اس کی طرف دیکھ کر کہا۔

"جی....!"

"میں مفصل رپورٹ چاہتا ہوں۔"

"میں نے سب کچھ لکھ دیا ہے۔"

"تفصیل نہیں ہے۔"

"اور زیادہ کاغذ خراب کرنے سے کیا فائدہ۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔ "کہئے تو یہ لکھ دوں کہ اس تفتیش کے دوران مجھے دو بار زکام ہوا.... ایک دن کھانا نہیں کھایا.... ایک دن بھر کھانستا رہا۔"

"اوہ....!" سپرنٹنڈنٹ میز پر پیپر ویٹ پٹخ کر چیخا۔ "میں بدتمیزی برداشت نہیں کر سکتا۔"

"تو یہ میرا استعفیٰ حاضر ہے۔" فریدی نے جیب سے ایک تہہ کیا ہوا کاغذ نکال کر میز پر ڈال دیا اور مسکراتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔

"حمید...." وہ حمید کی میز کے قریب جا کر بولا۔ "اپنا استعفیٰ لکھو۔"

"ارے کیوں....؟" حمید اچھل کر بولا۔

"ہم اب اس محکمے میں کام نہیں کریں گے۔"

"پھر....!"

"پرانے کوٹوں کی تجارت کریں گے۔" فریدی نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

دفتر کے لوگ اس کے گرد اکٹھے ہوگئے مگر وہ اوٹ پٹانگ باتیں کرتا رہا۔

حمید کی الجھن

حمید الجھن میں مبتلا ہوگیا۔ لیکن فریدی کے مجبور کرنے پر اُسے استعفیٰ لکھنا ہی پڑا۔ وہ جانتا تھا کہ فریدی اس وقت وجہ نہ بتاسکے گا اور جب وہ استعفیٰ لے کر سپرنٹنڈنٹ کے کمرے میں گیا تو اس نے دیکھا کہ وہ اپنی کرسی پر بیٹھا بُری طرح ہانپ رہا ہے۔

"کیا ہے۔" اس نے گرج کر پوچھا۔

"استعفیٰ....!" حمید نے کاغذ میز پر رکھتے ہوئے کہا۔

"گٹ آؤٹ....!" وہ حلق کے بل چیخا۔

حمید چپ چاپ کمرے سے نکل آیا۔

دفتر کے سب لوگ متحیر تھے کہ معاملہ کیا ہے۔ انسپکٹر جو فریدی سے حسد رکھتے تھے ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر معنی خیز انداز میں مسکرا رہے تھے۔

فریدی اور حمید وہاں سے روانہ ہوگئے۔ راستے میں حمید نے پوچھا۔

"آخر آپ نے کیا کیا....؟"

"چپ رہو....!" فریدی بگڑ کر بولا۔ "جو میں نے مناسب سمجھا کیا۔"

حمید خاموش ہوگیا۔

"دیکھو برخوردار....!" فریدی مسکرا کر بولا۔ "یہ دنیا سرائے فانی ہے۔"

حمید حیرت سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"میں اب ان لغویات سے تنگ آگیا ہوں۔" فریدی نے کہا۔ "کچھ آرام بھی کرنا چاہئے۔"

بسر اوقات کے لئے پھٹے پرانے کوٹوں کی تجارت کافی معقول رہے گی۔"

"میں.... میں....!" حمید کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

"خیر معلوم ہوا کہ تم بکریوں کی تجارت کرنا چاہتے ہو۔" فریدی نے کہا اور کار دلا
کے سامنے کھڑی کر دی۔

"آؤ کافی پئیں گے۔" فریدی نے کار سے اترتے ہوئے کہا۔

حمید بُری طرح جھلایا ہوا تھا۔ لیکن اس نے اپنی جھلاہٹ کا اظہار کرنا مناسب نہ س
نے سوچا کہ کہیں فریدی یہ نہ سمجھے کہ اس نے اسے استعفیٰ دینے پر مجبور کر کے بور کر
حمید کو اس کی پرواہ نہیں تھی کہ اس نے استعفیٰ دے دیا بلکہ الجھن اس بات کی تھی کہ آخ
دیا کیوں گیا وہ اس کی وجہ جاننا چاہتا تھا۔ مگر فریدی کے رویے سے معلوم ہو رہا تھا کہ وہ اس
روشنی نہ ڈالے گا... آخر کیوں....؟

دونوں نے ہوٹل میں کافی پی۔ کچھ پیسٹریاں کھائیں اور دیر تک بیٹھے ادھر اُدھر
کرتے رہے۔ حمید نے بھی تھوڑی دیر بعد یہ ظاہر کرنا شروع کر دیا جیسے آج کوئی اہم بات
نہ ہو۔

"آج میں نے ایک ہاتھی کو دیکھا جو ایک بوتل میں گھسنے کی کوشش کر رہا تھا۔" ح
بولا۔

"اچھا تم نے بھی دیکھا تھا۔" فریدی سنجیدگی سے بولا۔ "میں تو سمجھا تھا کہ صرف میں
راز سے واقف ہوں۔"

"اگر مہاوت کود کر الگ نہ ہو گیا ہوتا تو وہ بیچارہ بھی بوتل میں پہنچ جاتا۔" حمید۔

"اچھا۔" فریدی نے اپنے چہرے سے تشویش کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ "دیکھیں بین ا
سیاست پر اس کا کیا اثر پڑتا ہے۔"

شاید قطب شمالی میں ہندو مسلم اتحاد ہو جائے۔ حمید نے آہستہ سے کہا۔

فریدی اُسے آنکھ مار کر مسکرایا اور حمید نے کسی عصمت مآب عورت کی طرح
سر جھکا لیا....

دونوں کافی دیر تک بیٹھے بے سر وپا باتیں کرتے رہے۔

گھر پہنچ کر حمید اپنا سامان اکٹھا کرنے لگا۔

"کیوں بھئی یہ کیا کر رہے ہو....؟" فریدی نے پوچھا۔

"گھر جا رہا ہوں جو کچھ پس انداز کیا ہے اس سے چند بھینسیں خرید کر دودھ کا کاروبار کرونگا۔"

"چہ چہ.... تمہارے یہ نرم و نازک ہاتھ بھینسوں کا گوبر نہ صاف کر سکیں گے۔" فریدی
کہا۔ "مجھے ایک پرائیویٹ سیکریٹری کی ضرورت ہو گی۔"

"کتنی تنخواہ دیں گے آپ....؟"

"سب کچھ تمہارا ہے پیارے۔" فریدی ہنس کر بولا۔ "میں واقعی سنجیدہ ہوں.... میں نے
ی سیاحت کا پروگرام بنایا ہے ایسی صورت میں مجھے ایک پرائیویٹ سیکریٹری کی ضرورت ہو گی۔"

حمید چونک کر فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔

"دنیا کی سیاحت۔" حمید نے آہستہ سے دہرایا۔

"ہاں.... سب سے پہلے ہم مصر چلیں گے۔" فریدی اِدھر اُدھر دیکھ کر آہستہ سے بولا۔

"اوہ.... تو یہ کہئے۔" حمید نے آہستہ سے کہا۔ "لیکن کس طرح۔"

"بحری راستے سے۔"

"لیکن اگر وہ ہوائی جہاز سے چلا گیا تو۔"

"وہ اتنا احمق نہیں ہے۔"

"کیوں اس میں حماقت کی کیا بات ہے۔ ممکن ہے وہ یہاں سے جائے ہی نہیں۔"

"بات دراصل یہ ہے کہ اب میں نے اس کا خیال ہی چھوڑ دیا ہے۔"

"پھر....؟"

"مجھے یہ دیکھنا ہے کہ علی فضیل کی موت کن حالات میں ہوئی تھی۔"

"لیکن علی فضیل کے متعلق بھی آپ کو اسی سے معلوم ہوا تھا۔" حمید نے کہا۔ "کون جانے
ا نے یہ بات بھی غلط کہی ہو۔"

"نہیں مجھے اس میں شبہ نہیں۔ حسینہ علی فضیل ہی کی لڑکی تھی۔ آج ہی مصر سے میرے
ار کا جواب آیا ہے اور اسی سے معلوم ہوا ہے کہ علی فضیل کے ایک ہی لڑکا تھا، جو اُس کے قتل
کے کچھ ہی دن بعد قتل کر دیا گیا تھا۔"

"تو پھر استعفیٰ دینے کی کیا ضرورت تھی۔"

"مصلحت....!" فریدی نے کہا۔ "مجرم خطرناک ہے آسانی سے دھوکا نہیں کھا سکتا۔"

"تو کیا سپرنٹنڈنٹ سے آپ کی لڑائی محض دکھاوا تھی۔"

"وہ بیچارہ تو یہی سمجھا ہے کہ وہ سو فیصدی حقیقت ہے۔"

"بہر حال اب تو آپ استعفیٰ دے ہی چکے۔" حمید بولا۔

"اس میں کسی شبہے کی گنجائش نہیں۔" فریدی نے کہا۔

"تو پھر اب آپ یہ سب دردسری کیوں مول لے رہے ہیں۔"

فریدی جواب دینے ہی والا تھا کہ نوکر ایک کارڈ لے کر اندر آیا۔

"اوہ....!" فریدی کارڈ دیکھ کر بولا۔ "بھیج دو۔"

تھوڑی دیر بعد ایک وجیہہ آدمی کمرے میں داخل ہوا۔ اُس کے سنہرے ملائم اور خشک پیشانی پر اڑ رہے تھے۔ لباس اس نے اچھا پہن رکھا تھا۔ لیکن اس کی بے ترتیبی سے ظاہر ہو کہ وہ حد درجہ لاپرواہ واقع ہوا ہے۔ اس کے ہونٹوں پر ایک قسم کی مسکراہٹ تھی۔ ایسی مسکرا جسے زہر خند ہی سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ حمید نے اُسے دیکھ کر نفرت سے منہ سکوڑ لیا۔ اس برخلاف فریدی کے لہجے میں تپاک تھا۔

"آؤ.... آؤ.... انور.... مجھے توقع تھی کہ تم ضرور آؤ گے۔"

انور ہنس کر ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔

"غالباً تم استعفیٰ دینے کی وجہ پوچھنے آئے ہو۔"

"اور آپ صحیح وجہ کبھی نہ بتائیں گے۔" انور ہنس کر بولا۔ "لیکن تم اس طرح بھی صحیح وجہ معلوم کر سکو گے۔"

انور ہنسنے لگا۔

"بہر حال تم ٹھیک موقع پر آئے۔" فریدی بولا۔ "میں چاہتا ہوں کہ تم اپنے اخبار میں مر ناکامی کی ایک لمبی چوڑی داستان چھاپ دو۔"

"بس بس میں سمجھ گیا۔" انور نے کہا۔

"اسی لئے میں کہتا ہوں کہ تم بہت ذہین ہو۔" فریدی بولا۔

"مگر ایک چیز....!" انور بولا۔ "یہ جبار کہاں سے آ کودا۔"

فریدی نے جبار والا واقعہ بھی اُسے بتا دیا۔

"اس کیس کے متعلق میں نے پوری داستان خود ہی مکمل کی ہے۔"

انور جیب سے کچھ تہہ کئے ہوئے کاغذات نکال کر بولا۔ "آپ دیکھئے کہ میں کہاں تک امیاب ہوا ہوں۔"

فریدی کاغذات کو پڑھتا رہا۔ درمیان درمیان وہ سر اٹھا کر حیرت زدہ نظروں سے انور کی رف دیکھ لیتا تھا۔

"واقعی تم ایک کامیاب کرائم رپورٹر ہو۔" فریدی نے کہا۔ "اس میں بعض جگہ تم نے محض یاس سے کام لینے کی کوشش کی ہے۔ خیر میں ٹھیک کئے دیتا ہوں۔"

فریدی ایک سادے کاغذ پر کچھ لکھنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے وہ کاغذ اسکی طرف بڑھا دیا۔

"اوہ تو اس کا یہ مطلب کہ میری رپورٹ میں کچھ بھی نہیں تھا۔ تو آپ کو اُسی غیر ملکی مجرم نے تہہ خانے میں بند کیا تھا۔"

"ہاں....!"

"اس کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے۔"

"چھلاوہ ہے۔" فریدی بولا۔ "اس قسم کے کردار صرف جاسوسی ناولوں ہی میں نظر آیا کرتے تھے۔"

"اور آپ کیا فرماتے رہے ہیں۔" انور نے طنزیہ انداز میں مسکرا کر حمید کی طرف اشارہ کیا۔

"دیکھو تم مجھ سے نہ الجھنا.... ورنہ....!"

"ورنہ آپ رو دیں گے۔" انور نے جملہ پورا کر دیا۔

فریدی ہنسنے لگا۔

"خیر خیر اگر کبھی میری گرفت میں آ گئے تو بوٹیاں اڑا دوں گا۔" حمید جھلا کر بولا۔

"تم پر ہی کیا منحصر ہے۔" انور ہنس کر بولا۔ "اس شہر کی پولیس کے سارے ناکارہ آفیسر مجھے اس قسم کی دھمکیاں دیتے رہتے ہیں۔ لیکن آج تک کوئی میرا کچھ نہ بگاڑ سکا۔"

"چھوڑو.... چھوڑو.... ان فضول باتوں کو۔" فریدی اکتا کر بولا۔ "کام کی بات کرو۔ دیکھو اپنے مضمون میں میری جتنی بھی توہین ممکن ہو اس سے باز نہ آنا۔"

"یہ مجھ سے نہ ہو سکے گا۔" انور جلدی سے بولا۔ "میرے دل میں آپ کیلئے بڑا احترام ہے۔"

"لیکن یہ تم میری اجازت سے کرو گے۔" فریدی نے مسکرا کر آنکھ مارتے ہوئے کہا۔ "ایک واقعی ضرورت ہے۔"

"خیر جیسا آپ کہیں۔" انور نے کہا۔ تھوڑی دیر تک اِدھر اُدھر کی گفتگو کرتے رہنے کے بعد انور چلا گیا۔

"آخر آپ نے اسے اس قدر منہ کیوں لگا رکھا ہے۔" حمید جھلا کر بولا۔

"بہت کام کا آدمی ہے۔" فریدی نے کہا۔ "بلا کا ذہین ہے۔ اسے ایک بہترین جاسوس بنانے کے لئے تھوڑی سی ٹریننگ کافی ہو گی۔"

"میں اسے اچھا نہیں سمجھتا۔" حمید نے کہا۔

"کیا اس لئے کہ وہ پولیس والوں سے اپنا حق وصول کرتا ہے۔" فریدی نے کہا۔

"کسی نہ کسی دن گردن نپ جائے گی۔" حمید نے کہا۔

"اور مشکل یہی ہے۔ یہاں کے سارے آفیسروں کی دکھتی ہوئی رگوں پر اس کا ہاتھ ہے.... شائد ہی کوئی اُسے چھیڑنے کی ہمت کر سکے۔"

"مجھے اس نے کبھی چیلنج نہیں کیا۔ ورنہ میں مزا چکھا دیتا۔" حمید نے کہا۔

"خیر خیر چھوڑو بھی کہاں کی باتیں نکال بیٹھے۔" فریدی نے کہا۔ "وہ تمہیں چھیڑنے کیوں لگا۔"

"کیا آپ نے اُس وقت اس کا انداز نہیں دیکھا۔" حمید نے کہا۔

"بھئی وہ ہے ہی اس قسم کا.... بڑی زہریلی باتیں کرتا ہے.... میں اس کی پچھلی زندگی سے واقف ہوں.... اُسے بہت ستایا گیا ہے۔ تم نہیں جانتے جب کوئی ذہین اور تعلیم یافتہ آدمی مسلسل ناکامیوں سے تنگ آ جاتا ہے تو اُس کی ساری شخصیت صبر کی تلخیوں میں ڈوب جاتی ہے۔"

"خیر چھوڑیئے۔" حمید اکتا کر بولا۔ "ہمارا دوسرا قدم....!"

"حالات پر منحصر ہو گا۔" فریدی نے کہا اور سگار سلگا کر کسی سوچ میں ڈوب گیا۔

شام تک فریدی کے گھر پر اچھا خاصا مجمع اکٹھا ہو گیا.... اس میں سرکاری اور غیر سرکاری قسم کے لوگ تھے۔ وہ فریدی کے استعفےٰ دینے کی معقول وجہ جاننا چاہتے تھے.... فریدی انہیں ٹالنا چاہتا تھا۔ مگر بہتیرے لوگ جو اس سے بے تکلف تھے کسی طرح ٹلنے کا نام ہی نہ لیتے تھے۔ آخر حمید کو بولنا پڑا۔

"بات دراصل یہ ہے کہ فریدی صاحب کو اپنے سپرنٹنڈنٹ کا رویہ ناپسند تھا۔ وہ کسی قسم کی توہین سہنے کے عادی نہیں۔ آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ فریدی صاحب اس محکمہ میں محض شوق کی بناء پر آئے تھے۔ پہلے انہوں نے بہت چاہا کہ کسی طرح سپرنٹنڈنٹ صاحب سے مصالحت ہو جائے لیکن ایسا نہ ہو سکا۔ آخر کار انہیں استعفیٰ ہی دینا پڑا.... اور میں نے کیوں استعفیٰ دیا یہ ایک دکھ بھری داستان ہے۔"

"کیوں تم نے کیوں استعفیٰ دیا۔" جگدیش نے پوچھا۔

"میں اب شادی کرنا چاہتا تھا۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔

"تو اس سے استعفیٰ دینے سے کیا مطلب۔" جگدیش نے پوچھا۔

"میری منگیتر ملازمت کو بُرا سمجھتی ہے۔" حمید بولا۔ "وہ چاہتی ہے کہ میں دودھ کی تجارت کروں۔"

"تو کیا وہ دودھ والی ہے۔" ایک صاحب نے پوچھا۔

"جی نہیں میرے بچوں کو دودھ پلانے والی ہے۔"

اس پر قہقہہ پڑا.... اور حمید انگوٹھا چوسنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد یہ مجمع بھی برخواست ہو گیا۔

"اب کیا کرنا چاہئے۔" حمید نے کہا۔

"تم آخر اس طرح الجھ کیوں رہے ہو۔" فریدی نے پوچھا۔

"کمال کیا آپ نے؟" حمید جھلا کر بولا۔ "الجھن کی بات ہی ہے۔"

"قطعی الجھن کی بات نہیں۔" فریدی نے کہا اور اٹھ کر ٹہلنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد ٹیلی فون کی گھنٹی بجی اور فریدی کسی سے گفتگو کرنے لگا۔ تقریباً دس بجے رات تک تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد فریدی نامعلوم اشخاص کو فون کرتا رہا۔ حمید نے کچھ پوچھنا چاہا لیکن فریدی کے رویے نے اسے باز رکھا۔ وہ اس کی سرشت سے اچھی طرح واقف تھا۔ جب وہ کچھ بتانا چاہتا تو خود ہی اگل دیتا۔ ویسے لاکھ سر پٹخنے دیواریں قبول سکتیں تھیں لیکن فریدی

نہیں۔ وہ ساری رات حمید نے الجھنوں میں گذاری۔ بظاہر وہ سارا دن ہنستا رہا تھا لیکن اس کا ذہ
جانے کتنی جھلاہٹوں کا شکار تھا۔ سراغ رسانی کا یہ طریقہ کم از کم اُس کے لئے بالکل نیا تھا۔ بھلا
میں استعفیٰ دینے کی کیا ضرورت تھی۔

دوسرے دن وہ دن بھر گھر ہی پر رہا اور فریدی نہ جانے کہاں کہاں مارا مارا پھرا۔ گھر وا
آکر اس نے کوئی معقول بات نہیں کی۔ حمید کے کسی سوال کا کوئی تشفی بخش جواب نہیں دیا۔
معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ خود بھی کسی شدید قسم کے ذہنی اضطراب میں مبتلا ہو اور بعض اوقا
محسوس ہوتا کہ وہ بالکل خالی الذہن ہے.... دو دن اسی طرح گزر گئے۔ اس دوران میں اگر ک
ملنے کے لئے آجاتا تو اس سے کہلوا دیتا کہ فریدی گھر پر موجود نہیں ہے۔ حمید سب کچھ دیکھ رہا
اور الجھ رہا تھا۔ فریدی کا موڈ اتنا خراب تھا کہ کچھ پوچھنے کی ہمت ہی نہیں پڑتی تھی۔ آخر حمید
بتقدیر ہو کر بیٹھ رہا اور اس کے علاوہ چارہ ہی کیا تھا۔

چرمی ہینڈ بیگ

اچانک ایک رات فریدی نے سامان اکٹھا کرنا شروع کیا۔ چار پانچ بڑے بڑے سوٹ کیس
میں کپڑے رکھے گئے۔ اس میں حمید کے بھی کپڑے شامل تھے۔ نئے نئے ہولڈال نکالے گئے۔ ا
کے علاوہ اور بھی بہتیرا قیمتی سامان اُس پر رکھا گیا اور گاڑی چلی گئی۔ حمید نے کچھ پوچھنا چاہا لیک
جواب ندارد۔

تقریباً ایک بجے رات کو کسی نے حمید کو جگایا اور حمید اتنی رات گئے اپنے کمرے میں ایک
غیر ملکی اجنبی کو دیکھ کر بھونچکا رہ گیا۔

"ڈرو نہیں میں پروفیسر لاسکی ہوں۔" اس نے کہا اور حمید اس کی آواز پہچان گیا۔

"اُف میں کیا کروں۔" حمید اپنے زانو پر ہاتھ مار کر بولا۔

"جلدی کرو! تمہارے میک اپ میں بھی تقریباً ایک گھنٹہ لگے گا۔"

"مگر.... پھر کیا ہوگا؟"

"تمہارا سر!" فریدی جھلا کر بولا۔ "تم پروفیسر لاسکی کے اسسٹنٹ بنو گے۔"

"اور اس کے بعد۔"

"تمہاری پوجا کی جائے گی۔ آرتی اتاری جائے گی۔ پھول چڑھائے جائیں گے۔ فریدی
دنت بھینچ کر بولا۔ حمید ناک بھوں سکیڑ کر اٹھا۔

اور تھوڑی دیر بعد اس کے منہ سے ہلکی ہلکی چیخیں نکلنے لگیں۔ فریدی اس کے رخساروں کو
ی طرح کھرچ رہا تھا۔

"عجیب نکمے آدمی ہو۔" فریدی آہستہ سے بولا۔ "میں ذرا خوبصورت قسم کا میک اپ کرنا
اہتا ہوں اور تم مرے جا رہے ہو۔ تمہیں شائد نہیں معلوم کہ میرے گالوں سے تقریباً ایک
ٹانک خون نکل چکا ہے۔"

حمید خاموش ہو گیا اور جب وہ آئینے کے سامنے گیا تو اپنی صورت دیکھ کر جھجک پڑا۔ وہ ایک
یڑ عمر کا انگریز معلوم ہو رہا تھا۔

"لیکن تم انگریز نہیں ہو۔" فریدی نے کہا۔

"جنوبی امریکہ کے باشندے ہو.... ریوڈی جینرو کے رہنے والے۔"

"نہیں میں ریوڈی ڈان کیچاٹ کیہاٹ کا رہنے والا ہوں۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔ "اور
پ پروفیسر ہیرالڈ لاسکی۔"

"ایسی حماقت نہ کرنا۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "رابرٹ لاسکی۔"

"اور حضور کا پیشہ۔" حمید نے آہستہ سے پوچھا۔

"ایک ایسا ریڈیو سٹ ایجاد کرنے کا چکر جس میں مریخ کے باشندوں کی آوازیں سنی
جا سکیں۔" فریدی بولا۔

"کن بلنگر....!"

"حضور کوئی سیدھا سا.... میں خود یہ نام بھول جاؤں گا۔"

"مکلارنس....!" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔

"زبان کونسی بولنی پڑے گی۔"

"انگریزی....!"

"لہجہ کہاں سے لاؤں گا۔"

"ہکلا کر بولنا۔" فریدی نے کہا۔ "اور پھر تمہیں زیادہ بولنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔"

"لیکن ایک دوسری دشواری۔" حمید کچھ سوچتا ہوا بولا۔

"کیا....!"

"میں سوتے وقت اردو میں بڑبڑانے کا عادی ہوں۔"

"اور میں ایسے موقعوں پر تمہارا گلا گھونٹ دینے کے امکانات پر غور کرنے لگتا ہوں۔

فریدی جھلا کر بولا۔

"چلنا کہاں ہوگا۔"

"جہنم میں۔" فریدی نے کہا۔

"خیر چلئے دروازے تک آپ کو پہنچا کر لوٹ آؤں گا۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔

"ہمارا جہاز....! صبح آٹھ بجے روانہ ہو جائے گا۔" فریدی تھوڑی دیر بعد بولا۔

"جہاز....!" حمید اچھل کر بولا۔

"ہاں ہم مصر جا رہے ہیں۔"

"اور آپ نے اب بتایا ہے۔" حمید جھلا کر بولا۔

"کیوں کیا شہر بھر سے گلے مل کر رخصت ہونے کا ارادہ تھا۔" فریدی طنزیہ انداز میں بولا۔

"مگر یہ بھی....کوئی....!"

"بکو مت....!"

"میں یہ کہہ رہا تھا کہ پاسپورٹ وغیرہ۔"

"اس کا میں انتظام کر چکا ہوں۔"

"کہاں سے انتظام کر لیا ہے....پاسپورٹ پر تصویریں بھی تو لگائی جاتی ہیں۔"

"کیا یہ مکلارنس کی تصویر نہیں ہے۔" فریدی نے جیب سے ایک تصویر نکال کر میز پر ڈال دی۔

حمید نے تصویر اٹھالی اور آئینے کے قریب جا کر اُس سے اپنے خدوخال کا موازنہ کرنے لگا۔

"آپ بھی بس معجزے دکھایا کرتے ہیں۔" حمید نے پلٹ کر کہا.... لیکن فریدی کمرے میں نہیں تھا۔

حمید ایک کرسی پر بیٹھ کر پائپ سلگانے لگا۔

اتنے میں فریدی اندر آیا۔

"سنو! ہمارے مکان کی نگرانی ہو رہی ہے۔" فریدی بولا۔

"لیکن کس کی طرف سے۔"

"یہ میں نہیں جانتا۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "ممکن ہے کوئی سرکاری جاسوس ہو۔"

"سرکاری جاسوس....!" حمید نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"ہاں....ہمارے سپرنٹنڈنٹ سے کچھ بعید نہیں۔" فریدی بولا۔ "اتنا احمق آدمی میں نے آج تک نہیں دیکھا۔"

"تو پھر اب کیا کیجئے گا۔"

"میں نے ابھی پھاٹک کے سامنے ایک آدمی دیکھا ہے۔" فریدی نے کہا۔

"کیوں نہ ہم کسی کتے کو اس کے پیچھے لگا دیں۔" حمید نے کہا۔

"میں یہ نہیں چاہتا۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔ "سپرنٹنڈنٹ کی یہ حرکت ہمارے حق میں بُری نہیں اور پھر ممکن ہے کہ وہ مجرموں ہی کا آدمی ہو۔"

"پھر کس طرح باہر چلئے گا۔" حمید بولا۔

"بتاتا ہوں۔" فریدی نے کہا۔ "میں نے نوکروں کو ہدایت کر دی ہے کہ وہ ہماری عدم موجودگی میں ہمارے متعلق کسی کو کوئی تشفی بخش جواب نہ دیں۔"

"اس سے فائدہ۔"

"اس سے یہ فائدہ ہے کہ مجرم ہمارے متعلق کسی خاص سمت میں گھوڑے نہ دوڑا سکیں گے۔" فریدی نے کہا۔ "اچھا آؤ جلدی کرو۔ ہم باغ کے پشت والی بدرو کے ذریعے باہر نکلیں گے۔"

"لاحول ولا قوۃ۔ یہ مجھ سے نہ ہوگا۔"

"ہوگا کیسے نہیں۔" فریدی نے حمید کی گردن پکڑ کر کہا۔

"تھوڑی دیر بعد دونوں باغ کی دیوار کی ڈیڑھ فٹ اونچی بدرو سے باہر نکل رہے تھے۔ جیسے ہی فریدی نے باہر سر نکالا ایک سایہ سامنے سے ہٹ کر دیوار کی آڑ میں ہو گیا۔

"میں پہچان گیا....!" فریدی نے باہر نکل کر کہا۔ "چھپنے کی ضرورت نہیں۔"

حمید بھی باہر نکل آیا.... فریدی ایک آدمی کے پیچھے دوڑ رہا تھا.... حمید نے ریوالور نکال

لیا۔ چند لمحوں میں فریدی نے اسے جالیا۔

"انور تم اتنے چالاک نہیں ہو کہ مجھے دھوکا دے سکو۔" فریدی نے بھاگنے والے کو روک کر

"آپ نے اندھیرے میں مجھے کیسے پہچان لیا۔" انور بولا۔

"پہچان لیا کسی طرح۔" فریدی نے کہا۔ "پھاٹک کی طرف کون ہے۔"

"کوئی ہے.... میں نہیں جانتا۔ میں سمجھتا تھا کہ اس کی موجودگی میں آپ یہی راستہ
کریں گے۔" انور نے کہا۔

"خیر یاد رکھو کہ اس کے متعلق اگر تمہارے اخبار میں ایک لفظ بھی چھپا تو اچھا نہ ہو
فریدی نے کہا۔

"یہ میں اخبار کے لئے نہیں بلکہ اپنی معلومات کے لئے کر رہا ہوں۔" انور نے کہا۔

خیر.... مگر مجھ سے یہ مت پوچھنا کہ میں کہاں جا رہا ہوں۔" فریدی بولا۔

"میں جانتا ہوں۔" انور نے کہا۔

"جو کچھ بھی جانتے ہو اپنے ہی تک محدود رکھنا۔" فریدی نے کہا۔

"اور اگر ہو سکے تو میری عدم موجودگی میں اپنے اخبار کے ذریعہ مجرموں کو غلط راستے
لگانے کی کوشش کرنا۔"

"اور اس کی قیمت....!"

"واپسی پر ادا کروں گا۔" فریدی نے کہا۔

"بہت اچھا.... گڈ نائٹ۔" انور نے فلٹ ہیٹ کا گوشہ چہرے پر جھکایا اور تھوڑی دور جا
اندھیرے میں غائب ہو گیا۔

"کہیں یہ کمبخت گڑبڑ نہ کرے۔" حمید نے کہا۔

"نہیں میرے ساتھ ایسا نہیں کر سکتا۔" فریدی نے کہا اور چلنے لگا۔

چاروں طرف تاریکی پھیلی ہوئی تھی۔ سردی ہڈیوں میں گھستی محسوس ہو رہی تھی۔ دونوں
نے اوور کوٹ کے کالر کھڑے کر لئے۔ فلٹ ہیٹوں کے گوشے چہروں پر جھکا لئے۔ سنسان سڑک
اُن کے قدموں کی آواز دور تک پھیلتی معلوم ہو رہی تھی۔ دونوں اس وقت بندرگاہ پر پہنچے۔ جب
جہاز کی روانگی میں صرف پندرہ منٹ رہ گئے تھے۔ انہیں اپنے کیبن تلاش کرنے میں زیادہ وقت

ہوئی۔ سامان پہلے ہی پہنچ چکا تھا۔ بہر حال حمید کی اچھی خاصی شامت تھی۔ اُسے یہ بات ہر وقت
ذہن میں رکھنی پڑتی تھی کہ وہ جنوبی امریکہ کا باشندہ ہے اور اس کی مادری زبان انگریزی ہے۔
دوران سفر فریدی اپنا زیادہ تر وقت عرشے پر یا ریستوران میں گذارتا تھا۔ اکثر وہ خیالی شراب پی کر
بے تکی حرکتیں بھی کر بیٹھتا تھا۔ اس نے یہاں کئی دوست پیدا کر لئے تھے جن میں زیادہ تر عورتیں
تھیں۔ حمید محسوس کر رہا تھا کہ وہ ایک بوڑھے انگریز تاجر کی طرف زیادہ جھک رہا ہے۔ اکثر رات
کو وہ اس کے کیبن میں جھانکا بھی کرتا تھا۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا کہ وہ کافی رات گئے تک اس سے
غپ لڑاتا رہتا۔ وہ بوڑھا بھی بڑا دلچسپ خصوصاً نشے کی حالت میں تو وہ بجائے خود ایک اچھا خاصا
مضحکہ بن کر رہ جاتا۔ لڑکیاں اُس میں کافی دلچسپی لیتی تھیں۔

اُس بوڑھے کے کیبن سے ملا ہوا ایک دوسرا کیبن تھا جس میں ایک ادھیڑ عمر کا سنجیدہ انگریز
تھا۔ وہ ریستوران میں بہت کم بیٹھتا تھا۔ اکثر عرشے پر ہی دکھائی دیتا تھا۔ لیکن کسی کے ساتھ نہیں
یا تو وہ سمندر کی لہروں پر اڑتے ہوئے سفید سفید جھاگ کی طرف تاکتا رہتا تھا یا پھر اس کے ہاتھ
میں کوئی کتاب ہوتی تھی۔ دو ایک بار فریدی کو اُس سے گفتگو کرنے کا اتفاق ہوا تھا لیکن وہ موسم
کی کیفیت سے آگے نہیں بڑھی تھی.... حمید اسے مشکوک نظروں سے دیکھتا تھا۔ سب سے زیادہ
الجھن کا باعث اس کا چرمی ہینڈ بیگ تھا۔ جسے وہ ہر وقت بغل میں دبائے رہتا تھا اور حمید کو اس کی
آنکھوں کی نرناہٹ کے پیچھے چھپی ہوئی درندگی صاف نظر آنے لگتی تھی۔ ایک دن حمید نے
فریدی سے اس کے متعلق پوچھا کہ وہ کون ہے۔

"کولمبیا یونیورسٹی کا ایک پروفیسر....!" فریدی نے جواب دیا اور پھر تھوڑی دیر بعد پوچھا۔

"تم نے خصوصیت سے اسی کے متعلق کیوں پوچھا.... اور غالباً اب تم مجھ سے اس کے چرمی ہینڈ
بیگ کے متعلق پوچھو گے۔"

حمید حیرت سے فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔

"جو چیز تمہیں شبہے میں ڈال سکتی ہے۔ وہی مجھے بھی۔" فریدی نے سگار کا کش لے کر دھواں
چھوڑتے ہوئے کہا۔

"تو پھر آپ اس بوڑھے انگریز میں کیوں دلچسپی لے رہے ہیں۔" حمید نے پوچھا۔

"محض تمہارے لئے۔"

"میرے لئے کیوں۔"

"بات یہ ہے کہ اس میں کچھ نوجوان لڑکیاں بھی دلچسپی لیتی ہیں۔"

"ٹھیک فرمایا آپ نے۔" حمید جل کر بولا۔ "آپ مجھے اس قابل رہنے ہی کب دیۓ کبھی گونگا بنادیا اور کبھی ہکلا۔"

فریدی نے قہقہہ لگایا۔

"تمہارے لئے یہی بہتر ہوتا ہے۔ ورنہ تم سارا بھانڈا پھوڑ دو۔" اس نے کہا۔ اُس

فریدی حمید اور وہ بوڑھا انگریز ریستوران میں بیٹھے برج کھیل رہے تھے۔ کولمبیا یونیورسٹی کا قریب ہی کی ایک میز پر بیٹھا کافی پی رہا تھا۔ اُس کے سامنے ایک کاغذ پڑا تھا۔ جسے وہ تھوڑے وقفے کے بعد ہاتھ میں اٹھا کر دیکھنے لگتا تھا۔

"مسٹر مارٹن....!" وہ بوڑھے انگریز کو مخاطب کر کے بولا۔ "ایک دلچسپ خبر کیوں پروفیسر....!"

فریدی سر ہلانے لگا۔

"اگر تمہارے ریڈیو سیٹ میں کچھ عجیب و غریب اشارے پیدا ہونے لگیں تو تم اُے گے۔" کولمبیا یونیورسٹی کے پروفیسر نے کہا۔

"ہمبگ....!" بوڑھے نے پتہ پھینک کر فریدی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"اوہ....!" فریدی چونک کر بولا۔ "ریڈیو سیٹ پر عجیب و غریب اشارے.... کیا مطلب

"میرے ایک دوست نے اطلاع دی ہے۔" کولمبیا والے پروفیسر نے کہا اور رک سوچنے لگا۔

فریدی بے چینی سے اُس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"کچھ کہو بھی پروفیسر.... تم نے مجھے الجھن میں ڈال دیا ہے۔" فریدی مضطربانہ انداز میں

"کیا تمہیں اس قسم کی چیزوں سے دلچسپی ہے۔" اُس نے پوچھا۔

"پروفیسر فضول وقت مت برباد کرو۔" بوڑھا جھلا کر بولا۔ "یہ خود بھی ایک نئے قسم کا ایجاد کرنے کی فکر میں ہے۔"

"اوہ.... اچھا.... تو تم اس کے متعلق زیادہ بہتر بتا سکو گے۔"

پروفیسر نے کہا۔ "سنو.... میرا ایک دوست ریڈیو میں کچھ نئے تجربے کر رہا ہے۔ اچانک کل اسے اپنی بنائی ہوئی مشین پر کچھ عجیب قسم کے اشارے موصول ہوئے ہیں۔ اس کا خیال ہے کہ وہ اشارے مریخ سے آرہے ہیں۔"

"اوہ سچ....!" فریدی بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "میں سمجھا تھا شائد کوئی خاص بات ہوگی۔"

"خاص بات....!" پروفیسر نے حیرت ظاہر کرتے ہوئے کہا۔ "یہ کوئی خاص بات ہی نہیں۔"

"بالکل نہیں....!" فریدی نے پتہ پھینکتے ہوئے لاپروائی سے کہا۔ "کوئی تمہارے دوست کو بیوقوف بنا رہا ہے۔"

"کیا مطلب....!"

"ارے جناب۔" فریدی نے میز پر پتے رکھ دیئے اور پروفیسر کی طرف مڑ کر بولا۔ "میں نے اپنی عمر جھک مارنے میں نہیں گذاری۔"

"میں یہ نہیں کہہ رہا۔" پروفیسر مسکرا کر بولا۔

"کیا آپ کا دوست کسی اونچی جگہ رہتا ہے۔"

"ہاں وہ میکسیکو میں رہتا ہے۔"

"نہیں تو وہ کسی کی منتشر کی ہوئی ریڈیائی لہروں سے بیوقوف بن رہا ہے۔"

"لیکن اس کے بیان کے مطابق وہ لہریں اوپر کی ہیں۔"

"یقیناً اوپر کی ہوں گی۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "اسے مطلع کر دو کہ ابھی نئے تجربوں کے چکر میں نہ پڑے۔ وہ ابھی شائد کچھ نہیں جانتا.... اس کی قیام گاہ سے تیس یا چالیس میل کی دوری پر اگر کوئی ناقابل انتشار اور مجوزہ سمت میں چلنے والی شعاعیں اوپر کی طرف پھینکے تو وہ اُس کے سیٹ پر پچھتر ڈگری کے زاویئے سے گر سکتی ہیں اور وہ یہ سمجھ سکتا ہے کہ اسے اوپر سے کوئی اشارہ موصول ہوا ہے۔ مریخ والے اتنے چغد نہیں کہ اناڑیوں کو اشارے کیا کریں۔"

"اوہ....!" پروفیسر مسکرا کر بولا۔ "میں اس سائنس سے ناواقف ہوں.... کیا تم میرے لئے اپنی دلیل لکھ سکتے ہو۔"

"لکھو.... میں بولتا ہوں۔" فریدی نے پتے سمیٹتے ہوئے کہا۔

"اوہ.... قلم.... میں اپنا قلم بھول آیا ہوں۔"

"خیر کوئی بات نہیں۔ لو قلم یہ رہا۔" فریدی نے اپنا فاؤنٹین پن اس کی طرف بڑھا دیا۔

اس نے قلم لے کر اپنا چرمی ہینڈ بیگ کھولا اور اس میں سے کاغذ نکالنے لگا۔ فریدی کن
سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ دفعتاً اس نے ایک گہری سانس لی اور پتہ پھینک کر بوڑھے مار
طرف دیکھنے لگا۔

فریدی بولتا رہا اور کولمبیا یونیورسٹی کا پروفیسر لکھتا رہا۔

"شکریہ۔" اس نے فریدی کا قلم واپس کیا۔

"کوئی بات نہیں۔" فریدی نے کہا اور کھیل میں مشغول ہو گیا۔

حمید حیرت سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"تم دیکھتے کیا ہو۔" فریدی نے کہا۔ "دماغ ٹھنڈا رکھ کر کھیلو.... کیا وہسکی نے تمہاری
ہی چوپٹ کر دی ہے۔"

"کک.... کیم.... کاف.... کاف....!" حمید ہکلایا۔

"شٹ اپ....!" فریدی چیخ کر بولا۔ "چمگادڑ کی طرح.... چمگادڑ کہیں کے۔"

حمید خاموش ہو گیا.... اُس کے چہرے پر بے بسی چھا گئی۔

"بوائے....!" بوڑھا مارٹن چیخا۔ "رم لاؤ رم....!"

"میں رم نہیں پیتا۔" فریدی ہونٹ سکیڑ کر بولا۔

"تو پھر کیا پیؤ گے۔"

"گدھی کا دودھ۔" فریدی نے جھلا کر کہا اور پتے میز پر پٹخ دیئے۔

"کیوں کیا اب نہیں کھیلو گے۔"

"نہیں....!"

"سونا چاہتے ہو۔"

"نہیں۔"

"پھر کیا چاہتے ہو۔"

"ننھی منی پریاں.... ساز کی لہروں پر لچکتی ہوئی رنگین مچھلیاں۔" فریدی اس کے چہ
کے سامنے انگلی نچا کر بولا۔

"اب چڑھ رہی ہے۔" بوڑھا مارٹن قہقہہ لگا کر بولا۔

"سنو یار!" فریدی میز پر جھک کر آہستہ سے بولا۔ "کیا نام ہے اس کا.... نیلی فراک
کورنیا....!"

"اوہ کورنیا.... کتنا حسین نام ہے.... کورنیا۔"

"کیوں؟ کیا بات ہے۔" مارٹن نے آنکھ مار کر مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"کچھ نہیں.... کچھ نہیں.... ابھی تک تمہاری رَم نہیں آئی.... میں مارٹینی پیوں گا۔"

بڑی رات گئے تک وہ تینوں ریسٹوران میں بیٹھے خوش گپیاں کرتے رہے۔ کولمبیا یونیورسٹی کا
فیسر جا چکا تھا.... تھوڑی دیر بعد فریدی اور حمید بھی اپنے کیبنوں کی طرف لوٹے۔

راستے میں حمید نے کچھ بولنا چاہا۔ فریدی نے اُسے چپ کرا دیا۔

"خاموش رہو۔ کل بات کریں گے پروفیسر میرا امتحان لے رہا تھا۔ اُسے ہم پر شبہ ہو گیا
ہے۔ وہ کم از کم آج رات بھر میرے پیچھے لگا رہے گا اور خدارا تم رات بھر سونا نہیں.... اگر کہیں
دو میں بڑبڑانے لگے تو سب چوپٹ ہو جائے گا۔"

حمید ساری رات جاگتا رہا۔

دوسرے دن صبح ناشتے کے بعد وہ دونوں عرشے پر نکل آئے.... یہاں کچھ عجیب ہیجان برپا
ا۔ ایک کشتی کھو گئی تھی جس کی تلاش جاری تھی اور تھوڑی دیر بعد یہ اطلاع ملی کہ کولمبیا
نیورسٹی والا پروفیسر بھی غائب ہے۔

"وہ اپنا چرمی ہینڈ بیگ ضرور ساتھ لے گیا ہو گا۔" فریدی نے کہا۔

"کیا مطلب....!" حمید نے چونک کر کہا۔ "کیا وہ سچ مچ فرار ہو گیا۔"

"معلوم تو یہی ہوتا ہے۔" فریدی نے کہا۔ "اور اب مجھے اپنی کامیابی کا یقین ہو گیا ہے....
لر افسوس وہ نکل گیا۔"

"صاف صاف کہئے۔" حمید الجھ کر بولا۔

"اس کا چرمی بیگ میرے پاس ہے۔" فریدی نے کہا۔

"ہو گا....!" حمید نے غصہ سے کہا اور دوسری طرف دیکھنے لگا۔

"اچھا.... اچھا شائد تم پوری داستان سننا چاہتے ہو۔" فریدی نے کہا۔

حمید نے کوئی جواب نہ دیا۔

"کل جب وہ اپنے ہینڈ بیگ سے کاغذ نکال رہا تھا تو میں نے اس میں ایک تہہ کیا ہو
رومال دیکھا تھا اور ایک رومال میز پر پڑا تھا جس سے وہ اپنا منہ پونچھتا تھا.... کیا سمجھے.... را
بار بار میرے کیبن میں جھانک رہا تھا۔ غالباً تمہاری طرف بھی گیا ہوگا۔ تم شاید جاگ
تھے.... ہاں تو مجھے اُسی وقت سے فکر ہوگئی تھی کہ کسی طرح اس کا چرمی ہینڈ بیگ اڑادوں
میں نے ایک بار محسوس کیا کہ وہ میرے کیبن میں کنجی کے سوراخ سے جھانک رہا ہے۔ میں
بن گیا۔ تھوڑی دیر بعد میں بھی کیبن سے نکلا اور غسل خانے کی طرف چلا گیا.... واپسی پر
نے اُسے پھر اپنے کیبن کے پاس دیکھا۔ لیکن میں نے جان بوجھ کر سیٹی بجانی شروع کردی
کی آواز سن کر وہ چھپ گیا۔ میں کیبن میں لوٹ آیا۔ پھر مجھے ایک تدبیر سوجھ گئی.... میں
ایک موم بتی نکالی اور اُس طرف چلا گیا.... وہ خالی پیپیاں رکھے ہیں.... ان پیپوں کے
جاکر میں نے موم بتی روشن کی۔ وہ میرے پیچھے لگا ہوا تھا.... میری اس حرکت پر اُس کا اش
ضرور بڑھ گیا ہوگا۔ موم بتی میں نے وہیں رکھ دی.... اور پیپوں کی آڑ لیتا ہوا دوسری
نکل گیا.... میں نے دیکھا کہ وہ پیپوں کے انبار سے لگا بیٹھا دوسری طرف جھانکنے کی کو
کررہا ہے۔ اس کی پیٹھ میری طرف تھی۔ میں وہاں سے سیدھا اس کے کیبن میں پہنچا اور اس
بیگ اڑالیا.... اور پھر اسے سلیپنگ گاؤن کے نیچے چھپائے ہوئے پھر پیپوں کی طرف لوٹا۔
ابھی تک اُسی حالت میں بیٹھا پیپوں کے پیچھے کا حال معلوم کرنے کی کوشش کررہا تھا.... میں
موم بتی بجھائی اور پیپوں کی آڑ سے نکل آیا.... اپنے کیبن میں آکر میں نے ایک کتاب اٹھا
پھر میں بھی رات بھر جاگتا رہا۔

"تو وہ رومال آپ کو مل گیا۔" حمید نے جلدی سے پوچھا۔ "کیسا ہے۔"

"معمولی جیسے سب ہوتے ہیں۔ ایک کونے پر حسینہ کا نام کڑھا ہوا ہے۔"

"لیکن وہ بھاگ کیوں گیا۔" حمید نے پوچھا۔

حیرت انگیز انکشاف

"اس کے چرمی بیگ میں اُس کی ڈائری بھی تھی۔" فریدی نے کہا۔ "اس ڈائری سے اس کی
نیت کا راز افشاء ہوجاتا ہے۔ لیکن اس کا راز تو مجھے پہلے ہی سے معلوم تھا۔"

"وہ کون تھا۔" حمید نے بے ساختہ پوچھا۔

"سر بتھال....!" فریدی نے مسکرا کر کہا.... حمید اچھل پڑا۔

"کیوں مذاق کرتے ہیں۔" وہ ہنس کر بولا۔ "اس کی تو لاش....!"

"ہاں ہاں اس کی لاش ملی تھی۔" فریدی نے کہا۔ "اور وہ لاش اس کی نہیں بلکہ جبار کی تھی۔
سر بتھال بھلا اُسے کیوں زندہ چھوڑتا۔"

"جبار بھلا سر بتھال کیسے ہوسکتا ہے۔"

"جیسے میں پروفیسر رابرٹ لاسکی ہوسکتا ہوں.... جیسے تم مکلارنس ہوسکتے ہو....
سر بتھال جیسے فضیل ہوسکتا ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "کیا ایک لاش کا میک اپ نہیں کیا
جاسکتا.... میں نے لاش کو ڈی۔ آئی۔ جی کے سامنے دیکھا تھا اور اسے یہ بھی نکتہ سمجھا دیا تھا۔ کیا
تمہیں یاد نہیں کہ لاش والے کمرے میں ڈی۔ آئی۔ جی اور میں تنہا تھے۔ اس وقت صحیح معنوں میں
اس کیس کی اہمیت سے آگاہ ہوا تھا اور پھر میں نے وہ پلاٹ بنایا جس سے سر بتھال آسانی سے دھوکا
کھا گیا۔ بہرحال کہنے کا یہ مطلب کہ میری اور تمہاری ملازمت بدستور برقرار ہے.... البتہ
بیچارے سپرنٹنڈنٹ کو اس راز کے ظاہر ہوتے ہی بڑی کوفت ہوگی۔"

"تو آپ نے یہ مجھے پہلے ہی کیوں نہیں بتادیا تھا۔" حمید نے کہا۔

"محض احتیاط کی خاطر۔"

"تو کیا آپ مجھ پر اعتبار نہیں کرتے۔"

"یہ بات نہیں پیارے۔ تم اکثر نادانستگی میں غلطیاں کرجاتے ہو۔ مثلاً کل ہی کو جب میں
اُسے ریڈیو والا مسئلہ سمجھا رہا تھا تو تم احمقوں کی طرح میری طرف تاک رہے تھے۔"

حمید خاموش ہو گیا۔

"سر بنتھال کی ڈائری سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ خود بھی اس رومال کی اہمیت سے واقف ہے.... اور وہ کسی کے لئے کام کر رہا ہے۔" فریدی نے کہا۔

"بہر حال ہمیں ہوشیار رہنا چاہئے۔" حمید نے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ وہ اس جہاز پر نہیں تھا۔ کیونکہ چلتے جہاز سے کشتی اتارنا اور پھر اُس میں بیٹھ کر نکل جانا کسی اکیلے آدمی کے روگ نہیں۔"

"تمہارا خیال درست ہے۔" فریدی نے کہا۔ "بلکہ مجھے تو اسی میں شبہ ہے کہ وہ جہاز گیا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے۔" حمید نے کہا "اور پھر ایسی صورت میں جب کہ وہ بھیس بدلنے مہارت رکھتا ہے۔ اسی قسم کی توقع رکھنی چاہئے۔"

"بہر حال ہمیں اب اور زیادہ محتاط رہنا پڑے گا۔" فریدی نے کہا۔

"میں نے کل رات ہی ویسا ایک دوسرا رومال تیار کر لیا ہے اور وہ اس وقت اس میں موجود ہے اور ہینڈ بیگ کیبن میں ہے.... اور ہم کسی نئی واردات کے منتظر۔"

"کیا مطلب....!" حمید چونک کر بولا۔

"کچھ نہیں۔ فی الحال کچھ کہا نہیں جا سکتا۔" اور پھر دونوں ریستوران کی طرف گئے۔

جہاز سمندر کا متلاطم سینہ چیرتا ہچکولے لیتا اپنی منزل مقصود کی طرف بڑھتا جا رہا تھا۔ کی کرنیں چاروں طرف پھیلی ہوئی لہروں پر چمکدار جال بن رہی تھیں۔ سر پر نیلا آ حد نظر تک پھیلا ہوا پانی.... حمید منظر کی یکسانیت سے اکتا گیا تھا۔ اس دوران میں دو ایک کی طبیعت بھی خراب ہو گئی تھی۔ لیکن فریدی کی احتیاطی تدابیر نے بیماری کو آگے نہ دیا.... ابھی دو دن کا سفر اور باقی تھا.... حمید کو سر بنتھال کے اچانک غائب ہو جانے سے الجھ ہو گئی تھی۔ اسے یقین تھا کہ وہ جہاز ہی پر موجود ہے اور الجھن کی وجہ بھی یہی تھی۔ کہ وقت حملہ نہ کر بیٹھے.... اس وقت بھی وہ ریستوران میں بیٹھا اسی کے متعلق سوچ برخلاف اس کے فریدی کے رویے سے ظاہر ہو رہا تھا جیسے کوئی بات ہی نہ ہو۔ وہ اس بوڑھے مارٹن کو چھیڑ چھیڑ کر خود بھی قہقہے لگا رہا تھا.... دو تین لڑکیاں بھی موجود تھیں۔ حمید اس وقت لڑکیوں میں دلچسپی لینے کے موڈ میں نہیں تھا۔

"کیوں مک....!" فریدی حمید کی طرف مخاطب ہو کر بولا۔ "تم اس وقت کچھ اداس نظر ہے ہو۔"

"مم.... مم.... مف.... مفم....!" حمید ہکلایا۔

"شٹ اپ....!" فریدی زور سے چیخا.... پھر قہقہہ مار کر ہنسنے لگا.... لڑکیوں نے بھی اس ساتھ دیا اور حمید خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔

"بیچارا ہکلا مک....!" ایک لڑکی اس کے چہرے کے قریب انگلی نچا کر بولی۔ حمید پہلے تو لایا، لیکن پھر مسکرا کر اُسے آنکھ مار دی۔

"کچھ بھی ہو۔ یہ محبت کرنا جانتا ہے۔" فریدی حمید کی پیٹھ ٹھونکتا ہوا بولا۔

"اس سے تو کوئی پاگل اور کٹکھنی لڑکی ہی محبت کر سکتی ہے۔" ایک لڑکی نے کہا۔

حمید خاموش رہا.... فریدی لڑکیوں کے مذاق میں دل کھول کر حصہ لے رہا تھا۔ کچھ دیر بعد ید کو اس پر غصہ آنے لگا۔ آخر کوئی حد بھی ہے لاپروائی کی.... یہ جانتے ہوئے بھی کہ بنتھال یہیں کہیں قریب ہی موجود ہے وہ کوئی احتیاطی تدبیر نہیں کر رہا۔ معلوم نہیں اُس کا اگلا م کیا ہوگا۔ ممکن ہے چھپ کر کسی وقت حملہ کر بیٹھے۔

آخر کار فریدی اٹھا.... اور دونوں اپنے کیبنوں کی طرف آئے.... اور دوسرے لمحے میں یدی بُری طرح گرج رہا تھا.... کیبن میں سوٹ کیس کھلے پڑے تھے۔ بستر کی تہیں الٹ پلٹ لی گئی تھیں بہر حال سارا سامان بے ترتیبی سے بکھرا پڑا تھا۔ فریدی نے چیخ چیخ کر سارا کیبن سر پر الیا۔ اِدھر اُدھر کے مسافر اکٹھا ہو گئے۔

"یہ دیکھو....!" ذرا یہ بد انتظامی دیکھو۔ جہازوں پر بھی چور گھسنے لگے۔" فریدی مجمع کی رف مخاطب ہو کر چیخا۔ "میں ریستوران میں تھا.... اور یہاں کوئی گھس آیا۔"

اور پھر وہ چیختا ہوا کپتان کے کیبن کی طرف چلا گیا۔ مجمع اس کے پیچھے تھا۔

"آخر یہ کیا مذاق ہے۔" وہ کپتان کو مخاطب کر کے چیخا۔

"کیا بات ہے۔"

"میرے کیبن میں چور گھسا تھا۔"

"چور....!" کپتان چونک کر بولا۔ "کیا مطلب۔"

"آپ چور کا مطلب نہیں جانتے۔" فریدی مجمع کو مخاطب کر کے طنزیہ انداز میں بولا۔
اور تھوڑی دیر بعد کپتان فریدی کے کیبن میں اس کا بیان قلمبند کر رہا تھا.... کئی او
بھی کیبن میں موجود تھے۔

"میں کل رات کو عرشے کے ویران حصے میں بیٹھا تھا۔" فریدی کہنے لگا۔ "اس ج
جہاں خالی پیپوں کے ڈھیر ہیں۔ میں وہاں تقریباً آدھ گھنٹے تک رہا.... جب وہاں سے واپس
یہاں میں نے ایک چرمی ہینڈ بیگ دیکھا جو میرا نہیں تھا۔ کچھ تو نشے کی جھونک اور کچھ نیند
میں میں نے اس کی طرف کوئی دھیان نہ دیا اور سو گیا.... صبح میں نے خیال کیا کہ اسے آ
حوالے کر دوں گا لیکن بھول گیا.... اچانک ریستوران میں مجھے یاد آیا کہ اُس ہینڈ بیگ کو آ
آفس میں دے دوں.... اور جیسے ہی میں کیبن میں آیا تو یہ حالت دیکھی.... وہ ہینڈ بیگ
غائب ہے۔ صبح بھی میں نے اسے دیکھا تھا۔"

"اُس بیگ میں کیا تھا۔" کیپٹن نے پوچھا۔

"مجھے اچھی طرح یاد نہیں۔ لیکن اتنا ضرور کہہ سکتا ہوں کہ اسمیں کوئی قابلِ ذکر چیز نہیں ت

"عجیب معاملہ ہے۔" کپتان نے کہا.... اس کی آنکھوں سے بے اعتنائی ظاہر ہو رہی

"آج نہ جانے کتنی حیرت انگیز باتوں کا سامنا کرنا پڑے گا.... کوئی بہت ہی پُر اسرار.... ہاں
یہ تو بتایئے کہ آپ رات کو وہاں پیپوں کے پیچھے کیا کرنے گئے تھے۔"

"اپنے بنائے ریڈیو سیٹ پر مریخ کے باشندوں کے پیغامات سننے کی کوشش کر ر
فریدی نے کہا۔

"ایک اور حیرت انگیز انکشاف۔" کپتان نے طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"اوہ تو شاید تم مذاق سمجھتے ہو۔" فریدی غصے سے بولا۔ "مسکلارنس کہاں ہو، اوہ یہ
کہاں مر گیا۔ ٹھہرو میں دکھاتا ہوں تمہیں....!"

"فریدی نے ایک سوٹ کیس کھول کر ایک عجیب قسم کی مشین نکالی جس میں بے شمار
شیشے کی نلکیاں لگی ہوئی تھیں.... اور پھر اُسے ایک بیٹری سے منسلک کر دیا.... دو ایک
اِدھر اُدھر کئے.... مشین میں پہلے تو گھر گھراہٹ پیدا ہوئی.... پھر "چوں چوں.... چر
چر چوں...." کی آوازیں آنے لگیں۔ لیکن یہ آوازیں کسی جاندار شے کی تھیں.... کتنا

دوسرے لوگ حیرت سے کبھی مشین کی طرف دیکھتے تھے اور کبھی فریدی کی طرف۔

"دیکھا کپتان۔" فریدی فخریہ انداز میں بولا۔ "کسی دن یہ "چوں چوں" ایک صاف سنائی
دینے والے پیغام میں تبدیل ہو جائے گی۔"

فریدی نے بیٹری کا تار الگ کر دیا اور آواز آنی بند ہو گئی۔

"بہت اچھے پروفیسر لاسکی۔" بوڑھا مارٹن پر جوش آواز میں چیخا۔

کپتان کچھ متاثر ہوتا نظر آنے لگا۔ فریدی اُسے قہر آلود نگاہوں سے گھور رہا تھا۔

"کوئی چیز چوری ہو گئی۔" کپتان نے پوچھا۔ اس کے لہجے میں ندامت تھی۔

"یہی تو حیرت انگیز بات ہے۔" فریدی بولا۔ "عجیب بدتمیز چور ہے۔ جب اس نے کوئی چیز
چرائی نہیں تھی تو پھر اُس نے خواہ مخواہ میرا سامان کیوں بکھیر دیا.... اور پھر وہ ہینڈ بیگ کیسا تھا، جو
پُر اسرار طریقے پر غائب بھی ہو گیا۔"

"لیکن وہ تمہارے اس ریڈیو سیٹ کے چکر میں نہ آیا ہو۔" کپتان نے کہا۔

"ہو سکتا ہے۔" فریدی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "مگر وہ ہینڈ بیگ۔"

"یہی میں بھی سوچ رہا ہوں۔" کپتان نے کہا۔

تھوڑی دیر بعد مجمع برخاست ہو گیا۔ فریدی اور حمید تنہا رہ گئے۔

حمید نے کچھ نہ کچھ بولنے کی کوشش ہی کی تھی کہ فریدی نے اُسے ڈانٹ دیا۔

پھر آہستہ سے بولا۔ "عرشے پر چلو۔"

عرشے پر پہنچ کر دونوں ریلنگ سے ٹک گئے۔

"ہم وہاں کوئی گفتگو نہیں کر سکتے تھے۔" فریدی بولا۔ "ہماری نگرانی ہو رہی ہے۔"

"آخر آپ نے یہ ڈھونگ کیوں پھیلایا ہے۔" حمید نے کہا۔

"میں نے جو کچھ سوچا تھا وہی ہوا۔ سر بتھال جہاز ہی پر موجود ہے.... گھبراہٹ میں وہ
روپوش ہو گیا۔ لیکن اب اُسے افسوس ہو رہا ہو گا۔ اگر میرا اندازہ غلط نہیں ہے تو وہ رومال کے
معاملے میں دھوکا کھا گیا ہو گا۔"

"یعنی....!"

"اگر وہ حقیقتاً رومال کے راز سے خود واقف نہیں ہے تو میرا بنایا ہوا نقلی رومال جو میں نے

اُس کے ہینڈ بیگ میں رکھ دیا تھا۔ اُسے مطمئن کر دے گا.... میں نے اس کی ڈائری بھی اُ
رہنے دی ہے۔ اس طرح وہ کم از کم مجھ پر شبہہ کرنا چھوڑ دے گا.... مگر نہیں اس نے اپنی دانس
میں ہمیں دھوکا دینے کی کوشش کی اور یہ ظاہر کر کے کہ وہ جہاز سے فرار ہو گیا ہے.... اپنا
بیگ نکال لے گیا۔ بہر حال اب یہ دیکھنا ہے کہ میرے اس بیان سے جو میں نے کپتان کو دیا
اُس پر کیا اثر پڑتا ہے۔"

"مگر یہ مشین کہاں سے نکل پڑی تھی۔" حمید نے پوچھا۔

"بھئی اسے بنانے میں میرا ایک دن برباد ہو گیا تھا۔" فریدی نے کہا۔ "بہر حال اُسے ا
کرنے کا موقع جلد آ گیا۔ میں جو رول ادا کر رہا ہوں آخر اُس کا کوئی ٹیکنیکل ثبوت بھی
ہونا چاہئے۔"

"اور وہ آواز....!" حمید نے پوچھا۔ "وہ تو حقیقتاً کسی ذی روح کی آواز معلوم ہوتی تھی۔"

"وہ ذی روح ایک اَلم رسیدہ چوہا ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "جو اس مشین میں بند ہے۔ مش
میں بیٹری لگاتے ہی اس کی دم دو چرخیوں کے بیچ میں دبنے لگتی ہے اور وہ چیخنا شروع کر دیتا ہے۔"

حمید بے اختیار ہنس پڑا۔

"اور اس طرح مریخ کے باشندوں کی آواز ہم تک پہنچتی ہے۔"

فریدی اُسے آنکھ مار کر مسکراتا ہوا بولا۔

"آپ نے اپنا سارا پروگرام مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا تھا۔" حمید نے منہ بنا کر کہا۔

"تم تو بعض اوقات کسی خیر خواہ بیوی کی طرح احتساب کرنے لگتے ہو۔" فریدی نے مسکرا
کر کہا۔ "بس دیکھتے جاؤ۔ مداری کے جھولے سے ابھی اور کیا کیا نکلتا ہے۔"

"تو کیا آپ سمجھتے ہیں کہ سر بنتھال اس سے مطمئن ہو گیا ہو گا۔" حمید نے کہا۔

"اگر مطمئن نہ ہوا ہو گا تو اُلجھن میں ضرور پڑ جائے گا۔ اب میری باری آئی ہے۔"

فریدی نے کہا اور سگار سلگانے لگا۔

"اُلجھن میں کیوں پڑ جائے گا۔" حمید نے پوچھا۔

"محض اس لئے کہ اگر میں نے اس کا ہینڈ بیگ اڑایا ہوتا تو اس کے متعلق کپتان کو بھی
بتاتا.... اور نہ اُسے اتنی لاپروائی سے کیبن میں ڈال دیتا.... اس نے میرا سامان الٹ پلٹ کر

دیکھا ہے.... کیوں؟" کیا اس لئے نہیں کہ میری صحیح شخصیت کے متعلق معلوم کر سکے.... مگر
وہاں بیچارے کو کیا ملتا.... مگر تم اب بہت زیادہ محتاط رہنا.... تمہاری طرف سے مجھے خطرہ ہے کہ
کہیں ہمارا راز کھل نہ جائے۔"

ابھی وہ گفتگو کر ہی رہے تھے کہ بوڑھا مارٹن انہیں اپنی طرف آتا دکھائی دیا۔ دونوں خاموش
ہو گئے۔

"ہیلو پروفیسر....!" بوڑھا مارٹن بولا۔ "اس چوری کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے۔"

"کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔" فریدی نے کہا۔

"کولمبیا یونیورسٹی کا پروفیسر غائب ہے۔" مارٹن نے کہا۔

"کہاں غائب ہے۔" فریدی نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"صبح سے غائب ہے اور ایک کشتی بھی غائب ہے۔"

"یعنی....!" فریدی چونک کر بولا۔

"کل رات وہ تم سے مریخ والوں کے اشاروں کے متعلق گفتگو کر رہا تھا۔"

بوڑھا مارٹن آنکھ مار کر بولا۔ "کیا یہ ممکن نہیں کہ وہی تمہارا ریڈیو چرانے کی نیت سے
تمہارے کیبن میں داخل ہوا ہو۔"

"لیکن ریڈیو سیٹ تو محفوظ ہے۔" فریدی نے کہا۔

"ممکن ہے کوئی ادھر آنکلا ہو اور اسے چرائے بغیر ہی وہ نکل گیا ہو۔"

"مگر تم کہتے ہو کہ ایک کشتی بھی غائب ہے۔ ظاہر ہے وہ دن کو تو فرار ہو نہیں سکتا.... اور
چور دن میں گھسا تھا۔" فریدی نے کہا۔

"چور شائد رات ہی کو گھستا.... مگر تم نے اُسے اس کا موقع نہیں دیا۔" مارٹن بولا۔

"وہ رات کو تمہارے کیبن میں اپنا ہینڈ بیگ چھوڑ گیا تھا.... اُسے توقع تھی کہ تم اُس ہینڈ بیگ
کو اُسی وقت کپتان کے پاس لے جاؤ گے اور اُسے تمہارے کیبن میں گھسنے کا موقع مل جائے گا۔ لیکن
تم نے ایسا نہ کیا۔ رات بھر وہ تمہارے کیبن ہی میں رکھا رہا.... لہٰذا صبح جب تم ریستوران میں
تھے تو وہ تمہارے کیبن میں گھسا لیکن ناکامیاب ہونے پر اپنا ہینڈ بیگ لے کر نکل گیا۔"

"اوہ....!" فریدی مارٹن کو تحیر آمیز نظروں سے گھورتا ہوا بولا۔ "تم واقعی ایک اچھے

جاسوس ثابت ہو سکتے ہو۔"

"مُ.... مُ.... خلل.... خلیل....!" حمید ہکلایا۔

"شٹ اَپ....!" فریدی جھنجھلا کر چیخا۔

مارٹن بے تحاشہ ہنسنے لگا.... حمید کا نچلا جبڑا ابھی تک متحرک تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کچھ کہنے کی کوشش کر رہا ہو.... فریدی نے غصہ سے گھور کر اُسے دیکھا اور حمید کے جبڑے کی حرکت اچانک بند ہو گئی۔ اس نے اپنے دانت بھینچ لئے تھے۔

"بیچارہ مسکلارنس.... بھو....!" مارٹن بولا۔

حمید قہر آلود نظروں سے اُسے گھورنے لگا....

"تو وہ میرا اسیٹ چرانا چاہتا تھا.... میں اس کا سر توڑ دوں گا۔" فریدی مٹھیاں بھینچ کر آہستہ سے بڑبڑایا۔

"بہتر یہ ہے کہ اس کی حفاظت کرو۔" بوڑھا مارٹن مسکرا کر بولا۔

"خیر دیکھا جائے گا۔" فریدی نے کہا اور سوچنے لگا۔

رومال کا راز

پھر بقیہ سفر میں کسی قسم کا کوئی خاص واقعہ پیش نہیں آیا۔ البتہ جہاز میں کشتی اور کولمبیا پروفیسر کی گمشدگی کی وجہ سے ہیجان ضرور رہا۔ حمید کو افسوس تھا کہ سر بنتھال اس طرح ہاتھ سے نکل گیا۔ لیکن فریدی کچھ اور ہی سوچ رہا تھا۔ اُسے تو دراصل اس رومال کا راز معلوم کرنے کی فکر تھی جس کی بدولت اتنے قتل ہوئے تھے اور یہ بھی اس کے ذہن نشین ہو چکا تھا کہ سر بنتھال اُس کے راز سے واقف ہے۔ لہٰذا اُسے اب اُس ہستی کی فکر تھی جس نے سر بنتھال کو حاصل کرنے کے لئے مقرر کیا تھا۔ سر بنتھال کی ڈائری سے یہ بات واضح ہو گئی تھی۔ وہ یہ کام اور کے لئے کر رہا تھا۔ اُس کے اچانک غائب ہو جانے سے فریدی پھر اندھیرے میں ہاتھ مارنے پر مجبور ہو گیا.... ابھی تک اس کی سمجھ میں یہ بات نہیں آئی تھی کہ آئندہ وہ کیا کرے۔ رومال اب بھی اس کے پاس تھا لیکن بیکار.... بھلا اُس رومال سے وہ کیا حاصل کر سکتا تھا....

معمولی سا رومال اور بس.... لیکن اُسے ایک امید تھی وہ یہ کہ مصر کا محکمہ سراغ رسانی اس مسئلے پر روشنی ضرور ڈال سکے گا۔

قاہرہ پہنچ کر وہ ایک ہوٹل میں ٹھہرے۔ فریدی محسوس کر رہا تھا کہ ان کا تعاقب کیا جا رہا ہے.... اب اس کی سمجھ میں آیا کہ سر بنتھال غائب کیوں ہو گیا تھا اور پھر اُسے اپنا یہ خیال بدل دینا پڑا کہ وہ اُن کے متعلق غلط فہمی میں مبتلا ہو گیا تھا۔ لیکن رومال کا مسئلہ ابھی تک الجھن کا باعث بنا ہوا تھا۔ اگر سر بنتھال کو اپنی غلطی کا علم ہو گیا ہے تو وہ ضرور حملہ کرنے کی کوشش کرے گا۔ ایسی صورت میں انہیں کافی محتاط رہنے کی ضرورت ہے اور وہ رومال.... اُس رومال کی حفاظت بھی ضروری تھی۔ فریدی اسے ہر وقت اپنے ساتھ ہی رکھتا تھا۔

ایک دن انہوں نے آرام کیا اور پھر دوسرے دن سے فریدی نے اپنی تفتیش کا سلسلہ شروع کر دیا۔ وہ ایک مصری کے بھیس میں ہوٹل سے تنہا نکل جاتا اور پھر کافی رات گئے واپس آتا۔ اس دوران میں حمید کمرے میں پڑے پڑے یا تو کتابیں پڑھتا یا پھر کارٹون بناتا رہتا۔

ایک رات جب فریدی واپس آیا تو چہرے سے ایک نئے قسم کا جوش ظاہر ہو رہا تھا۔ آنکھوں میں وہی پرانی چمک عود کر آئی تھی جو اکثر کسی ناقابلِ حل مسئلے کے آسان ہو جانے پر پیدا ہوا کرتی تھی۔ وہ آتے ہی پلنگ پر گر پڑا۔

"حمید....!" وہ آہستہ سے بولا۔ "دروازے اور کھڑکیاں بند کر کے اُن پر سیاہ پردے کھینچ دو۔"

"خیریت....!" حمید چونک کر بولا۔

"جلدی کرو۔"

حمید نے دروازے اور کھڑکیاں بند کر کے سیاہ پردے کھینچ دیئے۔

"بکس سے ہیٹر نکالو۔"

حمید نے تعمیل کی۔ فریدی نے ہیٹر کا پلگ سوئچ بورڈ میں لگا دیا۔

"کیا چائے بنائیے گا۔" حمید نے مسکرا کر کہا۔ "کیوں نہ میں ویٹر کو بلا کر نیچے سے چائے منگوا لوں۔"

"بکو مت....!" فریدی نے کہا۔ "قریب آؤ....!"

فریدی نے جیب سے حسینہ والا رومال نکالا اور اسے دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر ہیٹر سے

آدھے بالشت کی اونچائی پر تان دیا۔

اور حمید کے دیکھتے ہی دیکھتے رومال کی سفید سطح پر سیاہ رنگ کی لکیریں ابھرنے لگیں۔

"ارے یہ کیا....." حمید اچھل کر بولا۔

"چیخو نہیں.... آہستہ بولو۔" فریدی نے کہا۔

حمید سوالیہ نگاہوں سے فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔

"برخوردار یہ طریقہ اتفاقیہ دریافت ہو گیا۔"

"لیکن ہے کیا بلا۔"

"کوئی نقشہ.... کسی خاص جگہ کا۔" فریدی نے کہا۔

"میں ایسا نہیں سمجھتا۔" فریدی نے کہا۔ "پھر....!"

"ابھی کچھ نہیں کہہ سکتا۔" فریدی نے رومال پر ابھری ہوئی نئی لکیروں کی طرف [illegible] کہا۔ "یہ کتے کا سر دیکھ رہے ہو۔"

حمید جھک کر دیکھنے لگا.... ایک کتے کا سر جس کا منہ کھلا ہوا تھا۔ ایک کتا جو آسمان کی طرف سر اٹھائے بھونک رہا تھا۔ پھر اس کے نیچے ایک نقشہ تھا.... اور ایک جگہ "۹۷۵" ہندسے [illegible] ہوئے تھے۔ حمید نے پھر استفہامیہ نظروں سے فریدی کی طرف دیکھا۔ فریدی نے رومال [illegible] کر کے جیب میں رکھ لیا۔ ہیٹر ہٹا دیا گیا۔ "کچھ سمجھ میں آیا۔" فریدی نے پوچھا۔

"کچھ بھی نہیں۔" حمید نے کہا۔ "لیکن آپ کو یہ تدبیر کیسے سوجھ گئی۔"

"اتفاقاً یہ راز معلوم ہو گیا۔ آج شام کو تھک کر ایک پارک کے ویران گوشے میں [illegible] تھا۔ یہ رومال میرے زانوں پر پھیلا تھا.... اور ہاتھ میں سگار تھا.... شاید سگار کا جلتا ہوا [illegible] رومال کی سطح سے قریب تھا.... دفعتاً میری نظر رومال پر پڑی اور میں نے دیکھا کہ ایک [illegible] سیاہ لکیریں ابھر آئی ہیں۔ پہلے تو مجھے حیرت ہوئی لیکن پھر سارا معاملہ سمجھ میں آ گیا۔ میں [illegible] جگہ سگار کے جلتے ہوئے حصے سے اسی طرح لکیریں ابھاریں اور پھر رومال کو جیب میں [illegible] سیدھا ادھر ہی چلا آیا.... اور اب دوسرا تجربہ دیکھنا چاہتے ہو؟"

فریدی نے حمید کی طرف سوالیہ نگاہوں سے دیکھتے ہوئے رومال جیب سے نکالا اور حمید کے سامنے پھیلا دیا۔

"ارے وہ نقشہ کہاں گیا۔" حمید حیرت سے بولا۔

"غائب ہو گیا۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔ "جب تک رومال گرم رہتا ہے لکیریں دکھائی دیتی ہیں اور ٹھنڈا ہوتے ہی غائب ہو جاتی ہیں.... میرے خیال میں یہ علی فضیل ہی کی جدت معلوم ہوتی ہے۔"

"کیا مطلب....!"

"یہ نقشہ اسی نے تیار کیا تھا اور شائد اسی کی وجہ سے اس کی جان بھی گئی۔" فریدی نے کہا۔

"یعنی آپ کا یہ مطلب ہے کہ اس وقت جو لوگ رومال میں دلچسپی لے رہے ہیں وہی علی فضیل کے بھی قاتل ہیں۔" حمید نے کہا۔

"قطعی حالات یہی کہتے ہیں۔"

"کیسے حالات....!" حمید نے پوچھا۔

"چھوڑو بھی.... ابھی میں نے کھانا نہیں کھایا۔" فریدی نے کہا۔ "یہ سیاہ پردے اب ہٹا دو.... ہم لوگ اس وقت یہیں کمرے میں کھانا کھائیں گے۔" فریدی نے ٹیلی فون پر ہیڈ ویٹر کو کمرے ہی میں کھانا بھجوانے کا آرڈر دیا.... اور پھر ایک کرسی پر بیٹھ کر اونگھنے لگا۔

حمید کا اضطراب لحظہ بہ لحظہ بڑھتا جا رہا تھا۔ لیکن اُسے اچھی طرح معلوم تھا کہ فریدی کھانے سے پہلے ایک لفظ بھی نہ بتائے گا۔ یہ اس کے کردار کی ایک نمایاں خصوصیت تھی کہ جو زبان سے کہتا اسی پر اڑ جاتا۔

کھانے کے دوران میں فریدی بالکل خاموش رہا۔ حمید نے کئی بار گفتگو چھیڑنے کی کوشش کی لیکن فریدی صاف ٹال گیا۔ وہ سوچ رہا تھا۔ آخر حمید نے بھی طے کر لیا کہ اب وہ اس کے متعلق ایک لفظ بھی نہ پوچھے گا۔

کھانا کھا چکنے کے بعد فریدی نے سگار سلگایا اور کمرے میں ٹہلنے لگا۔ حمید سونے کی تیاری کرنے لگا۔ فریدی نے پلٹ کر دیکھا۔ حمید شب خوابی کا لباس پہن رہا تھا۔ فریدی کے ہونٹوں پر شرارت آمیز مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

"اور کیا یہ تعجب خیز بات نہیں کہ علی فضیل کتے کے سر کے قریب قتل کر دیا گیا۔" فریدی آہستہ سے بڑبڑایا۔

"کیا....؟" حمید بے ساختہ بولا۔ "کتے کے سر کے قریب۔" لیکن پھر اُسے اپنی غل
احساس ہوا.... لیکن اب کیا ہو سکتا تھا۔ فریدی نے اسے دوبارہ دلچسپی لینے پر مجبور کر دیا تھا۔
"ہاں.... میں نے علی فضیل کے قتل کے متعلق ساری تفصیلات معلوم کر لی ہیں۔
ایک ایسے علاقہ میں قتل کیا گیا تھا جو بدروحوں کا مسکن بتایا جاتا ہے۔ وہ یہاں سے اٹھارہ م
دوری پر سمندر کے کنارے کا علاقہ ہے اور اس علاقے کا نام ہے 'کلب الشیاطین' یعنی شیطا
کتا۔" حمید بولا۔ "اسی بناء پر آپ یہ کہہ رہے ہیں کہ وہ کتے کے سر کے قریب قتل کیا گیا تھا۔
"نہیں.... یہ بات نہیں۔ وہاں سچ مچ ایک کتے کا سر موجود ہے۔" فریدی نے کہا۔
"کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی۔" حمید بُرا سا منہ بنا کر بولا۔
"بہت اچھے۔" فریدی ہنس کر بولا۔ "بخدا تمہاری موجودگی میں مجھے اس کا احساس تک
ہوتا کہ میں غیر شادی شدہ ہوں.... آخر تمہاری ادائیں اتنی بیویانہ کیوں ہیں۔"
"چھوڑیئے بھی۔" حمید اکتا کر بولا۔ "میں مذاق کے موڈ میں نہیں ہوں۔"
"خیر.... خیر.... تو میں کیا کہہ رہا تھا.... ہاں.... وہ کتے کا سر....!"
"نہیں تمہارا سر....!" پیچھے سے آواز آئی.... فریدی چونک کر پلٹا۔ درواز
سربتھال اپنی اصلی شکل میں کھڑا مسکرا رہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں دبے ہوئے پستول کا رخ ف
اور حمید کی طرف تھا۔
"حسینہ والا رومال نکالو۔" اس نے آہستہ سے کہا۔ فریدی خاموش رہا۔
"میں نہیں چاہتا کہ ہوٹل میں پستول کا دھاکہ گونجے۔" سربتھال نے آگے بڑھتے
آہستہ سے کہا۔ "اگر تم نے اسی پر مجبور کیا تو۔"
"آؤ بیٹھو!" فریدی مسکرا کر بولا۔ "اتنی بھی کیا عجلت.... تمہارے لئے وہسکی منگاؤں یا ب
"بکو مت.... جلدی کرو۔"
"مگر تم مر گئے تھے۔" حمید نے کہا۔
"تمہاری ہی وجہ سے مرنا بھی پڑا تھا.... لیکن شائد اب کی تمہاری ہی باری۔
سربتھال نے کہا۔ "رومال نکالو۔"
"تو واقعی اس وقت تمہارا موڈ بہت خراب ہے۔" فریدی نے کہا۔

"کیا جبار سے ملنے کا ارادہ نہیں۔"
"جلدی کرو۔ ایسا نہ ہو کہ تمہیں بھی اسی کے پاس پہنچا دیا جائے۔" سربتھال دانت پیس کر بولا۔
فریدی نے جیب سے رومال نکال کر اس کے سامنے ڈال دیا.... سربتھال رومال اٹھانے کے
لئے جھکا ہی تھا کہ فریدی اس پر ٹوٹ پڑا۔ پستول اچھل کر دور جا گرا.... حمید نے بڑھ کر پستول
اٹھالیا.... لیکن وہ ابھی سنبھلنے بھی نہ پایا تھا کہ اس پر نہ جانے کدھر سے دو آدمی ٹوٹ پڑے....
پھر اُسے ایسا محسوس ہوا جیسے کمرے میں آہستہ آہستہ تاریکی پھیل رہی ہو.... اور پھر ایک
گھٹا ٹوپ اندھیرا۔ حمید نہ جانے کب تک بیہوش رہا.... اور پھر جب اسے ہوش آیا تو اس نے دیکھا
کہ قریب ہی فریدی ریشم کی ڈوری سے جکڑا پڑا ہے۔
"حمید تمہیں ہوش تو آیا۔" فریدی مسکرا کر بولا۔
"ہم کہاں ہیں۔" حمید گھبرا کر بولا۔
"جہاں تھے۔" فریدی نے کہا۔ "گھبراؤ نہیں سب خیریت ہے.... بس ذرا اٹھ کر مجھے کھول
دو.... سربتھال کے ہاتھوں یہ تیسری چوٹ ہے۔ اس کے ساتھ پانچ آدمی اور تھے.... خیر دیکھا
جائے گا۔"
حمید نے اٹھ کر اُسے رسیوں کے پیچ و خم سے آزاد کیا۔
"رومال....؟" حمید نے پوچھا۔
"وہ لوگ لے گئے۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا۔
"پھر اب کیا ہو گا۔"
"کچھ نہیں۔" فریدی نے کہا۔ "وہ اس نقشے کو میرے ذہن سے نہیں مٹا سکتے۔"
"مگر یہ ذلت....!"
"اوہ...." فریدی مسکرا کر بولا۔ "مارنے والے کبھی پٹ بھی جاتے ہیں.... کون جانے کل
ہم اسے صاف ہی کر دیں۔ خیر ہاں تو میں تمہیں کتے کے سر کے متعلق بتا رہا تھا.... ساحل سے
تقریباً تین فرلانگ کے فاصلے پر سمندر میں کچھ چٹانیں ابھری ہوئی ہیں۔ اُن میں سے ایک بالکل
کتے کے سر سے مشابہ ہے ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کوئی دیو پیکر کتا سمندر کی سطح پر آسمان کی طرف
منہ اٹھائے بھونک رہا ہو.... اسی لئے وہ ساحلی علاقہ کلب الشیاطین کے نام سے مشہور ہے۔ قدیم

زمانے سے یہ روایت چلی آ رہی ہے کہ وہ چٹانیں خبیث روحوں کا مسکن ہے.... یہ اطلاع
یہاں کے محکمہ سراغ رسانی سے ملی ہیں.... ہاں تو اس علاقے میں ماہی گیروں کا ایک گا
ہے.... وہاں کے باشندے آئے دن طرح طرح کی افواہیں اڑاتے رہتے ہیں۔ ان کا کہ
اکثر اس پتھریلے کتے کے منہ سے بھوت نکل کر ساحل پر ٹہلا کرتے ہیں.... کبھی کبھی
کے منہ سے گرم ہوا کے جھونکے نکلتے ہیں، جو اکثر اتنے تیز ہوتے ہیں کہ ان کی زد میں آ
کوئی چیز بھی سوکھے پتے کی طرح اڑتی چلی جاتی ہے.... یہ بھی سنا جاتا ہے کہ پچھلے سال ا
کے منہ سے اتنی شدید آندھی چلی تھی کہ پورا گاؤں تباہ ہو گیا تھا۔ اکثر لوگ اب بھی اسے
کی آندھی کے نام سے یاد کرتے ہیں.... علی فضیل کا قتل اسی علاقہ میں ہوا تھا اور یہ حقیق
کہ کسی نے اس کی دونوں ٹانگیں پکڑ کر چیر ڈالی تھیں.... اور یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ
دوران میں دوسری جنگ عظیم کے کچھ شکست خوردہ جرمنوں کی تلاش میں تھا....“

”واقعی اس بار بڑے عجیب و غریب واقعات پیش آ رہے ہیں۔“

”نہیں.... یہ محض اطلاعات ہیں۔“ فریدی نے کہا۔ ”لیکن کل ہم اُدھر چلیں گے۔
خیال ہے کہ یہ میرا شاہکار کیس ہو گا۔“ فریدی خود اعتمادی کے ساتھ بولا۔

”اچھا یہاں کے محکمہ سراغ رسانی والوں کا اس کے بارے میں کیا خیال ہے۔“

”کچھ نہیں وہ اُسے محض ضعیف الاعتقادی قرار دیتے ہیں.... پچھلے سال والی آندھ
متعلق ان کا خیال ہے کہ وہ سائیکلون تھا.... اور اس قسم کے چھوٹے موٹے واقعات کو بھ
قسم کے سائیکلون ہی سے تعبیر کرتے ہیں۔“

”اور علی فضیل کی موت....؟“ حمید نے پوچھا۔

”اس کے متعلق ان کا خیال ہے کہ وہ کسی درندے کا شکار ہو گیا۔“

”میرا خیال ہے کہ ہاتھی کے علاوہ کوئی جانور اس طرح ٹانگیں نہیں چیر سکتا۔“ حمید۔

”تو پھر وہاں ہاتھی کے پیروں کے نشانات ضرور پائے گئے ہوں گے۔“

فریدی ہنسنے لگا۔

”نہیں ہاتھی کے پیروں کے نشانات نہیں پائے گئے۔“ فریدی نے کہا۔

”پھر اس کے پاس اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ وہ کسی درندے کی حرکت تھی۔“

”کوئی ثبوت نہیں۔“

”پھر....!“

”ارے بھئی اس کے علاوہ وہ اور کہہ بھی کیا سکتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ کسی انسان سے اس کی
توقع نہیں کی جا سکتی۔“

”عجیب و غریب محکمہ ہے۔“ حمید نے کہا۔

”علی فضیل یہاں کا بہترین دماغ تھا۔“ فریدی نے کہا۔

”لیکن آخر سر بنتھال اس میں کیوں دلچسپی لے رہا ہے۔“ حمید نے کہا۔

”یہی تو دیکھنا ہے۔“ فریدی بولا۔ ”ہمیں یہ نہ بھولنا چاہئے کہ سر بنتھال بھی آدھا جرمن ہے
اور علی فضیل کچھ بھاگے ہوئے جرمنوں کا پتہ لگا رہا تھا۔“

”بہر حال یہاں تک تو کچھ کڑیاں ملتی ہیں۔ لیکن انہیں ملانا پڑے گا۔ اس ایک رومال کے لئے
اتنے قتل ہو گئے.... آخر.... کیوں....؟ اس رومال میں کلب الشیاطین کا پوشیدہ نقشہ ہونا کیا
معنی رکھتا ہے۔“

فریدی کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ حمید بھی خاموش ہو گیا۔

”کیوں نہ ہم اس وقت کے حادثے کی اطلاع ہوٹل کے منیجر کو دے دیں۔“ حمید نے کہا۔

”ایسی حرکت بھی نہ کرنا.... نہیں تو بڑی پریشانی میں مبتلا ہو جائیں گے اور جس کام کے
لئے آئے ہیں وہ دھرا ہی رہ جائے گا۔“

”کیوں....!“

”ارے میاں.... اتنی معمولی سی بات نہیں سمجھتے۔ اس کی اطلاع پولیس میں ہو گی اور پھر
اس کا جو انجام ہو گا اسے بتانے کی ضرورت نہیں.... خواہ مخواہ لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔“

”بہر حال ہمیں اپنی حفاظت کے لئے کچھ نہ کچھ کرنا ہی پڑے گا۔“ حمید نے کہا۔

”اس کا صرف ایک ہی طریقہ ہے کہ ہم جہاں بھی رہیں ہوشیار رہیں۔“ فریدی بولا۔

”ہم کہیں بھی محفوظ نہیں ہیں۔“ حمید نے کہا۔ ”سر بنتھال ہمیں نہایت آسانی سے قتل
کر سکتا ہے۔“

”لیکن یہ نہ بھولو کہ وہ خود بھی اب معاملات کو طول نہیں دینا چاہتا۔ ورنہ اسی وقت وہ ہمیں

ٹھکانے لگادیتا۔"

"میرا خیال ہے کہ اس وقت اس نے ہنگامے کے خیال سے ایسا نہیں کیا۔ ممکن ہے کہ
کی آواز سے لوگ اکٹھا ہو جاتے اور انہیں یہاں سے نکل جانے میں دشواری ہوتی۔" حمید۔

"ہم قطعی اس کے قابو میں تھے۔" فریدی نے کہا۔ "اگر وہ چاہتا تو ہمارا اگلا گھونٹ کر
آسانی سے ہمیں ٹھنڈا کر دیتا اور کسی کو کانوں کان خبر بھی نہ ہوتی۔"

کلب الشیاطین

دوسرے دن فریدی اور حمید مختصر سامان کے ساتھ کلب الشیاطین کے علاقے کی
روانہ ہوگئے.... وہ دونوں مصر کے شہری باشندوں کے بھیس میں تھے۔ حمید کو پھر گونگا بن
کیونکہ وہ مصری زبان سے قطعی نابلد تھا۔ خود فریدی کو بھی یہاں کی زبان بولنے میں تھوڑی
دقت ضرور ہوتی تھی۔ اس کی سب سے بڑی وجہ الفاظ کا تلفظ تھا۔ یہاں کی زبان عربی ضرو
لیکن فرانس اور اطالیہ کے قرب نے اُسے خاص عربی نہیں رہنے دیا تھا.... اور الفاظ کے تل
بھی اطالوی اور فرانسیسی نے گہرا اثر ڈالا تھا۔ لہٰذا یہاں فریدی کو ہکلا بننا پڑا۔

ساحل سے دو میل ادھر ہی کلباش کا قصبہ تھا۔ غالباً کبھی اس کا نام کلب الشیاطین ہی رہا
لیکن بعد کی نسلوں نے ازراہِ دانش مندی اس کے مخفف ہی پر قناعت کی اور اسے کلباش
لگے.... فریدی اور حمید ایک سرائے میں اترے.... سرائے کے مالک نے اس کا نام پوچھا
ہکلانے لگا۔ آخر سرائے کے مالک نے اس کی طرف کاغذ اور پنسل بڑھا دیا۔ فریدی نے اپن
"جمیل" لکھا اور حمید کا "سہیل"۔ "گمیل و سہیل" سرائے کا مالک سر ہلا کر بولا۔

انہیں ایک کوٹھری مل گئی۔

"دیکھا تم نے مشرق اور مغرب کے ناجائز تعلق کا نتیجہ....!" فریدی نے حمید سے کہا
لوگ جمیل کو گمیل بولنے لگے ہیں۔"

"میرا خیال ہے کہ جنت کو گنت اور جہنم کو گہنم کہتے ہوں گے۔" حمید ہنس کر بولا۔

"کیوں نہ ہم لوگ ایک نظر اُس چٹان کو دیکھ آئیں۔" فریدی نے کہا۔ "اور کام تو رات

دع کریں گے۔"

"کام سے کیا مطلب ہے آپ کا۔" حمید نے چونک کر پوچھا۔

"اس چٹان کے اندر جانے کا راستہ تلاش کرنا۔" فریدی نے کہا۔ "وہ نقشہ اُسی سے متعلق تھا۔"

اور پھر دونوں ساحل کی طرف روانہ ہوگئے۔ آفتاب آہستہ آہستہ ان کے سروں پر آرہا تھا۔
ندر کے پانی کی بساند فضا میں پھیلی ہوئی تھی۔ یہ علاقہ سرسبز و شاداب تھا.... ریت کے تودوں
ے درمیان بے شمار چھوٹی چھوٹی ہری بھری جھاڑیاں تھیں اور ان کا سلسلہ ڈھلوان زمین تک
ہاں سمندر کی لہریں ٹکراتی تھیں چلا گیا تھا.... دور سمندر میں ابھری ہوئی چٹانوں کے کئی سلسلے
ے.... اور پھر انہیں کلب الشیاطین نظر آگیا.... قدرت کی نقاشی کا یہ نمونہ بالکل کسی آدمی کا
رنامہ معلوم ہوتا تھا۔ یہاں کے باشندوں کا خیال تھا کہ وہ قدرتی ہے۔ وہ کتے کا عظیم الشان سر
ی آدمی کی کاریگری نہیں بلکہ دستِ قدرت کا کرشمہ ہے۔ "میں یہ نہیں مان سکتا کہ یہ قدرتی
ہے۔" حمید نے کہا۔

"ہو یا نہ ہو ہمیں اس سے غرض نہیں۔ اس سوال کو کسی ماہر آثار قدیمہ کے لئے چھوڑ دو۔"
ریدی نے کہا۔ "ہو سکتا ہے کہ یہ بھی ابوالہول ہی کی طرح کسی آدمی کا کارنامہ ہو.... ممکن ہے
ب سے ہزار سال قبل یہاں سمندر نہ رہا ہو.... لیکن ہمیں اس سے غرض نہیں.... ہمیں تو یہ
یکھنا ہے کہ اس کے اندر ہے کیا۔"

حمید خاموش ہوگیا۔ وہ غور سے چٹان کی طرف دیکھ رہا تھا۔ چند لمحوں کے بعد اُسے ایسا
محسوس ہونے لگا جیسے وہ پتھریلا اور دیو پیکر کتا منہ پھاڑے ہوئے ان کی طرف آرہا ہے۔ حمید گھبرا
کر پیچھے ہٹ گیا۔

"ارے.... وہ ادھر آرہا ہے....!"

فریدی نے قہقہہ لگایا۔ "احمق ہو.... چاروں طرف پھیلا ہوا سمندر دیکھ کر تمہیں چکر
آگیا ہے۔"

دفعتاً گرم ہوا کا ایک شدید جھونکا ان کے جسم سے ٹکرایا اور وہ لڑکھڑا کر پیچھے ہٹ گئے۔

"خدایا یہ اس کے منہ سے نکلا ہے۔" حمید چیخا۔

"ہاں.... میں نے بھی محسوس کیا ہے.... لیکن یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔ ممکن ہے اس

چٹان میں چونے کی کان ہو اور سمندر کا پانی وقتاً فوقتاً اس کے اندر جا کر اُسے کھولا دیتا ہو۔"

"اور آپ اس کھولتی ہوئی چٹان کے اندر مجھے بھی اپنے ساتھ لے جائیں گے۔" حمید نے

"خیر مرنا تو ہم دونوں کو ساتھ ہی ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "میں کبھی کوئی کام
چھوڑنے کا عادی نہیں۔"

حمید نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ جانتا تھا کہ فریدی کو اُس کے ارادے سے باز رکھنا ناممکن

"میرا خیال ہے کہ یہ ماہی گیروں کی کشتیاں ہیں۔" فریدی کچھ دور ریت پر اوندھی پڑی
چند کشتیوں کی طرف اشارہ کر کے بولا۔ "آج رات ان میں سے ایک ہماری مدد کرے گی۔"

پھر وہ لوگ وہاں سے لوٹ آئے۔ آنے سے قبل فریدی کچھ دیر کنارے پر کھڑا چٹانوں
سلسلے تک پہنچنے کے امکانات پر غور کرتا رہا۔ سرائے واپس آکر کھانے کے بعد وہ
انتظامات میں مشغول ہو گیا۔

سورج آہستہ آہستہ مغرب کی طرف جھک رہا تھا۔ سرائے کے باورچی خانے سے
کے تیل میں تلی جانے والی مچھلی کی خوشگوار اور اشتہا انگیز خوشبو اٹھ کر فضا میں منتشر ہو رہی
صحن میں دو چار میلے کچیلے بچے اچھل اچھل کر کوئی دیہاتی گیت گا رہے تھے۔ ان کے قریب
خارش زدہ کتا پڑا اونگھ رہا تھا۔ سرائے کا مالک ایک چوکی پر برآمدے کے ستون سے ٹیک
آنکھیں بند کئے بیٹھا تھا۔ کبھی کبھی وہ ایک آنکھ کھول کر شور مچاتے ہوئے بچوں کی طرف
سے دیکھتا اور پھر اونگھنے لگتا۔ اس کی بیوی جو اُس کے مقابلے میں کافی کمسن تھی اور بار بار
خانے کی کھڑکی میں آکر انگلیوں سے اپنے بالوں میں کنگھی کرتی اور کبھی کبھی شور مچاتے
بچوں میں سے کسی ایک کا نام لے کر پکارتی اور اُسے گھونسا دکھاتی ہوئی پھر لوٹ جاتی۔ حمید کا
اس میں دلکشی ڈھونڈنے کی کوشش کر رہا تھا۔ مگر محض اس لئے اس سے نفرت کرنے پر مجبور
کہ وہ اس کی زبان نہیں سمجھ رہا تھا.... ایک بار اُس نے طوعاً و کرہاً اُسے آنکھ بھی ماری لیکن
کوئی رد عمل نہ دیکھ کر اُسے اس سے اور زیادہ نفرت ہو گئی۔ نہ وہ مسکرائی نہ شرمائی اور نہ غصے
اظہار کیا.... گویا حمید نے اُسے آنکھ مارنے کے بجائے اپنی ناک کھجلائی تھی۔ آخر وہ اکتا کر
کھڑکی سے ہٹ گیا....

"آخر مایوسی کا منہ دیکھنا پڑا نا...!" فریدی مسکرا کر بولا۔

"کیسی مایوسی....!" حمید نے انجان بن کر پوچھا۔

"یہ آئینہ دیکھ رہے ہو۔" فریدی نے دیوار پر لٹکے ہوئے آئینے کی طرف اشارہ کر کے کہا۔
تمہارا چہرہ اس میں صاف دکھائی دے رہا تھا۔"

"اوہ تو آپ بھی اُسی کے چکر میں تھے۔" حمید ہنس کر بولا۔ "اسی لئے میں نے ہاتھ پیر
ہٹ لئے۔"

"میرے بچے میں یہاں عیاشی کے لئے نہیں آیا۔" فریدی نے کہا اور سیاہ رنگ کی ریشمی
رسی تہہ کر کے ایک طرف ڈال دی۔

حمید جھلا کر ایک طرف بیٹھ گیا.... وہ سوچ رہا تھا کہ زندگی میں ایک بار سمندر پار آنے کا
موقع ملا ہے تو پابندیوں کے ساتھ.... یہ بھی کوئی زندگی ہے۔

آٹھ بجے رات تک فریدی بالکل تیار ہو گیا۔ کھانا ختم کر چکنے کے بعد وہ ضروری سامان لے
سرائے سے روانہ ہو گئے۔ فریدی نے سرائے والے کو اتنی رقم پیشگی دے دی تھی کہ اُسے اس
کی بات پر کوئی اعتراض نہیں ہوتا تھا۔ اُس نے فریدی کو اطمینان دلایا تھا کہ وہ رات کو جس
وقت بھی آئے گا سرائے کا پھاٹک کھول دیا جائے گا۔

رات تاریک تھی۔ خلاف توقع مطلع ابر آلود ہو جانے کی وجہ سے ستاروں کی روشنی بھی
نہ تھی۔ کچھ دور چل کر انہوں نے احتیاطاً سیاہ رنگ کی چادریں اوڑھ لیں۔

"۹۷۵ کا مسئلہ کسی طرح حل نہیں ہوتا۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔

"میں نہیں سمجھا۔" حمید نے کہا۔

"کیا تمہیں یاد نہیں کہ یہ عدد رومال والے نقشے میں تھا۔" فریدی نے کہا۔

"تو کیا بقیہ نقشہ آپ کی سمجھ میں آ گیا ہے۔" حمید نے کہا۔

"قریب قریب....!"

دونوں خاموش ہو گئے۔ وہ گھنی جھاڑیوں سے بچتے تیز تیز قدم اٹھاتے ساحل کی طرف
جا رہے تھے۔ حمید بالکل خالی الذہن تھا۔ بس وہ چل رہا تھا۔ اسے کیا کرنا ہو گا اس سے قطعی بے خبر
تھا۔ خود فریدی کی بھی یہی حالت تھی۔ اس کے ذہن میں صرف ایک چیز تھی وہ یہ کہ انہیں ایک
کشتی حاصل کر کے چٹانوں کے سلسلے تک پہنچنا ہے۔

اس وقت کتے کا سر تاریکی میں اور زیادہ خوفناک معلوم ہو رہا تھا۔ حمید کے جسم کے
کھڑے ہوگئے۔ اس چٹان کے گرد و پیش کی فضا پُراسرار اور ڈراؤنی تھی۔ چاروں طرف
سناٹا تھا۔ کبھی کبھی کسی آبی جانور کی آواز سکوت کو چیرتی دور تک لہراتی چلی جاتی۔ فریدی
کے جسم کی کپکپاہٹ محسوس کرلی۔

"کیوں کیا بات ہے۔" اس نے آہستہ سے کہا۔

"کک کچھ نہیں.... میں سوچ.... رہا تھا۔" حمید ہکلایا۔

لیکن پھر سوچنے لگا کہ کیا کہے دفعتاً اُسے سر بنتھال یاد آگیا اور وہ بولا۔ "ایک بات
نہیں آتی کہ سر بنتھال نے خود کو ظاہر کیوں کر دیا۔ وہ فضیل کی شکل میں بھی ہوٹل میں آیا

"محض ہمیں ڈرانے کے لئے، وہ سمجھا تھا کہ ہم اُسے بھوت سمجھ کر غش کھا جائیں
فریدی نے کہا۔ "لیکن تم نے یہ بات خواہ مخواہ چھیڑی ہے.... کیوں کیا ڈر لگ رہا ہے۔"

"ڈر.... لاحول ولا قوۃ....!" حمید اکڑ کر بولا۔ "لیکن دوسرے ہی لمحے میں اس
سے چیخ نکل گئی۔ فریدی بھی چونک کر پیچھے ہٹا۔ سامنے پتھریلے کتے کے پھیلے ہوئے جبڑ
ہرے رنگ کی روشنی نکل رہی تھی۔ کچھ دھواں بھی تھا۔ پھر زناٹے کی آواز آئی اور کوئی چیز
طویل و عریض تھی کتے کے منہ سے نکل کر فضا میں تیرتی ہوئی ساحل کی طرف آتی دکھائی

"بھاگو....!" فریدی نے آہستہ سے کہا۔ "دونوں نے پوری قوت سے دوڑنا شروع
پھر انہیں ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی ان کے پیچھے دوڑ رہا ہو۔ فریدی نے پلٹ کر دیکھا۔ ایک
آدمی جس کی اونچائی دس گیارہ فٹ سے کم نہ رہی ہوگی۔ ان کی طرف بڑھتا چلا آرہا تھا۔
نے ریوالور نکال کر فائر کیا۔ گولی اُس کے جسم سے ٹکرائی اور ایسا چھناکا پیدا ہوا جیسے ٹھوس
پتھر گرا ہو.... وہ اب بھی لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا اس کا تعاقب کر رہا تھا۔

"حمید جھاڑیوں میں....!" فریدی نے کہا.... اور وہ جھاڑیوں میں گھس گئے۔

"چادر اوڑھ لو جلدی کرو.... لیٹ جاؤ.... چادر تان لو.... وہ آگیا۔" دونوں نے
سیاہ چادریں تان لیں.... آسمان کھل گیا تھا.... ستاروں کی چھاؤں میں فریدی نے
غیر معمولی اونچائی والا آدمی ان کے قریب ساکت و سامت کھڑا تھا۔ فریدی نے چادر
نکالنے کی بھی ہمت نہ کی۔ وہ اپنی گولی کا انجام دیکھ چکا تھا۔ کئی منٹ گذر گئے۔ وہ اُسی جگہ

حرکت کھڑا تھا۔ کیا وہ کوئی آدمی تھا؟ فریدی کے ذہن میں سوال پیدا ہوا؟ لیکن کوئی آدمی نہ تو اتنا
لمبا ہوسکتا ہے اور نہ فضا میں اڑ سکتا ہے.... پھر.... کیا وہ کوئی مافوق الفطرت ہستی تھی....؟
نہیں یہ بھی غلط ہے....؟ اگر ایسا ہوتا تو وہ اس طرح خاموش کیوں کھڑا رہتا۔ کیا ایک سیاہ چادر
اور رات کی تاریکی انہیں اس کی نظروں سے چھپا سکتی ہے؟ پھر.... آخر وہ کیا تھا....؟ آدمیوں
کی طرح اس کی دو ٹانگیں تھیں۔ جن سے وہ ان کے پیچھے دوڑا تھا.... دو ہاتھ تھے اور شانوں پر
سر.... فریدی نے چادر سے سر نکالا اور اس عجیب الخلقت آدمی نے ایک قدم بڑھایا.... فریدی
نے جلدی سے منہ اوڑھ لیا.... اس کا وہ پیر اٹھا ہی رہ گیا۔ اب وہ ایک پیر اٹھائے بے حس و
حرکت کھڑا تھا.... فریدی نے آہستہ سے سیٹی بجائی.... لیکن اس کا بھی اس پر کوئی اثر نہ ہوا۔ وہ
اسی حالت میں کھڑا رہا۔

"دیکھو....! خبردار! تمہارے جسم کا کوئی حصہ چادر کے باہر نہ نکلنے پائے۔" فریدی نے کہا۔

حمید کی گھگھی بندھ گئی۔ اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ لیکن وہ سب کچھ سن رہا تھا۔ اس نے چادر
کے کونے چاروں طرف سے اپنے جسم کے نیچے دبا لئے.... دفعتاً ہوا کا ایک زوردار جھونکا آیا....

"ہوشیار رہنا.... چادر اڑنے نہ پائے۔" فریدی نے پھر کہا "ورنہ ہمارا بھی وہی حشر ہوگا جو
علی فضیل کا ہوا تھا۔"

ہوا کے جھکڑ لحہ بہ لحہ تیز ہوتے جا رہے تھے۔ فریدی برابر کہے جا رہا تھا۔ "چادر کو مضبوطی
سے دبائے رکھو۔"

"وہ لمبا تڑنگا آدمی اپنی ایک ٹانگ اٹھائے ہوئے اب تک اسی طرح کھڑا تھا.... تھوڑی دیر
بعد ہوا کے جھونکے ختم ہوگئے۔ اس نے جست لگائی اور فضا میں تیرتا ہوا سمندر کی طرف واپس
چلا گیا۔

"چپ چاپ لیٹے رہو۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔ "چادر ہٹنے نہ پائے۔"

اور پھر کچھ دیر بعد قریب کے ٹیلوں کے درمیان ٹارچ کی روشنی نظر آئی اور ایک چہرا
ابھرا.... یہ سر بنتھال تھا۔ وہ ٹیلے کی اوٹ سے سر نکالے ٹارچ کی روشنی ادھر اُدھر ڈال رہا تھا۔

"یہ اب زندہ نہ چھوڑے گا.... کاش میرا نشانہ خطا نہ کرے۔" فریدی نے آہستہ سے کہا اور
ریوالور نکال کر فائر کر دیا.... گولی ٹھیک نشانہ پر لگی اور سر بنتھال چیخ مار کر الٹ گیا۔

"اب نکل چلو....!" فریدی نے اٹھتے ہوئے کہا.... دونوں پوری قوت سے قصبے کی ط
بھاگ رہے تھے.... ایک جگہ حمید نے ٹھوکر کھائی اور گر پڑا.... فریدی نے رک کر
اٹھایا.... لیکن شاید حمید کے پیر کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی۔ فریدی نے اسے کاندھے پر لادا او
دوڑنا شروع کردیا.... قصبے میں داخل ہوتے ہوتے اچانک آندھی آگئی.... آندھی
قیامت.... جھونپڑوں کی چھتیں اڑنے لگیں.... کمزور دیواریں گرنے لگیں.... ہر طرف
قیامت برپا تھا۔ کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔ کئی جگہ آگ لگ گئی.... نہ جانے کتنے ہی
گرتی ہوئی دیواروں کے نیچے دبے چیخ رہے تھے۔ آندھی تھی کہ لحہ بہ لحہ تیز ہوتی جارہی
فریدی کو ایسا محسوس ہوا جیسے وہ بھی اب اپنا توازن قائم نہ رکھ سکے گا.... وہ قصبے سے نکل کر
جنگل کی طرف بھاگا.... کئی درخت جڑ سے اکھڑ گئے تھے.... اس نے اس طرف آکر غلط
تھی۔ وہاں سے وہ اس لئے بھاگا تھا کہ کہیں مکان کی دیوار نہ آرہے۔ لیکن یہاں درختوں کے
دب کر مرجانے کا خطرہ تھا.... پھر بھی شائد قدرت اس پر مہربان تھی۔ جیسے ہی اس نے
دیکھنے کے لئے ٹارچ جلائی اسے ایک غار دکھائی دے گیا۔ دوسرے لمحے میں وہ حمید سمیت غار
اندر تھا۔ حمید تکلیف کی وجہ سے بیہوش ہوگیا تھا.... فریدی نے اسے ایک طرف لٹادیا۔
ہورہا تھا آندھی آہستہ آہستہ کم ہوتی جارہی تھی۔ فریدی پھر لوٹ کر حمید کے قریب آیا....
جھک کر اُس کی ٹانگیں دیکھنے لگا.... یہ دیکھ کر اُسے اطمینان ہوا کہ ہڈی ٹوٹی نہیں بلکہ پیر میں
آگئی ہے۔ اس کے داہنے پنجے میں خاصا ورم تھا.... خود اس نے اس کا جوتا اتارا اور تھوڑی
مالش کرنے کے بعد پیر میں رومال باندھ دیا۔ حمید ابھی تک بیہوش تھا.... فریدی پھر غار
دہانے کے قریب آیا۔ آندھی تھم گئی تھی۔ لیکن قصبے کا شور بدستور قائم تھا۔

خطرناک تجربہ

دوسرے دن دوپہر کو قصبے میں سرکاری مدد پہنچ گئی اور فریدی حمید کو لے کر پھر شہر وا
آگیا۔ اخبارات میں کلباش کی اس ٹریجڈی کی خبر شائع ہوئی تھی۔ بیس آدمی ہلاک اور
زخمی.... اٹھارہ پختہ مکان منہدم ہوگئے تھے اور جھونپڑا تو ایک بھی نہ بچ سکا تھا۔ اس بار

وسمیات کے ماہرین نے اُسے سائیکلون ہی قرار دیا۔ البتہ قصبے کے لوگ اسے کلب الشیاطین کی
ہی سے تعبیر کررہے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ اس میں بسنے والی خبیث روحیں وہاں قصبے کی
جائے ویرانہ چاہتی ہیں۔

حمید کا پیر مختصر سی طبی امداد سے ٹھیک ہوگیا تھا۔ لیکن ابھی وہ درد کی وجہ سے نقل و حرکت
ے محروم تھا۔ اس رات کی خوفناک یاد اب تک بھی اس کے ذہن پر مسلط تھی۔ وہ زیادہ تر
اموش رہنے لگا تھا۔ اس کے برخلاف فریدی کی حالت میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی تھی۔ وہ
لے ہی کی طرح سوچتا، ہنستا، مسکراتا اور بات بات پر حمید کا مضحکہ اڑاتا رہتا تھا۔ لیکن اس دوران
ں وہ کوئی کام کرتا رہتا تھا۔ حمید اسے اس کی حماقت اور خلل دماغی پر محمول کرنے کے علاوہ کوئی
ر معنی نہیں پہنا سکا۔ فریدی نے کپڑے کے دو قدِ آدم مجسمے تیار کئے تھے۔ ایک پر اس نے سیاہ
شمی چادر کا غلاف چڑھادیا اور دوسرے کو یونہی رہنے دیا۔ لیکن وہ بھی تھا تو کالا لیکن سوتی کپڑے
.... آخر ایک دن حمید پوچھ ہی بیٹھا۔

"آخر یہ آپ کیا کررہے ہیں؟ کیا آپ پر بھی کسی خبیث روح کا سایہ ہوگیا ہے۔"

"نہیں میں ان خبیث روحوں کو گرفتار کرنے کی تدبیر کررہا ہوں۔" فریدی نے کہا۔

"تو گویا اب بھی آپ ان کے وجود سے منکر ہیں۔"

"اگر سربتھال کی لاش غائب نہ ہوگئی ہوتی تو میں ضرور قائل ہوجاتا۔"

"بھلا اس میں کون سا نکتہ ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"یہی کہ بھوتوں نے اس کی لاش غائب کیوں کردی اور وہ وہاں اس وقت کیا کررہا تھا۔"

"ممکن ہے کہ وہ بھی ہماری ہی طرح اس کا راز جاننے کی کوشش کررہا ہو۔" حمید نے کہا۔

"اگر ایسا ہے تو اس لمبے تڑنگے بھوت نے اس کا تعاقب کیوں نہیں کیا۔"

حمید خاموش ہوگیا۔ وہ جانتا تھا کہ فریدی کردار کا غازی ہونے کے ساتھ ہی ساتھ گفتار کا
بھی غازی ہے۔

"اور پھر وہ بھوت ہمیں پکڑ کیوں نہیں پاتا۔ ہم نے دو ریشمی چادریں اوڑھ لی تھیں۔ ظاہر ہے
کہ ان چادروں پر نہ تو نقش سلیمانی بنا تھا اور نہ ہی وہ کسی عامل کا عطیہ تھیں.... میں نے انہیں
محض لباس شبروی کے طور پر استعمال کرنے کے لئے خریدا تھا اور پھر تمہیں یاد ہوگا میرے منہ

کھولنے پر اس نے ایک قدم اٹھایا تھا.... جو منہ ڈھانک لینے کے بعد بدستور اٹھا ہی رہا.... اِر
کیا سمجھتے ہو۔"

حمید نے کوئی جواب نہیں دیا کیونکہ یہ مسئلہ اس کی الجھن کا باعث بھی بن چکا تھا۔ لیکن الجھن نے کسی واضح خیال کی طرف اس کی رہنمائی نہیں کی۔

"تو کیا آپ پھر اُدھر جانے کا قصد رکھتے ہیں؟" حمید نے پوچھا۔

"تم جانتے ہو کہ میں کوئی کام ادھورا نہیں چھوڑتا۔" فریدی نے کہا اور کچھ سوچنے لگا مسکرا کر بولا۔ "اگر تم واقعی خوفزدہ ہو تو میں تمہیں اپنے ساتھ لے چلنے پر مجبور نہیں کروں گا"

"آپ تو خواہ مخواہ بدگمان ہو جاتے ہیں۔" حمید جھنجھلا کر بولا۔ "مجھے آپ کی بھی ز
عزیز ہے.... کیوں نہ اس معاملے میں یہاں کے حکام کی بھی مدد لی جائے۔"

"ابھی نہیں.... اپنے اطمینان کیلئے میں ایک تجربہ اور کرنا چاہتا ہوں۔" فریدی نے کہا

"کب....!"

"آج ہی....!"

"میرا پیر تو ٹھیک ہو جانے دیجئے۔"

"نہیں میں تمہیں نہ لے جاؤں گا۔" فریدی نے کہا۔

"کیوں....!"

"ممکن ہے کہ تمہیں سنبھالنے میں خود میں ہی اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھوں۔"

"بہر حال میں آپ کو تنہا نہیں جانے دوں گا....؟"

"نہیں بھئی تم سمجھتے نہیں ہو۔" فریدی نے اکتا کر کہا۔ "میں اس لئے ایسا نہیں کر رہا
ڈرتے ہو.... حالانکہ یہ بھی غلط ہے کہ تم ڈرپوک ہو.... وہ معاملہ ہی ایسا تھا کہ اچھے سے
سورما کے پیر اکھڑ جاتے....!"

"پھر آخر آپ مجھے کیوں نہیں لے جانا چاہتے۔" حمید نے پوچھا۔

"ممکن ہے اس بار اور زیادہ بدحواسی کے عالم میں بھاگنا پڑے اور ہم دونوں ایک دو
سے الگ ہو جائیں.... ایسے معاملات میں تنہا آدمی اپنا بچاؤ کر سکتا ہے۔"

"حمید نے بہت کوشش کی کہ فریدی کو اس ارادے سے باز رکھے لیکن کامیاب نہ ہو

ی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ آخر اس کا انجام کیا ہوگا۔ کیا اس بار فریدی کی دلیری کام آسکے گی؟ کیا
وہ ایک ایسی قوت کا مقابلہ کر سکے گا جو انسانی دسترس سے باہر ہے؟ کہیں یہ اس کا آخری کارنامہ تو
نہیں؟

فریدی اسی دن شام کو قاہرہ سے کلب الشیاطین کے علاقے کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہ رات
حمید نے بڑے کرب اور بے چینی کے ساتھ گذاری، رات بھر وہ سو نہ سکا.... صبح دس بجے تک وہ
فریدی کا انتظار کرتا رہا.... اور پھر اچانک اس کا اضطراب بڑھ گیا۔ فریدی نے گیارہ بجے تک لوٹ
آنے کا وعدہ کیا تھا۔ لیکن بارہ بج گئے اور اس کا کہیں پتہ نہ تھا۔ حمید کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا
کرے.... آخر اس نے یہ فیصلہ کیا کہ وہ بھی کسی نہ کسی طرح کلب الشیاطین کے علاقے میں پہنچنے
کی کوشش کرے لیکن اگر علی فضیل ہی کی طرح فریدی بھی.... اس کے آگے سوچنے کی ہمت نہ
ہوئی اور اس کے جسم کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔

وہ باہر جانے کے لئے اٹھا ہی تھا کہ برآمدے میں قدموں کی آہٹ سنائی دی اور فریدی
مسکراتا ہوا کمرے میں داخل ہوا۔ اس کے بغل میں ایک بڑا سا بنڈل دبا ہوا تھا جسے اس نے فرش
پر ڈال دیا....

"بھئی بہت تھک گیا ہوں۔" وہ ایک کرسی پر گرتا ہوا بولا۔ "ذرا ہیڈ ویٹر کو کافی کیلئے فون کر دو۔"

حمید اٹھ کر لنگڑاتا ہوا فون کی طرف گیا اور فریدی جوتے اتار کر کرسی پر اکڑوں بیٹھ گیا۔

"یہ بتائیے خیریت ہے نا....!" حمید نے پوچھا۔

"ہاں! آں.... سب خیریت ہے.... اور خیر و عافیت تمہاری خداوند کریم سے نیک
مطلوب ہے۔ دیگر احوال یہ ہے کہ تجربہ کامیاب رہا.... اور کوئی خاص بات نہیں.... بچوں کو
آداب اور بزرگوں کو پیار.... فقط قانون گو نہیں دعا گو....!"

"تو اس کا یہ مطلب ہے کہ تجربہ کامیاب رہا۔" حمید ہنس کر بولا۔ "کیا سر پر رکھنے کے لئے
تھوڑی برف بھی منگوالوں۔"

"اے ہے پاندان کیا ہوا تمہارا۔" فریدی نے مسکرا کر پوچھا۔

"کیا مطلب....!"

"بخدا تم نے اس وقت کسی کلرک کی بیوی کی طرح خیریت پوچھی تھی۔ جو بیچاری دن بھر

شوہر کے انتظار میں بیٹھی چھالیہ کترتی رہتی ہے اور اس کی آمد پر جمائی لیتی ہوئی میز پر ر
کر اس کی خیریت پوچھتی ہے۔"

"معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا ایک آدھ اسکرو ضرور ڈھیلا ہو گیا ہے۔" حمید جھینپ کر

"خیر معلوم ہوا کہ تم بڑے گاؤدی ہو گئے ہو۔" فریدی نے کہا۔ "مجھے اس سے بہتر
توقع تھی۔"

تھوڑی دیر بعد کافی آ گئی۔ فریدی نے دو تین گھونٹ لینے کے بعد سگار سلگایا۔

"ہاں تو بھئی تجربہ کامیاب رہا اور دلچسپ بھی۔" فریدی نے کہا۔ "میں نے ٹیکسی ...
باہر ہی چھوڑ دی تھی اور ان دونوں مجسموں کو لے کر ساحل کی طرف روانہ ہو گیا.... کنا
کھڑے ہوئے مجھے دس پندرہ منٹ گذرے ہوں گے کہ اس کتے کے منہ میں پھر وہ
دکھائی دی اور وہ دیو پیکر اس میں سے نکل کر میری طرف جھپٹا.... میں نے بھاگنا شروع
میرا پیچھا کر رہا تھا۔ آخر کار میں سیاہ چادر اوڑھ کر لیٹ گیا اور وہ میرے قریب ہی آ کر ر
پھر میں نے وہ مجسمہ اس کے سامنے پھینک دیا۔ جو سوتی کپڑے کا تھا۔ وہ حیرت انگیز ...
ساتھ جھکا اور مجسمے کی ٹانگیں چیر کر پھینک دیں.... اُف کتنی درندگی تھی.... اس وقت
اس تصور سے کانپ اٹھا تھا۔"

فریدی نے بکس کھول کر اُس مجسمے کے دونوں ٹکڑے نکالے اور حمید کے سامنے ڈال

"اسی طرح اُس نے علی فضیل کی ٹانگیں چیر دی تھیں۔" فریدی آہستہ سے بولا۔ "ہا
نے وہ مجسمہ بھی اسکے سامنے ڈال دیا جس پر ریشمی غلاف چڑھایا تھا لیکن وہ بے حس و حر
رہا۔ جیسے اندھا ہو گیا ہو.... اس نے اس مجسمے کو ہاتھ تک نہ لگایا.... اس سے تم کیا سمجھے"

"میں تو کچھ بھی نہیں سمجھ سکا۔" حمید نے اس سے کہا۔

"خیر، خیر میں بھی ابھی اس مسئلے پر روشنی ڈالنا نہیں چاہتا۔ لیکن میں نے جو اندازہ لگا
غلط نہیں ہو سکتا۔ ہاں تو پھر میں نے اس مجسمے کو چادر کے اندر کھینچ لیا۔ وہ قطعی بے حس
کھڑا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے جست لگائی اور پھر کتے کے منہ کی طرف روانہ ہو گیا۔
جلدی جلدی مجسمے پر کا ریشمی غلاف اتارا اور اپنے جسم پر اس طرح منڈھ لیا کہ کوئی ...
رہے اور پھر میں ساحل کی طرف آیا.... تقریباً آدھ گھنٹے تک کھڑا رہا لیکن کوئی نیا ...

نہیں آیا..... کہو اب کیا کہتے ہو.....!"

"یعنی وہ خبیث روحیں ریشم سے ڈرتی ہیں۔" حمید نے کہا۔

"نہیں بلکہ اس کتے کے پیٹ میں بیٹھی ہوئی خبیث شخصیت کو ریشم دکھائی نہیں دیتا۔"
فریدی بولا۔

"میں پھر نہیں سمجھا۔"

"بہت جلد سمجھ جاؤ گے۔" فریدی نے کہا۔ "لیکن اطمینان رکھو وہ کوئی آسیبی خلل نہیں
ہے.... ہماری تمہاری جیتی جاگتی دنیا کی بات ہے۔"

"پتہ نہیں آپ کیا کہہ رہے ہیں۔" حمید اکتا کر بولا۔

"میں جو کچھ کہہ رہا ہوں تمہیں قریب سے دکھاؤں گا۔" فریدی نے کہا۔ "ذرا فون کر کے
کافی اور منگواؤ۔"

حمید نے پھر اٹھ کر فون کیا۔

"لیکن آپ اس وقت تک مجھے الجھن میں ڈالے رہیں گے۔" حمید نے کہا۔

"اس میں الجھن کی کوئی بات نہیں.... میں نے حقائق تمہارے سامنے رکھ دیئے۔ اب تم
خود غور کر کے اس معمے کو حل کرنے کی کوشش کرو۔ کوئی مشکل بات نہیں، کوشش کرو۔"
فریدی نے کہا اور آرام کرسی پر لیٹ گیا۔ حمید بھی کسی سوچ میں ڈوب گیا تھا۔

کتے کے پیٹ میں

دوسرے دن فریدی مصر کے محکمہ سراغ رسانی کے دفتر میں بیٹھا محکمے کے ڈائریکٹر ضرغام
پاشا سے گفتگو کر رہا تھا۔

"مسٹر فریدی مجھے افسوس ہے کہ ہم آپ کی مدد نہ کر سکیں گے۔" پاشا نے کہا۔

"لیکن میرے ملک کی حکومت نے آپ کی حکومت سے درخواست کی ہے۔ آپ کو براہِ
راست اس کے لئے احکامات مل چکے ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔" پاشا بولا۔ "مجھے اس سے کب انکار ہے.... آپ اس شخص کا پتہ نشان بتایئے،"

جو آپ کی حکومت کا مجرم ہے۔ ہم اسے گرفتار کر کے آپ کے حوالے کر دیں گے۔ لیکن الشیاطین والا واقعہ خواب سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتا۔"

"لیکن میں نے جو کچھ آپ کو بتایا ہے اسے خواب نہیں کہا جا سکتا۔" فریدی نے کہا۔

"ممکن ہے آپ درست کہتے ہوں۔" پاشا نے کہا اور خاموش ہو گیا۔

فریدی سمجھ گیا کہ وہ اس سے گفتگو نہیں کرنا چاہتا۔ وہ وہاں سے ناکام لوٹا۔ لیکن اس نے ہمت نہ ہاری تھی۔ اب اس نے اپنی حکومت کے سفارت خانہ کا رخ کیا۔ سفیر اس سے اس کے کارناموں کی بناء پر اچھی طرح واقف تھا اور اسے حکومت کی طرف سے پہلے ہی فریدی کی ہر امداد کے لئے ہدایات مل چکی تھیں۔ اس نے فریدی سے وعدہ کیا کہ وہ قاہرہ کے پولیس کمشنر سے اس مسئلے پر گفتگو کرے گا۔

پھر دو دن بعد اسے اطلاع ملی کہ پولیس کمشنر بھی تضیع اوقات کے لئے تیار نہیں۔ اس کے خیال کے مطابق عملہ کا کوئی آدمی کلب الشیاطین کے اندر گھسنے کی ہمت نہیں کرے گا.... فریدی نے فیصلہ کیا کہ وہ بذاتِ خود پولیس کمشنر سے ملاقات کرے گا۔ لیکن اس کی یہ کوشش بار آور ثابت نہ ہوئی.... پولیس کمشنر نے اسے بتایا کہ آسیبی خلل سے قطع نظر کر کے بھی اس میں جانا پسند نہ کرے گا۔ اس نے بھی فریدی کے قائم کردہ خیالات کا مضحکہ اڑایا۔

اور پھر فریدی کو اپنی ہی قوتِ بازو پر بھروسہ کرنا پڑا.... اس نے چھوٹی سی ربڑ کی خریدی اور اس پر ریشم کا خلاف چڑھایا.... دو ہلکے پھلکے پتوار بنائے اور ان پر ریشمی کپڑا دیا.... اپنے اور حمید کے لئے ریشم کا ایسا لباس تیار کرایا جس سے جسم کا کوئی حصہ کھلا سکے.... آنکھوں کے حصوں پر ریشم ہی کی باریک جالی لگوائی۔

حمید ان سب تیاریوں کو دیکھ دیکھ کر حیران ہو رہا تھا۔ وہ اچھی طرح سمجھ چکا تھا کہ یہ آخری کارنامہ ہے۔

لیکن وہ فریدی کی مخالفت نہیں کر سکا۔ وہ جانتا تھا کہ اگر اُس نے اس سلسلے میں ایک لفظ منہ سے نکالا تو فریدی اکیلا ہی چلا جائے گا اور یہ چیز اُسے کسی طرح گوارا نہ تھی۔

اس دوران میں وہ کئی ہوٹل تبدیل کر چکے تھے۔ انہیں ڈر تھا کہ کہیں مجرم ان کا سراغ انہیں اپنے راستے سے ہٹانے کی کوشش نہ کریں۔ فریدی نے اس رات سر بتھال کے ساتھ

نمبر9 دیکھے تھے۔ وہ یہ بھی سمجھتا تھا کہ مجموعی طور پر ان کی اتنی ہی تعداد ہونی ضروری نہیں لیکن کے باوجود بھی وہ خطرہ مول لینے پر تیار تھا۔

حمید کا پیر ٹھیک ہو گیا تھا۔ اور وہ اس قابل ہو گیا تھا کہ ہوٹل سے نکل کر بازار تک جا سکے۔ جب وہ بازار سے واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں چار مقامی اخبار تھے، حمید نے انہیں فریدی کے سامنے ڈال دیا۔

"کلب الشیاطین کا دوسرا اعجوبہ۔" حمید نے آہستہ سے کہا۔

"بیان کرتے چلو۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا۔ "میرے پاس اتنا وقت نہیں کہ انہیں پڑھ سکوں۔"

"کلباش کے رہے سہے دیہاتیوں نے بھی قصبہ چھوڑ دیا۔" حمید نے کہا۔ "کل رات ساحل کے آدمیوں نے چار طویل القامت آدمیوں کو آپس میں تلوار چلاتے دیکھا۔ ان کا بیان ہے کہ ان آدمیوں کی لمبائی دس فٹ سے کم نہیں تھی۔ تھوڑی دیر تک وہ اسی طرح لڑتے رہے اور لڑتے ہوئے کلب الشیاطین کی طرف چلے گئے۔ دیکھنے والوں کا خیال ہے کہ وہ اس پتھریلے کتے کے منہ میں گھس کر غائب ہو گئے تھے اور پھر اس کتے کے دہانے سے چنگاریاں نکلنے لگی تھیں.... اب پورا شہر ویران ہے۔ کل ہی رات کو وہاں کی بچی کھچی آبادی شہر کی طرف منتقل ہو گئی ہے۔"

"آگے کہو۔" فریدی بولا۔

"اور کوئی بات نہیں۔"

"اس واقعہ کے متعلق یہاں کے اخبارات اور حکام کا کیا خیال ہے۔" فریدی نے پوچھا۔

"دیہاتیوں کی توہم پرستی۔" حمید نے کہا۔ "حکام نے دیہاتیوں کو مشورہ دیا ہے کہ وہ قصبے کی طرف لوٹ جائیں۔"

"ٹھیک ہے ٹھیک ہے۔" فریدی طنزیہ انداز میں بولا۔ "یہاں کی حکومت متمدن دنیا کے لئے ایک مستقل خطرہ پال رہی ہے۔ محکمہ موسمیات اور اراضیات کی عقل نہ جانے کہاں چرنے گئی ہے.... اس حصے کی جغرافیائی حالت قطعی ایسی نہیں کہ یہاں سائیکلون آ سکیں.... خیر دیکھا جائے گا.... دیکھا جائے گا۔"

فریدی اٹھ کر بیتابانہ انداز میں ٹہلنے لگا۔

"میں ایک بار پھر آپ کو اس ارادے سے باز رکھنے کی کوشش کروں گا۔" حمید نے کہا
"مشکل ہے۔" فریدی پلٹ کر بولا۔ "میں سب کچھ سمجھ چکا ہوں.... میں کلب الشیاطین
اسی طرح جھپٹنا چاہتا ہوں جیسے ایک شرابی عرصہ تک شراب نہ ملنے کے بعد بوتل پر جھپٹ
میں اب انتظار نہیں کر سکتا.... اگر تم نہیں جانا چاہتے تو میں تنہا جاؤں گا۔"

"آپ پھر میرا مطلب غلط سمجھے.... میں تو....؟"

"میں کچھ نہیں سننا چاہتا۔" فریدی نے اس کی بات کاٹ دی۔

حمید خاموش ہو گیا.... وہ جانتا تھا کہ اب ساری کوششیں بیکار ہیں۔

اسی شام کو وہ دونوں کلباش کی طرف روانہ ہو گئے۔ فریدی نے سارا ضروری سامان
لے لیا تھا۔ ٹیکسی ڈرائیور پر انہوں نے یہ ظاہر کیا کہ وہ کسی اخبار کے نامہ نگار ہیں۔ ٹیکسی
نے ویران حصے سے آدھ میل ادھر ہی چھوڑ دی۔

تاریکی پھیل گئی تھی۔ وہ قصبے کے ایک ویران مکان میں گھس گئے۔ یہاں چاروں طرف
تھا۔ گاؤں میں ایک متنفس بھی نہیں رہ گیا۔ سائیں سائیں کرتی ہوئی سیاہ رات نے قصبے کی
میں اور اضافہ کر دیا تھا۔ کبھی کبھی کتوں کے بھونکنے کی آواز خاموشی کے اتھاہ ساگر میں ہلکو
پیدا کر کے کہیں غائب ہو جاتی تھی۔

"میرا خیال ہے کہ تم خائف نہیں ہو۔" فریدی نے حمید سے کہا۔

"قطعی نہیں! بشرطیکہ اپنے جیسے انسانوں سے مقابلہ کرنا پڑے۔"

"مطمئن رہو.... اس کے آگے تمہیں سوچنا ہی نہ چاہئے۔"

"اوہ.... آپ تو مجھے اس طرح بہلا رہے ہیں جیسے میں نے اس طویل القامت دیو کو دیکھا
نہ ہو۔"

"گھبراؤ نہیں.... آج رات اس سے مقابلہ کی توقع نہیں۔" فریدی نے کہا۔

"خیر دیکھا جائے گا۔" حمید نے اکتا کر کہا۔

ایک گھنٹے کے بعد ساری تیاریاں مکمل کر لینے کے بعد وہ ساحل پر کھڑے تھے۔ کافی
گذر گیا۔ لیکن کلب الشیاطین کی خاموشی میں فرق نہیں آیا۔ حمید کو فریدی کی پیشین گوئی پر
ہونے لگی اور فریدی نے ربر کی کشتی سمندر میں ڈال دی.... وہ آہستہ آہستہ کلب الشیاطین

رف بڑھ رہے تھے.... حمید کی نظریں کتے کے پھیلے ہوئے دہانے کی طرف لگی ہوئی تھیں۔ وہ
چ رہا تھا کیا واقعی یہ سیاہ ریشم کا لباس سحر زدہ ہے اور پھر ان کی کشتی چٹانوں کے سلسلے سے ٹکرائی۔
یدی گھاٹ پکڑ کر اوپر چڑھ گیا۔ حمید نے بھی اس کی تقلید کی اور اس کے بعد کشتی اوپر کھینچ لی گئی۔
ید چٹانوں پر قدم رکھتے ہی لرز اٹھا۔ یہاں کا پراسرار سناٹا مصر قدیم کے خوفناک جادوگروں کی یاد
انے لگا اور وہ مقبرے بھی یاد آئے جن میں ہزاروں سال سے انسانی لاشیں محفوظ تھیں۔ محض
ں امید پر کہ ایک دن ان کی بھٹکتی ہوئی روحیں اپنے جسموں میں لوٹ آئیں گی۔

چٹانوں کا سلسلہ تقریباً دو تین فرلانگ تک چلا گیا تھا۔ جس چٹان پر یہ لوگ کھڑے تھے کلب
یاطین کا ایک حصہ تھا۔ فریدی نے جیب سے ٹارچ نکالی اور آہستہ آہستہ ایک طرف بڑھنے لگا۔
درہ بیس منٹ کی جدوجہد کے بعد بھی وہ کوئی ایسا راستہ نہ معلوم کر سکے جس کے ذریعہ اندر پہنچ
کتے۔ پھر انہوں نے دوسری راہ اختیار کی۔ فریدی عین کتے کے سر کے نیچے آ کر کھڑا ہو گیا۔ جس
ی اونچائی چالیس فیٹ سے کسی طرح کم نہ رہی ہو گی۔ حمید پر ایک بار پھر ہیبت طاری ہو گئی۔ خود
ریدی نے بھی ایک بار جھرجھری سی لی۔

ادھر بھی کسی طرف سے کوئی راستہ نظر نہ آیا۔ اس دقت کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ
فریدی اپنی ٹارچ کا آزادانہ استعمال نہیں کر رہا تھا.... دفعتاً وہ داہنے طرف کے نشیب میں اتر گیا۔
حمید نے بھی اس کی تقلید کی.... ادھر چٹان کا پھیلاؤ زیادہ تھا۔ ایک جگہ اچانک فریدی رکا اور جھک
کر زمین کی طرف دیکھنے لگا۔

"یہ نشانات دیکھ رہے ہو۔" وہ آہستہ سے بولا۔ "بھیگے ہوئے پیروں کے نشانات۔"

اور وہ آہستہ آہستہ نشانات کے ساتھ آگے بڑھنے لگا اور پھر وہ ایک بار کتے کی گردن سے
قریب پہنچ گئے۔ یہاں آ کر پیروں کے نشانات غائب ہو گئے۔ فریدی نے ٹارچ روشن کی۔ اسے
غلط فہمی ہوئی تھی۔ پیروں کے نشانات یہاں غائب نہیں ہوئے تھے بلکہ چند ابھرے ہوئے
چھوٹے چھوٹے پتھروں پر نظر آ رہے تھے۔

"آخر ان پتھروں پر چلنے کی کیا ضرورت تھی جب کہ چٹان کا ایک حصہ سپاٹ اور مسطح
ہے۔" فریدی آہستہ سے بولا۔ "یہ چیز واقعی دلچسپ ہے۔" حمید بولا۔

فریدی ان پتھروں کو دیکھنے لگا۔ ہر ٹکڑے پر پیر کا ایک نشان موجود تھا اور اس کے بعد مسطح

چٹان پر کوئی نشان نظر نہ آیا۔

"لو بھئی اس خبیث کا پیٹ تو پھٹ گیا۔" فریدی حمید کی طرف مڑ کر آہستہ سے بولا۔ ا
س نے اس اچانک نمودار ہونے والے غار کے دہانے میں ٹارچ کی روشنی ڈالی۔ اندر بالکل
اور دہانے کے سرے سے آٹھ دس زینے تہہ تک چلے گئے تھے۔ دونوں غار میں بہ آہستگی اتر
جیسے ہی انہوں نے فرش پر قدم رکھا اوپر دہانے کا منہ بند ہو گیا۔

"یہ کیا ہوا۔" حمید اوپر کی طرف دیکھ کر گھبرائے ہوئے لہجے میں بولا۔

"ٹھہرو.....!" فریدی نے کہا اور زینوں پر چڑھتا چلا گیا۔ آخری زینہ پر پیر رکھتے ہی
پھر کھل گیا۔ فریدی لوٹ آیا.....اور دہانہ بند ہو گیا۔

"غضب کی کاریگری ہے۔" فریدی آہستہ سے بولا۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ بھوت اس وقت کہاں سو رہے ہیں۔" حمید نے کہا۔

"وہ مطمئن ہیں کہ کوئی ان تک پہنچنے کی ہمت نہ کر سکے گا۔" فریدی نے کہا۔ "پھر ہم ا
قطعی نہ دکھائی دیتے ہوں گے۔"

"ہم نے جادوائی لباس جو پہن رکھا ہے۔" فریدی ہنس کر بولا۔

"معلوم نہیں کہ آپ کے ذہن میں کیا ہے۔" حمید نے کہا۔

"جو کچھ ہے ابھی سامنے آ جاتا ہے۔" فریدی نے کہا اور چاروں طرف دیکھنے لگا۔ وہ ا
کمرے میں کھڑے تھے جس میں کوئی دروازہ نہیں تھا۔ تھوڑی دیر بعد ان کا دم گھٹنے لگا اور و
زینوں پر چڑھ گئے.... غار کا دہانہ کھل جانے کی وجہ سے انہیں اس گھٹن سے نجات ملی۔ فرید
نے پھر ٹارچ کی روشنی میں اس کمرے کا جائزہ لینا شروع کیا اسکی نظریں سامنے کی دیوار سے زینو
پر پڑیں۔ یہ تین الگ الگ سیڑھیاں تھیں جن کا درمیانی فاصلہ ایک فٹ سے زیادہ نہیں تھا۔

"ذرا ان زینوں کو دیکھو۔" فریدی بولا۔ "بھلا ان تین زینوں کا کیا مطلب ہے اور یہ
سوچو کہ ان کے سرے پر دروازے بھی نہیں ہیں۔ پھر ان کا کیا مقصد ہے.... اوہ.... حمید
پہلے زینے کی سیڑھیاں تو گنو۔"

"نو ہیں۔" حمید بولا۔ "دوسرے میں سات اور تیسرے میں پانچ ہیں۔"

"اچھا تو وہ رومال والا عدد کیا تھا۔" فریدی نے پوچھا۔

"نو سو پچھتر.....!" حمید نے کہا۔

"نو سو پچھتر نہ کہو۔" فریدی آہستہ سے بولا۔ "بلکہ نو۔ سات۔ پانچ کہو.... لو بھئی نو سو
پچھتر کا مسئلہ بھی چٹکی بجاتے حل ہو گیا.... قدرت کچھ مہربان معلوم ہوتی ہے۔"

"اچھا تم یہیں ٹھہرو تاکہ دہانہ کھلا رہے.... میں ذرا ان زینوں کو دیکھتا ہوں۔" وہ آخری
زینے پر سے نیچے کود پڑا.... اب وہ سامنے والی دیوار کے زینوں کا جائزہ لے رہا تھا.... پہلے وہ نو
سیڑھیوں والے زینے پر چڑھا.... پھر اس پر سے ہو کر سات سیڑھیوں والے زینوں سے گذرتا
ہوا نیچے اتر آیا.... اور پانچ سیڑھیوں والے زینے پر چڑھنے لگا۔ جیسے ہی وہ آخری سیڑھی پر پہنچا
دیوار کا ایک حصہ ایک طرف ہٹ گیا اور دوسری طرف عجیب قسم کی گڑگڑاہٹ کی آواز سنائی
دینے لگی۔ فریدی نے حمید کو اشارے سے بلایا.... دونوں اندر داخل ہو گئے۔ یہاں بالکل تاریکی
تھی۔ فریدی نے ٹارچ روشن کی اور آگے بڑھنے لگا۔

"یہ آواز کیسی ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"کسی مشین کی ہے۔" فریدی نے کہا۔

"مشین.....!" حمید چونک کر بولا۔

"ہاں ہاں خاموشی سے چلے آؤ۔" فریدی نے کہا۔ وہ ایک تنگ و تاریک راستے سے گذر رہے
تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ ایک کمرے کے سامنے کھڑے تھے جس کے دروازہ پر سیاہ پردہ پڑا تھا
اور روشندان سے روشنی پھوٹ رہی تھی۔ دونوں بہ آہستگی دروازے سے ہٹ کر ایک کنارے
کھڑے ہو گئے۔ فریدی نے روشندان سے جھانک کر دیکھا۔ اندر چار آدمی ایک میز کے گرد بیٹھے
شراب پی رہے تھے۔ ان میں ایک بوڑھا تھا جس کے چہرے پر گھنی اور سفید ڈاڑھی تھی....
چاروں یوروپین معلوم ہوتے تھے۔ فریدی نے حمید کو قریب آنے کا اشارہ کیا۔

"دیکھا تم نے.... یہ ہیں تمہارے بھوت.... اس بوڑھے کو پہچانتے ہو.... کہیں تصویر تو
دیکھی ہی ہو گی۔"

"میں نہیں پہچانتا.... لیکن....!"

"ٹھہرو....!" فریدی آہستہ سے بولا۔ "اُس طرف داہنے کونے میں دیکھو۔"

حمید لڑکھڑا کر پیچھے ہٹ گیا۔

"ارے یہ تو.... وہی....!"

"لیکن ڈرو نہیں.... یہ اس وقت بالکل بے جان ہیں۔" فریدی نے کہا اور جیب سے
نکال لیا۔ حمید نے بھی اپنے ریوالور کا دستہ مضبوطی سے پکڑ لیا۔

"یہ بوڑھا جرمنی کا مشہور سائنس دان ولمین ہے، جو ہٹلر کی موت کے بعد پراسرار
پر غائب ہو گیا تھا.... اور اب یہ یہاں اس ویرانے میں کسی نئے تباہ کن ہتھیار کا تجر
ہے.... خیر آؤ.... لیکن ہوشیاری سے۔"

فریدی پردہ اٹھا کر کمرے میں داخل ہو گیا.... وہ چاروں اسے دیکھتے ہی بوکھلا کر
ہو گئے۔

"ہینڈز اپ....!" فریدی گرج کر بولا۔ "اگر کوئی اپنی جگہ سے ہلا تو شوٹ کر دوں گا۔"

چاروں نے اپنے ہاتھ اوپر اٹھا لئے۔ وہ گھبرائی ہوئی نظروں سے ان دونوں سیاہ پوشوں
رہے تھے....

"تم کون ہو....!" بوڑھا سائنس دان بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"تمہاری مشینی آندھی کے شکار دو دیہاتیوں کے بھوت۔" فریدی قہقہہ لگا کر بولا۔
کی اطلاع تمہارا ٹیلی ویژن سیٹ بھی نہ دے سکا۔"

بوڑھا آہستہ آہستہ دیوار کے قریب رکھی ہوئی ایک مشین کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اس
میں ایک شیشہ لگا ہوا تھا۔ جس میں پورا ساحل کا علاقہ صاف نظر آ رہا تھا۔ حمید متحیر تھا کہ آ
بند کمرے میں رکھی ہوئی مشین میں باہر کے مناظر کس طرح دکھائی دے رہے ہیں اور
لمحوں کے بعد سارا معمہ حل ہو گیا.... اسی مشین کے ذریعہ وہ ساحل پر لوگوں کی نقل و حر
جائزہ لیا کرتے تھے.... فریدی بوڑھے کی حرکت دیکھ رہا تھا.... اس نے پستول گھما کر مشی
شیشے پر گولی چلا دی۔ شیشہ ایک چھناکے کے ساتھ ٹوٹ گیا.... بوڑھا چیخ مار کر فریدی کی
جھپٹا.... فریدی کے پستول سے پھر ایک شعلہ نکلا اور بوڑھا اچھل کر دیوار سے ٹک گیا۔
کے منہ سے چیخیں نکل رہی تھیں۔ اس کا ایک پیر زخمی ہو گیا تھا۔

"حمید ان تینوں کے ہاتھ پیر جکڑ دو....!" فریدی نے کہا۔ "اور میں اس بوڑھے سے سمجھتا ہوں"
فریدی نے حمید کا پستول بھی اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ ایک پستول کا رخ بوڑھے کی طرف

دوسرے کا ان تینوں آدمیوں کی طرف۔ حمید نے جیب سے پتلی پتلی مضبوط سی ڈوریاں نکالیں
یکے بعد دیگرے انہیں جکڑنے لگا۔

"کیوں ولمین وہ رومال کہاں ہے۔" فریدی نے بوڑھے سے کہا۔

"میں نے اسے جلا دیا۔" ولمین چیخ کر بولا۔

"بہت خوب! سر بتھال کی لاش کیا ہوئی۔"

"اوہ تو تم وہی جاسوس ہو۔" ولمین چیخ کر بولا۔

فریدی نے قہقہہ لگایا۔

"تمہارے وہ دیو پیکر بھوت یہی ہیں۔" فریدی ایک طرف کھڑے ہوئے چار پانچ لوہے کے
ستونوں کی طرف اشارہ کر کے بولا۔ ولمین نے کوئی جواب نہ دیا۔

"کیا تم یہ جانتے تھے کہ تمہاری مشین کی شعاعیں ریشم کے لباس سے نہیں گذر سکتیں۔"
فریدی نے پوچھا۔

"ہاں لیکن میں یہ نہیں جانتا تھا کہ مشرقی سور بھی اتنے ذہین ہو سکتے ہیں۔" ولمین درد سے
چیخ کر بولا۔

فریدی نے پھر قہقہہ لگایا۔

"خیر.... خیر.... ولمین.... تمہارا یہ عظیم الشان کارنامہ ہمیشہ کے لئے دفن ہونے جا رہا
ہے.... کیا تم مجھے اپنی ان تباہ کن مشینوں کے بارے میں کچھ بتاؤ گے۔" فریدی نے کہا۔

"مشین تم نے برباد کر دی ہے۔" ولمین ٹوٹی ہوئی مشین کی طرف اشارہ کر کے بولا۔ "دنیا کا
کوئی سائنسدان اب یہ نہ بنا سکے گا کہ یہ کیسے بنائی گئی تھی.... یہی مشین آندھیاں پیدا کرتی تھی۔ یہی
مشین ان لوہے کے آدمیوں کی آنکھ تھی۔ یہ آدمی اسی اسکیم کے تحت بنے تھے جس کے تحت
جرمنی کے مشہور اور خود بخود اڑنے والے بم اور ہوائی جہاز بنائے گئے تھے۔ ان میں ریڈیائی
طریقوں سے قوت عمل پیدا کی جاتی تھی۔ لیکن افسوس کہ یہ اب بیکار ہو چکے ہیں.... تم....
خبیث.... سور.... تم نے میرے اس کارنامے پر خاک ڈال دی جس کے لئے میں نے ساری
زندگی وقف کر دی تھی.... مجھے سہارا دے کر اس آرام کرسی تک لے چلو میں تمہیں مرنے سے
پہلے کچھ اور باتیں بتانا چاہتا ہوں.... مجھے یہاں سے کوئی قوت زندہ نہیں لے جاسکتی۔"

بوڑھے نے آنکھیں بند کرلیں۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اُسے غش آگیا ہو۔ وہ گر ر
تھا کہ فریدی نے آگے بڑھ کر اُسے سنبھال لیا.... حمید جو بقیہ تینوں آدمیوں کو باندھ کر
ڈال چکا تھا.... فریدی کی مدد کے لئے آگے بڑھا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں فریدی زم
اور اس کے دونوں پستول بوڑھے ولمین کے ہاتھوں میں تھے۔

"کیوں سورما اب بتاؤ۔" بوڑھا ولمین قہقہہ لگا کر بولا۔

"اچھا تو کیا تم ہمیں یہاں اکیلے سمجھتے ہو۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "مت بھولو کہ یہ
جیسے نہ جانے کتنے سیاہ پوش اس کتے کے پیٹ میں موجود ہیں۔ اسی لئے میں نے آتے ہی س
پہلے تمہاری مشین برباد کردی تھی.... تم اس وقت ہم دونوں کو مار سکتے ہو لیکن اس کر
تھوڑی ہی دور کھڑے ہوئے پچاس آدمیوں کا مقابلہ نہیں کرسکتے۔"

"دیکھا جائے گا۔" ولمین آہستہ سے بولا۔ "تم اٹھ کر میرے ساتھیوں کو فوراً کھو
ورنہ....!"

فریدی آہستہ سے اٹھا۔ ولمین نے حمید کو بھی اشارہ کیا۔ دونوں بندھے ہوئے آد
کھولنے لگے۔ ولمین دیوار کے قریب جاکر روشندان سے جھانکنے لگا لیکن وہ فریدی اور
طرف سے غافل نہیں تھا۔ فریدی نے چیخنا چاہا۔ "خبردار....!" ولمین آہستہ سے بولا۔ "
سے آواز نکلی تو شوٹ کردوں گا۔" اسے باہر کہیں کھڑے ہوئے خیالی آدمیوں کا خوف تھا۔

اس بار جیسے ہی اس نے روشندان کی طرف منہ پھیرا۔ فریدی نے پھرتی سے ایک
اٹھا کر اس پر پھینک مارا۔ دونوں ایک ساتھ زمین پر آرہے.... دو فائر ہوئے.... اور د
کمرے میں گونج اٹھیں۔ گرتے گرتے ولمین کے ہاتھوں میں دبے ہوئے دونوں پستو
گئے.... فریدی اور حمید ان کی طرف جھپٹے.... ایک پستول کی گولی ولمین کی ٹھوڑی پھاڑ
سر سے نکل گئی تھی اور دوسری اس کے ساتھی کے سینے سے پار ہوگئی تھی۔

"اوہ یہ تو بہت بُرا ہوا....!" فریدی بے ساختہ بولا۔ "میں اس بوڑھے کو زندہ گر
چاہتا تھا۔" حمید نے کوئی جواب نہ دیا.... ولمین کے دو ساتھی زمین پر بندھے پڑے تھے
ان دونوں کو چیخ چیخ کر گالیاں دے رہے تھے۔ تھوڑی دیر بعد فریدی اور حمید تہ خا
دوسرے حصوں کا جائزہ لے رہے تھے۔ یہاں ان لوگوں نے اچھا خاصا کارخانہ قائم کر

ایک چھوٹا سا بجلی گھر بھی تھا جس کی قوت سے مشینیں چلائی جاتی تھیں۔ حمید نے لوہے کے ان قد
آور آدمیوں کو قریب سے دیکھا جنہیں وہ بھوت سمجھے ہوئے تھا۔

"ایک بڑی خوفناک چیز مٹ گئی۔" فریدی نے کہا۔ "ورنہ کسی اگلی جنگ میں یہ لوہے کے
آدمی انسانوں کے مقابلے میں استعمال کئے جاتے۔" حمید نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس پر ابھی تک
حیرت طاری تھی۔ کبھی وہ ان لوہے کے آدمیوں کی طرف دیکھتا تھا اور کبھی فریدی کی طرف....
شائد وہ دونوں کا موازنہ کر رہا تھا کہ ان میں زیادہ خوفناک کون ہے۔ فریدی یا وہ لوہے کے بھوت۔

"افسوس کہ یہ مشین برباد ہوگئی۔" فریدی نے کہا۔ "لیکن بہت اچھا ہوا۔ ورنہ کوئی اور اسے
اپنے ناپاک ارادوں کے لئے امن پسند دنیا کے خلاف استعمال کرتا۔ بہت اچھا ہوا بہت اچھا ہوا۔"

دوسرے دن کلباش کے علاقہ میں ایک جم غفیر لگا ہوا تھا۔ چپے چپے پر پولیس اور فوج کے سپاہی
نظر آرہے تھے۔ کلب الشیاطین کی خبیث روحیں وہاں سے ہٹائی جارہی تھیں۔ فریدی ساحل پر ایک
خیمے میں مصر کے اعلیٰ حکام سے گفتگو کر رہا تھا۔ وہ انہیں شروع سے ساری داستان سنا رہا تھا۔

"اور پھر جب میں نے دیکھا کہ ریشمی چادر کے سامنے اس دیو پیکر کی ساری قوتیں بیکار
ہوجاتی ہیں تو میں اس نتیجے پر پہنچ گیا کہ وہ آدمی کوئی مافوق الفطرت ہستی نہیں بلکہ کسی مشین کا
تابع تھا اور اس مشین کی پیدا کردہ شعاعیں ریشم کی سطح سے نہیں ٹکراتیں.... اس کے لئے میں
نے ایک دوسرا تجربہ کیا۔"

اب فریدی نے انہیں کپڑے کے قد آدم مجسموں والے تجربہ کے متعلق بتلایا۔

"واقعی مسٹر فریدی تم نے امن پسند دنیا پر ایک احسان عظیم کیا ہے۔" قاہرہ کا پولیس کمشنر
بولا۔ "مجھے اب افسوس ہو رہا ہے کہ میں نے تمہارے مشورے پر عمل کیوں نہیں کیا تھا۔"

"خود میں بھی شرمندہ ہوں۔"

"خیر جو کچھ بھی ہوا ٹھیک ہوا۔" فریدی نے کہا۔ "میرا مقصد حل ہوگیا۔"

"اُف میرے خدا۔" ایک آفیسر بولا۔ "ہم لوگ بھی کتنے احمق تھے کہ ان تباہ کن آندھیوں
کو سائیکلون سمجھتے رہے اور عوام کسی خبیث روح کا کارنامہ۔"

اسی دن اخباروں کے غیر معمولی شمارے دھڑا دھڑ فروخت ہو رہے تھے.... ان میں کلب
الشیاطین کی وارداتوں کے متعلق خبریں شائع ہوئی تھیں۔ فریدی اور حمید کی کارگزاریوں کو کچھ

اور بھی زیادہ بڑھا چڑھا کر پیش کیا گیا تھا۔

اور وہ دونوں شام کو ایک گمنام سے ہوٹل میں بیٹھے کافی پی رہے تھے۔ اپنے ہوٹل سے وہ والوں کے خوف سے نکل بھاگے تھے۔ آج صبح سے آٹوگراف لینے والوں کی کاپیوں پر د کرتے کرتے ان کے ہاتھ دکھنے لگے تھے۔ اخباروں کے نامہ نگاروں نے الگ تنگ کر رکھا تھا پھر انہوں نے جان بچانے کے لئے رہائشی ہوٹل سے ہٹ جانا ہی مناسب سمجھا۔

"حمید! ایک چیز مجھے ہمیشہ الجھن میں ڈالے رہے گی۔" فریدی نے کہا۔

"وہ کیا....!"

"کلب الشیاطین....!" فریدی آہستہ سے بولا۔ "آخر ولمین اس کے راز سے کیسے واق ہو گیا۔ جب کہ یہاں کے باشندے بھی اس کے متعلق کچھ نہیں جانتے اور نہ کسی تاریخی کتاب سے اس کے وجود پر روشنی پڑتی ہے.... اور یہ تو تم نے دیکھ ہی لیا کہ وہ آج کی کاریگری نہ ہے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ اہرام اور ابو لہول سے بھی پہلے کی چیز ہو۔ معلوم نہیں کہ یہ جرمن اس اندر کس طرح پہنچ گئے۔ ولمین کے ساتھیوں سے معلوم ہوا کہ ولمین ہی نے اس کا پتہ لگایا تھا۔ لی وہ بھی نہیں بتا سکے کہ اسے اس کا حال کیسے معلوم ہوا تھا۔" حمید نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ خامو سے کافی پی رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد بولا۔

"خیر یہ سب سوچنے کے لئے زندگی پڑی ہے۔ یہ بتایئے کہ اب کیا پروگرام ہے۔"

"میں اب کچھ آرام کرنا چاہتا ہوں۔ کیا ہمارا محکمہ اس خطرناک مہم کے بعد ہمیں سال سال کی چھٹی بھی نہ دے گا۔ میں تمہیں سیاحت کے بہانے لایا تھا۔ لہٰذا سیاحت ہو گی۔ ا رپورٹ اور چھٹی کی درخواست جلد ہی سفارت خانے کے سپرد کر کے ہم یورپ کی طرف ر ہو جائیں گے اور پھر واپس پر تمہاری شادی کیا سمجھے۔"

"اور اپنے متعلق کیا کہتے ہیں۔" حمید نے کہا۔

"کیا ایک دوست کی بیوی میرے لئے کافی نہ ہو گی۔" فریدی مسکرایا۔ "کافی ہاں کافی.... بوائے کافی اور لاؤ۔" حمید چیخ کر بولا اور دانت نکال کر فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔

ختم شد

جاسوسی دنیا نمبر 13

ہیرے کی کان

(مکمل ناول)

پریشان حال عورت

انور اپنے فلیٹ کے ایک کمرے میں بیٹھا ایک کتاب پڑھ رہا تھا وہ ایک آرام کرسی میں
ہوا تھا۔ ایک پیر سامنے والی میز پر تھا اور دوسرا پھیلی ہوئی ٹانگ پر، ٹائی کی گرہ ڈھیلی ہو کر
جھول گئی تھی۔ فلٹ ہیٹ پیشانی پر تھی اور بکھرے ہوئے بال بھنوؤں پر لہرا رہے تھے۔ اُ
آج صبح بھی شیو نہیں کیا تھا اس لئے سرخ وسپید رخساروں پر ہلکی ہلکی سبزی کچھ عجیب سی لگ
تھی۔ اس کمرے میں کتابیں ہی کتابیں تھیں۔ الماریوں میں کتابیں، میز پر کتابیں، کرسیو
کتابیں فرش پر کتابیں، آرام کرسیوں کے چوڑے ہتھوں پر کتابیں، دو ایک کتابیں اُس کی گو
بھی پڑی ہوئی تھیں۔ کمرے میں کچھ عجیب قسم کی بے ترتیبی تھی۔ فرش پر سگریٹوں کے
ٹکڑے اور جلی ہوئی دیاسلائیاں بکھری ہوئی تھیں۔ کتابوں کے درمیان الماریوں میں کہیں
میلے اور پھٹے پرانے موزے گھسے ہوئے دکھائی دے رہے تھے۔ لکھنے کی میز پر سگریٹوں کی
ڈبیاں، ڈاڑھی بنانے کا سامان، کچھ نئے اور پرانے رسالے، دو ایک چائے کی پیالیاں جن پر
سرخ رنگ کے دھبے تھے۔ ایک دو میلے کچیلے رومال اور نہ جانے کیا کیا الا بلا ڈھیر تھی۔ دیوار
دو ایک کیلنڈر تھے جن میں پچھلی تاریخیں اب تک لگی ہوئی تھیں۔ انور نے کتاب پڑھتے
سر اٹھایا اور فلٹ ہیٹ پیشانی سے سرک کر نیچے فرش پر آ رہی۔ اُس نے بُرا سا منہ بنایا اور
پیچھے کی طرف اچھال دی پھر ایک نسوانی چیخ سنائی دی۔ انور مڑا دروازے میں رشیدہ کھڑی
رہی تھی۔ کتاب اُس کے چہرے سے ٹکرا گئی اُس نے جھک کر کتاب اٹھائی اور انور کو گھورنے
انور نے اپنی گود میں پڑی ہوئی کتابوں میں سے ایک کتاب اٹھائی اور ورق گردانی کر
ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کوئی بات ہی نہ ہوئی ہو۔ پھر اُس نے وہ کتاب بھی میز پر پٹخ دی اور

طرف مڑا جو ابھی تک گھورے جا رہی تھی۔

"میں کہتا ہوں آخر اس قسم کی کتابیں چھاپنے سے فائدہ؟" وہ چند لمحے بے خیالی میں رشیدہ
طرف دیکھتا ہوا بولا۔

"اور میں کہتی ہوں آخر تمہاری زندگی سے فائدہ۔" رشیدہ منہ بنا کر بولی۔

"میں نے ابھی تک اس پر غور نہیں کیا۔" انور نے آہستہ سے کہا اور کتاب پر نظریں
ادیں۔

رشیدہ نے زمین پر پڑا ہوا فلٹ اٹھا کر صاف کیا اور میز پر رکھ دیا پھر کچھ دیر تک منہ بنائے
ئے چاروں طرف دیکھتی رہی۔

"تم نے پھر کتابیں اِدھر اُدھر پھیلا دیں۔" رشیدہ تیز لہجے میں بولی۔

انور نے کتاب میز پر رکھ کر ایک طویل انگڑائی لی اور پیشانی پر بکھرے ہوئے بال ہٹا کر کھڑا
گیا۔

"تمہارے پاس کچھ پیسے ہوں گے؟" اُس نے رشیدہ سے پوچھا۔

"کیوں....؟"

"مجھے ایک پیکٹ سگریٹ لادو۔"

"میں یہ پوچھنے آئی تھی کہ ہم لوگ دوپہر کا کھانا کہاں سے کھائیں گے؟"

"منہ سے۔"

"فضول باتیں نہیں کرو، ہمارے پاس اتنے پیسے نہیں ہیں کہ دوپہر کا کھانا کھایا جاسکے۔"
یدہ جھنجھلا کر بولی۔

"بس اتنی سی بات؟" انور مسکرا کر بولا۔ "اس کی نہایت آسان تدبیر بتاتا ہوں وہ پرانے
باروں کا ڈھیر ہے اسے بیچ کر تم کم از کم دس روپے حاصل کر سکتی ہو۔"

"جہنم میں گئے اخبارات....!" رشیدہ جھنجھلا کر بولی۔ "تم اپنی تنخواہ ختم کر دیتے ہو میری تنخواہ
یادہ حصہ بھی تم پر ہی صرف ہوتا ہے اور پھر بھی آخر مہینے میں اس کی نوبت آجاتی ہے۔"

"بیٹھ جاؤ۔" انور سنجیدگی اور نرمی سے بولا۔ رشیدہ ایک کرسی پر منہ پھیلائے ہوئے بیٹھ
۔ انور تھوڑی دیر تک اُس کی طرف دیکھتا رہا پھر اچانک بولا۔

"کون اُلو کا پٹھا تم سے کہتا ہے کہ تم اپنی تنخواہ مجھ پر خرچ کر دیا کرو۔ آخر تم میری ہو
تم میرے فلیٹ پر کیوں آئی ہو۔ میں جب بھی تم سے کوئی اُدھار لیتا ہوں ایمانداری سے
کر دیتا ہوں اگر تمہاری ایک پائی بھی مجھ پر آتی ہو تو بتاؤ۔"

انور خاموش ہو گیا اور اُس نے پھر ایک کتاب اٹھالی۔ وہ پھر آرام کرسی پر دھنستا ہو
میں ڈوب گیا تھا۔

• رشیدہ کی بھنویں چڑھ گئیں، پیشانی پر سلوٹیں ابھر آئیں، آنکھیں سرخ ہو گئیں ا
چند ہی لمحوں میں اُس کے نتھنے پھڑکنے لگے اور وہ اس طرح آنکھیں پھاڑنے لگی جیسے آنس
کی کوشش کر رہی ہو۔ وہ تھوڑی دیر تک بیٹھی بسورتی رہی پھر اٹھ کر پیر پٹختی ہوئی کمرے
نکل گئی۔ انور بدستور مطالعے میں مشغول رہا۔ وہ ایک اخبار میں جرائم کا نامہ نگار تھا اور ا
میں مستقل طور پر قسط وار جاسوسی ناولیں لکھا کرتا تھا۔ صحیح معنوں میں اس اخبار کا سب
تھا۔ اگر وہ ادارے سے الگ ہو جاتا تو دوسرے ہی دن اخبار کی تعداد اشاعت آدھی سے
جاتی۔ یہی وجہ تھی کہ ایڈیٹر سے لے کر پروپرائیٹر تک اُس کی مٹھی میں تھے۔ وہ ایک
جاسوس بھی تھا۔ شہر کا شاید ہی کوئی ایسا پولیس آفیسر رہا ہو جس کے دو چار راز اُسے نہ معلو
ہوں۔ بس یہ سمجھنا چاہئے کہ اُن کی دکھتی رگیں اُس کے ہاتھ میں تھیں۔ شاید ہی کوئی پو
ایسا رہا ہو جو اس نوجوان بے باک اور نڈر کرائم رپورٹر سے جلتا نہ ہو۔ اُس نے بہتیرے
میں پولیس کی رہنمائی بھی کی تھی اور خصوصاً انسپکٹر فریدی کی عدم موجودگی میں تو اُس کی
تھی۔ محکمہ سراغ رسانی والے بھی اُس کے ہاتھوں کھلونا بن کر رہ گئے تھے۔

وہ ایک لاپرواہ اور اکھڑ نوجوان تھا۔ اُس نے اپنی زندگی ایک وکیل کی حیثیت سے
تھی لیکن کچھ دنوں کے بعد سب کچھ چھوڑ کر اس راستے پر آنکلا تھا۔ اُسے دراصل کارنا
پیار تھا۔ پچھلی زندگی قطعی ناخوشگوار گزری تھی اس لئے وہ ماضی کے دھندلکوں میں جھ
ہمت نہیں کرتا تھا۔ اب تو وہ یہ بھی بھول گیا تھا کہ اُس کے ماں باپ کون تھے اور کہاں
بھی یا نہیں وہ دنیا میں بالکل اکیلا تھا۔

رشیدہ اسی اخبار کے دفتر میں ٹائپسٹ تھی۔ وہ نہ جانے کیوں انور کے اس قدر قر
تھی۔ اُن دونوں کے فلیٹ بھی برابر ہی برابر واقع تھے۔ صرف درمیان میں ایک دیو

نی۔ رشیدہ بھی اسی کی طرح دنیا میں تنہا تھی اُس نے اپنے متعلق اُسے کبھی کچھ نہیں بتایا۔ سچ
ات تو یہ ہے کہ انور نے کبھی کچھ پوچھا ہی نہیں۔ ان دونوں میں دو چیزیں مشترک تھیں۔ پہلی تو
ہ کہ دونوں اس وسیع دنیا میں تنہا تھے دوسری یہ کہ دونوں کارنامے پسند کرتے تھے۔ دونوں دلیر
ھے۔ دونوں کو پرانے سماج سے نفرت تھی۔ متوسط طبقے کی صاف ستھری لیکن گھناؤنی زندگی ناپسند
نی۔ شاید یہی وجہ تھی کہ دونوں ایک دوسرے کے قریب ہو گئے تھے۔ رشیدہ نے کئی کارناموں
یں انور کا ساتھ دیا تھا۔ وہ دونوں اکثر آپس میں لڑ بھی جاتے تھے اور یہ لڑائی کچھ اتنی تلخ ہوتی کہ
ونوں اپنی اپنی جگہ پر یہ سمجھنے پر مجبور ہو جاتے کہ وہ اب ایک دوسرے سے زندگی بھر نہ بولیں
ے لیکن ان کا یہ عہد زیادہ دیرپا ثابت نہ ہوتا اور پھر ایک دوسرے سے بولنے پر مجبور ہو جاتے۔ نہ
جانے کیوں؟ صرف ایک بات پر رشیدہ انور سے بہت زیادہ نالاں رہا کرتی تھی۔ وہ یہ کہ انور فضول
رچ تھا اور پھر جب مفلس ہو جاتا تو کبھی گھڑی بیچی جاتی، کبھی انگوٹھی اور کبھی ردی کاغذ، اُدھار
لینے کا حاتم تھا لیکن پیسہ ملتے ہی سب سے پہلے پچھلا قرض بیباق کرنے کی فکر کرتا تھا۔

اخبار کی آمدنی کے علاوہ بھی اُسے پرائیویٹ کیسوں کے سلسلے میں کافی پیسے ملتے رہتے۔ شہر
کے متمول لوگ جس معاملے کی تفتیش کسی وجہ سے پولیس کے سپرد نہیں کرنا چاہتے تھے اُس کے
پرد کر دیتے تھے اور کام ہو جانے پر اس کے لئے وہ اُسے معقول معاوضہ دیتے تھے۔ بہرحال اگر
ہ چاہتا تو نہایت شان سے زندگی بسر کر سکتا تھا لیکن اپنے بے اصولے پن کی وجہ سے ہمیشہ مفلس
ہتا تھا۔ لاپرواہی اُس کے کردار کا جزو لازم تھی۔ اس وقت بھی اُسے اس بات کا احساس نہیں تھا
کہ ایک گھنٹے کے بعد اُسے دفتر جانا ہے۔

"تم سے ایک عورت ملنا چاہتی ہے۔" رشیدہ نے دروازے میں آکر کہا۔

"لیکن میں کسی عورت سے ملنا نہیں چاہتا۔" انور نے کتاب سے نظریں ہٹائے بغیر کہا۔

"لیکن وہ تمہیں جانتی ہے۔"

"مجھے بہتیری عورتیں جانتی ہیں۔"

"تو میں اُسے کیا کہہ دوں....؟"

"کہہ دو کہ میں نہیں ملنا چاہتا۔" انور نے کہا۔

رشیدہ چلی گئی لیکن تھوڑی دیر بعد ایک جوان عورت کمرے میں داخل ہوئی۔ ظاہری حالت

سے کوئی معقول عورت معلوم ہوتی تھی۔ وہ سفید سلک کی ساڑھی میں ملبوس تھی۔ جسم پر
لمبا کوٹ تھا اور گلے میں ہیروں کا بیش قیمت ہار، ہونٹوں پر نہایت شوخ قسم کی لپ اسٹک
جمی ہوئی تھی۔ آنکھوں میں بلا کی جاذبیت تھی۔ وہ دروازے سے کچھ دور آکر ٹھٹک گئی
بدستور مطالعے میں مشغول تھا۔ آہٹ سن کر وہ کتاب سے نظریں ہٹائے بغیر بولا۔

"اب کیا ہے؟"

"اوہ.... اں.... انور....!" وہ ہچکچاتی ہوئی بولی۔ انور چونک کر مڑا۔

"اوہ تم ساجدہ۔ کیوں؟ کیسے زحمت گوارا فرمائی؟" انور طنزیہ انداز میں بولا۔ عورت نے
کی تلخی محسوس کرلی لیکن کچھ بولی نہیں۔ قبل اس کے کہ انور اُس سے بیٹھنے کے لئے کہتا وہ
ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔

"شاید پانچ سال بعد ہم لوگ مل رہے ہیں۔" وہ آہستہ سے بولی۔

"لیکن پانچ سال بعد ملنے کی وجہ؟" انور نے بے رخی سے پوچھا۔

"انور میں اس وقت مصیبت زدہ ہوں۔" وہ ملتجیانہ انداز میں بولی۔

"اوہو... کمال کردیا۔ اتنے قیمتی ہار اور اتنے نادر کوٹ میں بھی تم خود کو مصیبت زدہ سمجھتی

"انور....!" عورت تیز لہجے میں بولی۔ "میں تم سے سودا کرنے آئی ہوں۔"

"تو کرونا....!"

عورت نے گھوم کر رشیدہ کی طرف دیکھا جو پرانے اخبارات اکٹھا کررہی تھی۔

"تمہاری بیوی ہے؟" عورت نے انور سے پوچھا۔

"نہیں، بیوی سے زیادہ۔"

"یعنی....؟"

"میری دوست ہے۔" انور اکتا کر بولا۔ "تم اپنی بات کہو۔"

اس دوران میں رشیدہ اخبارات کا ڈھیر اکٹھا کرکے باہر جاچکی تھی۔

"میرا شوہر اپنی یادداشت کھو بیٹھا ہے۔" عورت بولی۔

"تو میں کیا کروں میں کوئی ڈاکٹر نہیں ہوں۔" انور نے کہا۔

"مجھے پوری بات کہنے دو۔" عورت گرج کر بولی۔ "وہ اپنی یادداشت کھو بیٹھا ہے اور

گھر سے غائب ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ تم اُسے ڈھونڈو۔"

"اس سلسلے میں پولیس زیادہ بہتر ثابت ہوگی۔" انور نے کہا۔

"میں اسے مناسب نہیں سمجھتی۔"

"کیا اس لئے کہ تمہارا شوہر دیوالیہ ہوچکا ہے؟"

"کیا مطلب....؟" عورت چونک کر بولی۔

"ہر سرمایہ دار قسم کا آدمی دیوالیہ ہونے سے کچھ دن پہلے اپنی یادداشت کھو بیٹھتا ہے۔"

"کسی سے بدلہ لینے کا یہ اچھا طریقہ ہے انور۔" عورت ناخوشگوار لہجے میں بولی۔

"کیا بدلہ....؟" انور نے تحیر آمیز لہجے میں پوچھا۔

"خیر میں انتہائی مجبوری کے عالم میں تمہارے پاس آئی ہوں.... ورنہ....!"

"میں تمہارے دیدار کے لئے تڑپ تڑپ کر مر جاتا۔" انور نے جملہ پورا کردیا۔

"بس حد ہوگئی۔" عورت چیخ کر بولی اور اٹھ کر کھڑی ہوگئی۔

بسم اللہ۔" انور بھی اٹھتا ہوا بولا۔

عورت کھڑی کھڑی تھوڑی دیر تک انور کو گھورتی رہی پھر اُس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔
لیکن لحہ بعد دوبارہ بیٹھ گئی۔ وہ سسکیاں لے لے کر رو رہی تھی۔

انور کھڑکی کے قریب جاکر باہر کی طرف دیکھنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد وہ مڑا۔ عورت نے آنسو
پونچھ ڈالے تھے اور رحم طلب نگاہوں سے انور کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"کیا پہلی بار اُس کے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا ہے۔" انور نے پوچھا۔

"نہیں پچھلے سال بھی ایک بار ایسا ہوا تھا۔"

"غائب ہوگیا تھا؟"

"نہیں اُس کے ایک دوست نے اُسے گھر تک پہنچایا تھا۔ وہ اچانک ایک ہوٹل میں بیٹھے بیٹھے
اپنی یادداشت کھو بیٹھا تھا۔"

"کون دوست، اُس کا نام اور پتہ....؟" انور نے پوچھا۔

"یہ تو مجھے یاد نہیں، بہرحال وہ اُس کا کوئی دوست ہی تھا۔"

"خیر....!" انور کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "یہ کیفیت کتنے دنوں تک قائم رہی تھی؟"

"تین دن....!"

"اس کے بعد....؟"

"وہ بالکل ٹھیک ہو گیا تھا۔"

"اس دوران میں کیا ہوا۔ کیا اس کے غائب ہو جانے سے پہلے تم اُس کی ذہنی کی
واقف تھیں؟"

"ہاں میں اُس کی نگہداشت کرتی تھی لیکن پرسوں رات کو جب میں سو رہی تو
طرف نکل گیا۔"

"کیا ادھر اُس کی مالی حالت کچھ خراب ہو گئی تھی؟" انور نے پوچھا۔

"نہیں.... قطعی نہیں۔ آج سے پندرہ دن قبل اُس نے مجھے بتایا تھا کہ اُسے کپ
مشینوں کی درآمد میں کافی فائدہ ہوا ہے۔"

"کیا تمہارے اور اُس کے تعلقات آج کل کچھ ناخوشگوار ہو گئے ہیں؟"

"قطعی نہیں۔"

"اُس کے ملنے والوں میں کوئی ایسی عورت جس سے وہ بہت قریب ہو؟"

"کوئی نہیں۔" عورت جلدی سے بولی۔ "یہ کیوں پوچھ رہے ہو؟"

"میں اس کیس کو اپنے ہاتھ میں لے رہا ہوں۔ اسلئے جو کچھ مناسب سمجھوں گا پوچھوا

"میں زندگی بھر تمہاری احسان مند رہوں گی۔"

"لیکن تم اس کی رپورٹ پولیس میں کیوں نہیں کرنا چاہتیں؟" انور نے پوچھا۔

"مجھے خوف ہے کہ اس خبر کے مشتہر ہونے پر کچھ لوگ بے ایمانی پر کمربستہ ہ
گے۔" عورت بولی۔

"یعنی....؟"

"اُس کی تجارت کے ساجھی دار۔" عورت نے کہا۔

"مجھے ایسے لوگوں کے پتے نوٹ کرادو۔" انور نے کہا۔

عورت نام اور پتے بولتی رہی۔ انور لکھتا رہا۔

"میں آج ہی سے کام شروع کر رہا ہوں۔ لیکن اخراجات....؟"

عورت نے اپنا بیگ کھول کر نوٹوں کا ایک بنڈل نکالا اور اُسے میز پر ڈالتی ہوئی بولی۔ "یہ پانچ سو روپے ہیں۔ بقیہ پانچ سو کام ہو جانے پر دوں گی۔"

انور نے بنڈل اٹھا کر جیب میں ڈال لیا۔

"میں کل صبح تم سے ملوں گا۔ آج کل کہاں رہتی ہو؟"

"۱۳ آسکر اسٹریٹ میں۔"

"فون نمبر....؟"

"تین سو بیالیس....!"

"اچھا....!" انور اٹھتا ہوا بولا۔

عورت چلی گئی۔ انور پھر ایک کتاب اٹھا کر پڑھنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد رشیدہ آئی اور اُس نے اخبار کا بنڈل فرش پر پٹخ دیا۔

"کیوں کیا بات ہے؟" انور مسکرا کر بولا۔

"بات یہ ہے۔" رشیدہ ہونٹ بھینچ کر بولی۔ "کہ ردی فروشوں کو ضرورت نہیں اور میں اس بنڈل کو بغل میں دبا کر شہر کا چکر نہیں لگا سکتی۔"

"تو اس بنڈل کو سنبھالو۔" انور نے نوٹوں کا بنڈل اُس کی طرف اچھالتے ہوئے کہا۔

"اوہ یہ کیا.... یہ.... یہ....!" رشیدہ رک رک کر بولی پھر تیز لہجے میں پوچھا۔ "وہ عورت کون تھی؟"

"ایک غرض مند....!" انور مسکرا کر بولا۔ "جو کام وہ مجھ سے لینا چاہتی ہے یہ اُس کی آدھی اُجرت ہے۔"

"وہ تم سے بے تکلف معلوم ہوتی تھی۔" رشیدہ نے مشکوک لہجے میں کہا۔

"ہاں آج سے پانچ سال پہلے میں اُس سے حماقت کرتا تھا۔" انور نے کہا۔

"اوہ.... یعنی.... یعنی محبت کرتے تھے؟"

"ہاں....!"

"اور اب....؟" رشیدہ کچھ سوچتی ہوئی بولی۔ "تو یہ وہی عورت ہے جس نے تمہیں اس حال کو پہنچا دیا ہے؟"

"لاحول ولا قوۃ۔" انور بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "اس حال سے تمہاری کیا مراد ہے؟"

"یہی بے تکی زندگی۔"

"لیکن میں اسے بے تکی نہیں سمجھتا اور شاید تم یہ سمجھتی ہو کہ میں ایک کلاسیکل قسم
ناکام عاشق جیسی زندگی بسر کر رہا ہوں۔ لاحول ولا قوۃ اس کا تصور بھی میرے لئے توہین کا با
ہے ایک عورت کے لئے.... ہونہہ....!"

رشیدہ کچھ دیر خاموش کھڑی رہی پھر نوٹوں کا بنڈل انور کی طرف پھینک دیا۔

"میں تمہاری ہوتی کون ہوں۔" رشیدہ منہ بسور کر بولی۔

"ہاں یہ سچ ہے کہ تم میری کوئی نہیں ہو۔" انور ہونٹ بھینچ کر بولا۔ "لیکن اگر تم یہ
اپنے پاس نہیں رکھو گی تو میں تمہارا سر دیوار سے ٹکرا کر پاش پاش کر دوں گا سمجھیں؟"

"لیکن وہ تم سے کیا کام لینا چاہتی ہے؟" رشیدہ نے پوچھا۔

"اُس کا شوہر کھو گیا ہے۔"

"اس لئے اب وہ تم پر ڈورے ڈال رہی ہے۔" رشیدہ منہ بنا کر بولی۔

"پھر وہی فضول بکواس۔ جانتی ہو اُس کا شوہر کون ہے؟"

"نہیں....!"

"شہر کا مشہور سرمایہ دار ارشاد علی۔"

"اوہ تو یہ ساجدہ تھی اور تم اُس سے محبت کرتے تھے؟"

"ہاں یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔ وہ میری کلاس فیلو تھی پہلے اُس نے مجھ سے حماقت شر
کی تھی لیکن بعد میں وہ ایک سرمایہ دار کو پھانسنے میں کامیاب ہو گئی اور میں ایل۔ ایل۔ بی کا ڈ
لے کر جہالت کرنے لگا۔ لیکن وہ زیادہ دنوں تک نہ چل سکی کیونکہ خود میرا ذہن بڑی حد
مجرمانہ ہو چکا تھا۔"

"تمہیں افسوس تو بہت ہوا ہوگا....؟" رشیدہ نے کہا۔

"کیوں افسوس کیوں ہوتا۔" انور نے لاپروائی سے کہا۔

"تو پھر اس کا یہ مطلب ہوا کہ تمہیں اُس سے محبت نہیں تھی۔"

"تھی کیوں نہیں۔ جب تک وہ مجھ سے ملتی رہی مجھے اُس سے محبت رہی اور جب یہ

ہو گیا کہ وہ میری نہ ہو سکے گی تو میں اُسے بالکل بھول گیا۔"

"تو اس کا یہ مطلب کہ اگر میں بھی....!" رشیدہ کچھ کہتے کہتے رک گئی۔

"ہاں ہاں جب تمہاری شادی ہو جائے گی تو میں تمہیں بھی بھول جاؤں گا۔" انور نے کہا۔

"جاؤ جلدی سے ایک ڈبہ اسٹیٹ ایکسپریس خرید لاؤ۔ میں نے دو گھنٹے سے سگریٹ نہیں پیا۔"

"تم اُس کے روپے واپس کر دو۔" رشیدہ نے آہستہ سے کہا۔ "میں اخبار بیچ کر لاؤں گی۔"

"ہشت....!" انور منہ بنا کر بولا۔ "ذرا یہ بتاؤ ہم پر اُدھار کتنا ہے؟"

"دو سو روپے....!" رشیدہ نے کہا۔

"اور تم کہتی ہو کہ میں اُس کے روپے واپس کر کے مفت کام کر دوں۔"

"تم غلط سمجھے میں یہ کہہ رہی ہوں کہ تم یہ کیس نہ لو۔"

"کیوں....؟"

"اس طرح وہ پھر تمہارے قریب آ جائے گی۔"

"آ جانے دو....!"

"میرا مطلب ہے کہ کہیں تمہاری محبت پھر نہ جاگ اٹھے۔"

"ممکن ہے۔"

"لیکن میں یہ نہیں چاہتی۔" رشیدہ جھلا کر بولی۔

"کیوں؟"

"میں نہیں جانتی۔" رشیدہ نے کہا۔ "تمہیں یہ روپے واپس ہی کرنے ہوں گے۔"

"اور قرض....؟"

"کسی نہ کسی طرح ادا کر دیں گے۔"

"تمہاری بہت ننھی سی عقل ہے۔" انور بولا۔ "تم سمجھتی ہو کہ شاید میں پھر اُس سے محبت
کرنے لگوں گا۔"

رشیدہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔

"جاؤ سگریٹ لاؤ۔ قرض ادا کر دو۔" انور نے نوٹوں کا بنڈل اُس کی طرف اچھالتے ہوئے کہا۔
"اور اپنے لئے ایک سوٹ کا کپڑا بھی خرید لینا۔ آج ہم کسی شاندار ہوٹل میں کھانا کھائیں گے۔"

"مجھے نہیں چاہئے سوٹ میں تمہاری ہوتی کون ہوں۔" رشیدہ نے کہا اور نوٹوں کا بن
ہاتھ میں لئے ہوئے پیر پٹختی ہوئی کمرے سے باہر چلی گئی۔

انور نے وہ کاغذ جیب سے نکالا جس پر ساجدہ نے پتے لکھوائے تھے اور کچھ دیر تک نا
اور پتوں کو دیکھتا رہا پھر اٹھ کر بال درست کئے۔ ٹائی کی گرہ ٹھیک کی، اور کوٹ پہنا اور رشیدہ
واپسی کا انتظار کرنے لگا۔

چھان بین

انور نے موٹر سائیکل نکالی اور ارشاد علی کے دفتر کی طرف روانہ ہو گیا، راستے میں اُس
دو ایک تھانوں سے اپنے اخبار کے لئے خبریں بھی مہیا کیں اور انہیں ترتیب دے کر اخبار کے
میں دیتا ہوا آگے بڑھا۔ دفتر کے عملے نے اُس کا نام "طوفانی" رکھ چھوڑا تھا۔ وہ جب بھی دفتر
داخل ہوتا خاصی ہڑبونگ مچ جاتی اور چپراسی سے لے کر ایڈیٹر تک کو معلوم ہو جاتا کہ انور
میں آگیا ہے کبھی وہ پروف ریڈر سے الجھتا اور کبھی کمپوزیٹروں سے، حد یہ ہے کہ چیف ایڈیٹر
اُس کی نکتہ چینیوں سے نہیں بچتا تھا۔

ارشاد علی کے دفتر میں اُسے تھوڑی دیر تک اُس کے پارٹنر شاہد کا انتظار کرنا پڑا۔ تقریباً
بجے وہ آیا۔ یہ بھی ارشاد ہی کی طرح خاصا دولت مند آدمی تھا۔

"میں ارشاد علی صاحب سے ملنا چاہتا ہوں۔" انور نے اُس سے کہا۔

"کیوں....؟" شاہد نے انور کو گھورتے ہوئے پوچھا۔

"ایک ضروری کام ہے۔"

"ارشاد صاحب کہیں باہر گئے ہوئے ہیں۔" شاہد نے کہا۔

"لیکن مجھے تو اطلاع ملی ہے وہ یہیں ہیں۔" انور نے کہا۔

"ممکن ہے۔" شاہد نے کہا اور اپنے کمرے سے باہر چلا گیا۔

انور بھی اُس کے پیچھے پیچھے کمرے میں داخل ہوا۔ شاہد غصے میں اُس کی طرف مڑا لیکن قبل
اس کے کہ وہ کچھ کہتا انور نے کہا۔

"پچھلے سال جب ارشاد صاحب اپنی یادداشت کھو بیٹھے تھے تو آپ کہاں تھے؟"
شاہد چونک کر اُسے گھورنے لگا۔

"کیوں....؟" شاہد کرسی پر بیٹھتا ہوا بولا۔ وہ اُسے عجیب نظروں سے گھور رہا تھا۔

"اپنی معلومات کے لئے پوچھ رہا ہوں۔ جس میں پولیس خاصی دلچسپی لے گی۔"

"آپ ہیں کون....؟" شاہد نے متعجبانہ انداز میں پوچھا۔

"خدائی فوجدار....!"

"اگر آپ قاعدے سے بات نہیں کریں گے تو میں آپ کو دھکے دے کر یہاں سے نکلوا
دوں گا۔" شاہد گرج کر بولا۔

"خیر....!" انور اٹھتا ہوا بولا۔ "میں آپ کو اس کی زحمت نہ دوں گا۔ ویسے اب پولیس آپ
کافی دلچسپی لے گی، بارہ ٹن لوہے کی چور بازاری کے سلسلے میں۔"

انور جانے کے لئے مڑا۔

"ٹھہریئے۔" شاہد بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ اُس کے چہرے پر سپیدی دوڑ گئی تھی۔ اُس
نے انور کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

انور کرسی کی پشت پر ٹک کر آگے کی طرف جھک گیا۔ وہ شاہد کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

"آپ کو ارشاد علی کے یادداشت کھو بیٹھنے کے متعلق کیسے معلوم ہوا؟" شاہد نے بھرائی ہوئی
آواز میں کہا۔ "اس کا حال سوائے میرے اور اُس کی بیوی کے کسی اور کو معلوم نہیں تھا۔"

"تو آپ ہی نے انہیں ہوٹل سے اُن کے گھر تک پہنچایا تھا؟" انور نے پوچھا۔

"جی ہاں.... مگر....!"

"کیا اس دوران میں بھی اُن پر اس قسم کا کوئی دورہ پڑا تھا؟" انور نے پوچھا۔

"مجھے اس کا علم نہیں۔"

"آپ کو یہ کس طرح معلوم ہوا کہ وہ آج کل باہر گئے ہوئے ہیں؟"

"اُس کی بیوی نے مجھے اطلاع دی تھی۔"

"وہ خود کچھ نہیں کہہ گئے؟"

"جی نہیں۔" شاہد نے کہا۔ "لیکن آپ ہیں کون؟"

"انور سعید۔ اسٹار کا کرائم رپورٹر۔"

"اوہ....!" شاہد اُسے تنفر آمیز نگاہوں سے دیکھنے لگا۔

"آپ اُن کے جگری دوستوں میں سے ہیں؟"

"ہاں۔ لیکن اب میرے پاس وقت نہیں ہے۔" شاہد نے بیزاری سے کہا۔

"وقت تو میرے پاس بھی نہیں۔ کیا ارشاد صاحب کا کسی عورت سے ناجائز تعلق بھی

"چپراسی....؟" شاہد چیخا۔

"خیر خیر.... شاید میں ابھی لوٹ کر آؤں۔" انور نے کہا اور کمرے سے نکل آیا۔

تھوڑی دور چل کر وہ پھر لوٹا اور دروازے کی چق ہٹا کر کہنے لگا۔ "لیکن میرے پا
مکمل ثبوت ہے کہ آج کل آپ لوگ لوہے کی چور بازاری کر رہے ہیں۔"

چند لمحوں میں وہ سڑک پر اپنی موٹر سائیکل اسٹارٹ کر رہا تھا۔ اُس کے ذہن میں ا
تھی آخر ساجدہ نے صاف صاف کیوں نہیں بتایا کہ پچھلے سال اُس کے شوہر پر جب یہ "
تو اُسے گھر پہنچانے والا شاہد ہی تھا شاہد اُس کا سب سے بڑا ساجھی دار تھا اور دونوں آ
گہرے دوست بھی تھے لہٰذا ایسی صورت میں وہ ساجدہ کے لئے غیر معروف نہیں ہو سکتا
مچ یہ بھول گئی تھی کہ اُس کے شوہر کو گھر تک کس نے پہنچایا تھا؟ یا پھر اُس نے قصداً
نہیں لیا اور اگر ایسا ہی ہے تو اس کی وجہ؟

موٹر سائیکل ایک نائٹ کلب کے سامنے رک گئی انور خود بھی کبھی اس کلب کا مم
تھا۔ باہر کھڑے ہوئے چپراسی نے اسے سلام کیا اور وہ سر کو ایک خفیف سی جنبش دیتا ہوا
عمارت میں داخل ہو گیا۔ سامنے ہی منیجر کا کمرہ تھا۔ انور سیدھا وہیں چلا گیا۔ ایک بڑی
کہنیاں ٹیکے ایک ادھیڑ عمر کا آدمی اونگھ رہا تھا۔ قدموں کی آہٹ سن کر وہ چونکا۔

"فرمائیے....!" وہ اٹھتا ہوا بولا۔ "اوہو.... انور صاحب.... دیکھئے میں نہ کہتا تھا
اس کلب کو کبھی نہیں بھول سکتے۔ صبح کا گیا اگر شام کو آجائے تو اُسے بھولا نہ کہنا چاہئے"
ہے مرزا غالب نے۔"

"مرزا غالب نے یہ کہا ہے کہ شراب کی ناجائز تجارت کرنے سے محبوب کے والدین
خوش رہتے ہیں۔" انور ایک کرسی پر بیٹھتا ہوا بولا۔

"ہوہو.... مسٹر انور.... میں آپ کی آواز سننے کے لئے ترس گیا تھا۔ بقول شاعر۔

تو نہیں سامنے اگر اے جاں
اپنی آواز ہی سنائے جا

"میری آواز رسیلی ہے نا....؟" انور نے آگے جھک کر آہستہ سے پوچھا۔

"ہاں مسٹر انور.... دیکھئے بھلا سا شعر ہے۔"

"شش.... ارشاد علی یہاں کب سے نہیں آیا؟"

"مسٹر انور....!" منیجر بے رخی سے بولا۔ "میں کسی ممبر کے متعلق کچھ نہیں بتا سکتا۔"

"پچھلی بار اُس کے ساتھ کون عورت تھی؟" انور نے منیجر کو گھورتے ہوئے پوچھا۔

"عورت؟ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں مسٹر انور۔ یہ صرف مردوں کا کلب ہے۔ یہاں کبھی
عورت نہیں آئی۔"

"خیر خیر.... یہ تو میں اچھی طرح جانتا ہوں۔" انور نے کہا۔ "اور اسی وقت اس عمارت
سے نصف درجن عورتیں برآمد کر سکتا ہوں جن سے تم باقاعدہ پیشہ کراتے ہو۔"

"مسٹر انور آپ ایک شریف آدمی کی توہین کر رہے ہیں۔" منیجر چیخ کر بولا۔

"خیر میں اس کی صداقت کے لئے سرکاری جاسوس مسٹر آصف کو فون پر بلائے لیتا ہوں۔"
انور نے اٹھ کر فون کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

"تو اس میں ناراض ہونے کی کیا بات ہے؟" منیجر نے فون پر اپنے دونوں ہاتھ رکھتے ہوئے
کہا۔ "بیٹھئے آپ کے لئے چائے منگواؤں یا کافی؟ آپ کے غصے پر تو بقول شاعر۔"

"جہنم میں گیا شاعر میں جو کچھ پوچھتا ہوں اُس کا ٹھیک ٹھاک جواب دو۔"

"تو پوچھئے نا۔"

"ارشاد کے ساتھ کون عورت تھی؟"

"کوئی نہیں۔ آپ یقین کیجئے کہ وہ کبھی اپنی بیوی کو یہاں نہیں لائے۔" منیجر نے کہا۔

"یہاں کے پتے پر اُس کے خطوط بھی آتے ہیں؟" انور نے پوچھا۔

"اس کی اطلاع کلرک کو ہو گی۔" منیجر نے کہا۔

"اُسے بلواؤ۔"

منیجر نے گھنٹی بجائی چپراسی اندر آیا اور منیجر نے اُسے کلرک کو بلانے کے لئے کہا۔ تھوڑی
بعد ایک دبلا پتلا نوجوان کمرے میں داخل ہوا۔

"سیٹھ ارشاد علی کے نام یہاں خطوط آتے ہیں۔" انور نے اُس سے پوچھا۔

کلرک منیجر کی طرف دیکھنے لگا۔

"اوہ مسٹر انور.....!" منیجر بولا۔ "ممبروں کی ہر بات صیغہ راز میں رکھی جاتی ہے۔"

"میں جو کچھ پوچھتا ہوں اس کا صحیح صحیح جواب دو۔" انور نے کلرک سے کہا۔ "ورنہ اپنے
کے ساتھ ہی تم بھی مصیبت میں پڑو گے۔"

کلرک نے پھر منیجر کی طرف استفہامیہ انداز میں دیکھا۔

"بتاؤ بھئی بتاؤ۔" منیجر نے تنگ آ کر کہا۔ "آج تو بقول شاعر.....ہیہہ.....!"

"جی ہاں اکثر اُن کے خطوط یہاں آتے ہیں۔" کلرک ہچکچاتا ہوا بولا۔

"کون بھیجتا ہے؟"

"پتہ نہیں۔ عموماً لفافے ہوتے ہیں لیکن یہ بتا سکتا ہوں کہ وہ دولت گنج کے ڈاک خانے سے
پوسٹ کئے جاتے ہیں۔"

"کیوں؟ تمہیں یہ کیسے معلوم ہوا کہ وہ دولت گنج سے پوسٹ کئے جاتے ہیں۔" انور
کلرک کو گھورتے ہوئے پوچھا۔

"میں اُن کے ہر لفافے کی مہر دیکھتا رہتا ہوں۔"

"تو تم ہر ایک کی ٹوہ میں لگے رہتے ہو؟" انور نے کہا۔ "غالباً ہر ممبر کی ڈاک کے متعلق
تمہیں اس قسم کی معلومات رہتی ہوں گی؟"

"جی نہیں۔" کلرک گھبرا کر بولا۔ "میں صرف ارشاد صاحب کے نام آنے والے لفافوں
کے بارے میں جانتا ہوں۔"

"کیوں؟ خصوصیت سے انہیں کے بارے میں کیوں؟"

"وہ ایک ہی طرح کے ہوتے ہیں رنگین اور خوشبودار اور طرز تحریر.....!"

"کسی عورت کا ہوتا ہے" انور نے جملہ پورا کر دیا۔ "اسی لئے تم ان لفافوں کی طرف زیادہ
دھیان دیتے ہو؟"

"جی ہاں.....!" کلرک جلدی سے بولا۔ پھر منیجر کو اپنی طرف گھورتے ہوئے دیکھ کر سٹپٹا گیا
کہا "جی نہیں۔"

"تم اپنا منہ اُدھر پھیر لو۔" انور نے منیجر سے کہا۔ "ورنہ مجبوراً مجھے....." انور فون کی طرف
ہو کر چپ ہو گیا۔

"لاحول ولا قوۃ۔" منیجر اٹھتا ہوا جھلا کر بولا۔ "بقول شخصے....." وہ زمین پر زور زور سے پیر
تا کمرے سے چلا گیا۔

"بیٹھ جاؤ۔" انور نے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔ کلرک خاموشی سے بیٹھ گیا۔ وہ بار بار اپنے
ہونٹوں پر زبان پھیر رہا تھا۔

"وہ یہاں سے کبھی کسی کو خطوط لکھتا بھی ہے۔" انور نے پوچھا۔

"مجھے اس کا علم نہیں۔" کلرک نے کہا "لیکن اکثر اُس نے دولت گنج ہی کے پتے پر یہاں
کچھ پارسل ضرور روانہ کئے ہیں۔"

"کسی عورت کے نام.....!" انور نے پوچھا۔

"نہیں مرد کے نام۔ سعید منزل۔ دولت گنج میں کوئی صاحب رضوان صدیقی ہیں۔" کلرک
نے کہا۔

"سعید منزل تو بہت بڑی عمارت ہے۔ فلیٹ کا نمبر یاد نہیں۔" انور نے کہا۔

"جی نہیں۔"

"اچھا....." انور اٹھتا ہوا بولا۔ تھوڑی دیر بعد اُس کی موٹر سائیکل دولت گنج والی سڑک پر
اڑ رہی تھی۔ بیس منٹ بعد وہ سعید منزل کا ایک ایک فلیٹ جھانکتا پھر رہا تھا۔ انور نے ایک بند
دروازہ کو انگلی سے آہستہ آہستہ کھٹکھٹایا۔ ایک آدمی دروازہ کھول کر باہر جھانکنے لگا۔ شاید وہ کمرے
صفائی کر رہا تھا۔

"رضوان صاحب ہیں؟" انور نے پوچھا۔

"باہر گئے ہوئے ہیں۔" اُس نے جواب دیا۔

"کب واپس آئیں گے۔"

"میں نہیں جانتا۔ بیگم صاحب سے پوچھئے۔"

"کہاں ہیں بیگم صاحب....؟"

"اوپری منزل میں۔" اس نے ایک زینے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

انور کچھ کہے بغیر زینوں پر چڑھتا چلا گیا۔ یہاں بھی دروازہ اندر سے بند تھا۔ دروازے پر دستک دی۔

"اوہو..... ٹھہرو..... بھئی..... ایک منٹ۔" اندر سے ایک سریلی اور نسوانی آ
انور معنی خیز انداز میں منہ بنا کر اپنے دیدے پھرانے لگا۔

چند لمحوں کے بعد دروازہ ایک جھٹکے کے ساتھ کھلا۔ ایک خوبصورت لڑکی نیم عریا میں سامنے کھڑی تھی اور پھر اچانک چیخ مار کر وہ اندر بھاگ گئی۔ انور بدستور کھلے ہوئے د کے سامنے کھڑا رہا۔ اُس نے اس جوان لڑکی کے چہرے میں بچپن اور سنجیدگی کی عجیب سی دیکھی تھی وہ سوچ رہا تھا کہ دوسرا قدم کس طرح اٹھائے۔ وہ لڑکی پھر دکھائی دی۔ اس بار لمبے سے لبادے میں ملبوس تھی۔ سنہرے گھونگھریالے بال کاندھوں پر لہرا رہے تھے۔ ا اُس کا چہرہ غصے اور ندامت کی آماج گاہ بنا ہوا تھا۔

"کیا ہے؟" وہ دروازے میں آکر بولی۔

"محترمہ..... مجھے افسوس ہے لیکن شاید آپ کسی اور کا انتظار کر رہی تھیں۔" انور نے سے کہا۔

"ہاں ہاں ہو سکتا ہے۔ آپ اپنا کام بتائیے؟"

"مجھے رضوان صاحب سے ملنا ہے۔"

"وہ گھر پر موجود نہیں ہیں۔"

"کب آئیں گے؟"

"ایک ہفتے کے بعد۔" لڑکی نے کہا۔

"اوہ تو شاید اسی لئے آپ اس وقت ارشاد کا انتظار کر رہی تھیں؟" انور نے مسکرا آنکھ مارتے ہوئے کہا۔

لڑکی سہم کر ایک قدم پیچھے ہٹ گئی۔ اُس کے چہرے پر زردی چھا گئی۔

"آپ..... آپ" وہ اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگی۔

"میں ارشاد کا چھوٹا بھائی ہوں۔" انور نے کہا۔

"اندر آجائیے۔ اندر آجائیے۔" وہ بے تابانہ انداز میں بولی۔ انور کمرے میں چلا گیا۔ لڑکی نے دروازہ بند کر دیا۔

"بیٹھ جائیے۔" اس نے جلدی سے کہا لیکن پھر چپ ہو گئی۔ شاید وہ سوچ رہی تھی کہ اُسے کیا کہنا چاہئے۔ انور اُسے تیز نظروں سے گھور رہا تھا۔ دفعتاً وہ رک رک کر بولی۔ "دیکھئے میں پ کے پاؤں پڑتی ہوں۔ اپنے باپ سے کچھ نہ کہئے گا۔ میں ارشاد کو بے حد چاہتی ہوں اس کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی۔" وہ خاموش ہو گئی۔ اُس کی نگاہیں ملتجیانہ انداز میں انور کی طرف اٹھی ہوئی تھیں۔ لیکن پھر دیکھتے ہی دیکھتے اُس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں اور وہ تیز آواز میں بولی "مگر ارشاد تو کہتا تھا اُس کا کوئی بھائی نہیں۔"

"تو اُس کا باپ ہی کہاں ہے۔" انور مسکرا کر بولا۔

"باپ نہیں ہے؟" وہ تقریباً اچھل کر بولی۔

"تو تم رضوان کی بیوی نہیں ہو؟" انور نے بے ساختہ کہا۔

"نہیں.... لیکن کیوں....؟ ہاں...." وہ رک رک کر بولی اور حیرت سے انور کی طرف دیکھنے لگی۔

"میں سب کچھ جانتا ہوں۔ ارشاد تم سے کبھی شادی نہیں کرے گا۔" انور نے کہا۔

"تم جھوٹے ہو۔ وہ مجھ سے ضرور شادی کرے گا۔ صرف اُن ہیروں کا انتظار ہے جنہیں وہ ترشوانے کے لئے ایمسٹرڈم بھیج چکا ہے۔"

"اچھا....!" انور شرارت آمیز انداز میں مسکرا کر بولا۔ "بھلا اُس کے پاس بغیر ترشوائے ہوئے ہیرے آئے کہاں سے؟"

"تب تم ضرور اُس کے بھائی ہو۔" لڑکی قہقہہ لگا کر بولی۔ "جب اتنا بھی نہیں جانتے کہ وہ ن کی ایک....!"

"اوہ.... اچھا....!" انور کی آنکھیں حیرت سی پھیل گئیں کیونکہ یہ اُس کے لئے ایک بالکل نئی اطلاع تھی۔

"ہی ہی ہی۔" وہ انور کے سامنے انگلی نچا کر ہنستی ہوئی بولی۔ "تم ضرور ارشاد کے کوئی بے

تکلف دوست ہو خیر میں تمہیں چائے پلائے بغیر نہ جانے دوں گی۔ لیکن میرے متعلق کچھ نہ کہنا۔"

"ارشاد یہاں کب سے نہیں آیا....؟" انور نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"نہیں بتاتی۔ پہلے تم بتاؤ کہ تم کون ہو؟" وہ بچگانے انداز میں ضد کا مظاہرہ کرتی ہوئی

"ارشاد کا ایک بے تکلف دوست....!"

"دیکھو نا.... کیسا پہچانا....!" وہ قہقہہ لگا کر بولی پھر دفعتاً سنجیدہ ہو کر سوچنے لگی۔

"ارشاد کل آیا تھا....؟" انور نے پوچھا۔

"نہیں وہ چار دن سے نہیں آیا۔ میں آج صبح سے اُس کا انتظار کر رہی ہوں۔ اُس آنے کا وعدہ کیا تھا بہت مشغول رہتا ہے۔ اُف میں اُسے کتنا چاہتی ہوں۔"

"ٹھیک ہے ٹھیک....!" انور مسکرا کر بولا۔ "لیکن تم ہو کون۔ تمہارا نام کیا ہے؟"

"زبیدہ.... میں ایک لڑکی ہوں۔"

"تمہارے ماں باپ کہاں ہیں؟"

لڑکی اُداس ہو گئی۔

"میرے ماں باپ بچپن ہی میں مر گئے تھے۔ رضوان اور ارشاد مجھے میرے ظالم چچا سے رہائی دلوا کر یہاں لائے ہیں۔"

"تو اس کا یہ مطلب کہ وہ تمہیں بھگا لائے ہیں۔" انور نے کہا۔

"میں اپنی خوشی سے آئی ہوں۔" وہ ترش روئی سے بولی۔

"تمہارا چچا کہاں رہتا ہے اور اُس کا کیا نام ہے؟"

"میں یہ ہرگز نہ بتاؤں گی۔"

"تمہاری مرضی۔" انور اٹھتا ہوا بولا۔ "تم ایک زبردست دھوکے میں ہو۔"

"جاؤ جاؤ تم مجھے بہکانے آئے ہو۔" وہ بگڑ کر بولی۔

"بے وقوف لڑکی! ارشاد شادی شدہ ہے آج سے پانچ سال قبل اُس کی شادی ہو چکی تم سے ہرگز شادی نہ کرے گا۔ اُس نے شاید تمہیں یہ بھلاوہ دے رکھا ہے کہ وہ اپنے باپ خوف سے تم سے شادی نہیں کر رہا ہے۔ اُس کا باپ نہ جانے کب کا مر چکا ہے۔ اُس نے

یہاں رضوان کی بیوی کی حیثیت سے رکھ چھوڑا ہے تاکہ پڑوسیوں کو کوئی اعتراض نہ ہو اور وہ دنیا کی آنکھوں میں دھول جھونک کر عیاشی کرتا رہے۔ مجھے تم سے ہمدردی ہے۔"

"تم شیطان ہو۔ مجھے ورغلانے آئے ہو۔" لڑکی چیخ کر بولی۔

انور کوئی جواب دیئے بغیر جانے کے لئے مڑا۔

"تمہارا نام کیا ہے؟" لڑکی نے پوچھا۔

"شیطان۔" انور نے کہا اور باہر نکل گیا۔

واپسی میں اُسے رہ رہ کر ساجدہ پر تاؤ آ رہا تھا۔ وہ سوچنے لگا کہ اس طرح ساجدہ اپنے شوہر کے چال چلن کی تصدیق کر رہی ہے۔ ذلیل کہیں کی۔ کاش رشیدہ نے وہ روپے ابھی خرچ نہ کیے ہوں۔ وہ انہیں ساجدہ کے منہ پر مار دے گا اور اُسے اپنی اس تفتیش کے متعلق کچھ نہ بتائے گا۔

قتل اور خودکشی

دو بج رہے تھے۔ انور نے رشیدہ کو آفس سے ساتھ لیا اور ایک ریسٹوران میں چلا گیا۔

"ہم زیادہ شاندار لنچ نہ کھائیں گے۔" رشیدہ نے کہا۔

"میں بھی یہی کہنے والا تھا۔" انور بولا۔ "اس ریسٹوران میں اسی لئے آیا ہوں کہ یہاں اُدھار مل جاتا ہے۔"

"اس کی ضرورت نہیں۔" رشیدہ نے کہا۔ "میں نے کچھ ایڈوانس لے لیا ہے۔ تمہیں ساجدہ کے روپے واپس کرنے پڑیں گے۔"

"میں نے بھی یہی طے کر لیا ہے۔" انور نے کہا۔

"ارے یہ کیا۔ آج شاید تم نے پہلی بار میرا کہا مانا ہے۔" رشیدہ نے حیرت سے کہا۔

"ساجدہ نے مجھے احمق بنانے کی کوشش کی تھی۔" انور بولا۔ "اُسے شاید اپنے شوہر کے چال چلن پر شبہ ہو گیا تھا۔ اس کی تصدیق کے لئے اُس نے یہ طریقہ نکالا۔"

اس کے بعد انور نے پوری داستان دہرا دی۔

"میں پہلے ہی سے مشکوک تھی۔"

"شبہ تو مجھے بھی ہوا تھا۔" انور نے کہا۔ "لیکن میں ساجدہ کو اس کے متعلق ایک لفظ بھی بتاؤں گا۔ آج کی دوڑ دھوپ مجھے کچھ مہنگی نہیں پڑی۔ اب میں ارشاد سے کافی رقم اینٹھ سکوں گا۔ اُس نے غریبوں کا گلا کاٹ کر جو دولت اکٹھا کی ہے اُس میں اس غریب کا بھی کچھ حصہ ہونا چاہیے اور ہاں بھئی ٹیلی فون کا لائسنس بھی تجدید کراتا ہے اور وہ دو سو روپے کے تمہارے لئے ایک ساسوٹ اور بھی بہت کچھ۔"

"تو تم اُسے بلیک میل کرو گے؟"

"قطعی....!"

"اور وہ بے چاری لڑکی....؟"

"جب میں ارشاد سے مطلوبہ رقم وصول کرلوں گا تو رضوان کو اُس سے شادی کرنی پڑے گی"

"بھلا وہ کیوں کرنے لگا۔"

"نہیں کرے گا تو پھر اُس کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ہوں گی۔" انور نے کہا اور بیرے کو لنچ کا آرڈر دیا۔

رشیدہ کچھ کہنے ہی جا رہی تھی کہ ایک معمر اور وجیہہ آدمی ریستوران میں داخل ہوا۔

"اوہ تم یہاں ہو۔ میں تمہارے آفس گیا تھا۔" اُس نے انور سے کہا۔

"لیکن انسپکٹر آصف میں تمہیں لنچ کے لئے مدعو نہ کروں گا کیونکہ فنڈ کم ہے۔" انور نے

"جہنم میں گیا لنچ....." انسپکٹر آصف جھنجلا کر بولا۔ "تم نے پھر ہاتھ پیر نکالنے شروع کر دیئے ہیں۔"

"تم بوڑھے ہونے کو آئے مگر بات کرنے کا طریقہ نہ آیا۔" انور نے لاپروائی سے کہا۔ "بیٹھو میں تمہیں ایک کپ چائے پلا سکتا ہوں۔"

"ہائی سرکل نائٹ کلب کے منیجر نے تمہاری شکایت کی ہے۔ تم وہاں کیا کرنے گئے تھے" آصف نے پوچھا۔

"انڈے سپلائی کرنے۔" انور نے سنجیدگی سے کہا۔ "منیجر بھی عجیب احمق ہے اگر دو انڈے گندے نکل گئے تو بھلا محکمہ سراغ رسانی والوں سے شکایت کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ میں اُسے سمجھوں گا۔ معلوم ہوتا ہے اُس نے مرغیاں وہاں سے ہٹا دی ہیں۔ ورنہ وہ تمہیں

ف نہ دینا۔"

"دیکھو یہ میری آخری وارننگ ہے۔" آصف نے ترش روئی سے کہا۔

"دوسری آخری وارننگ کب دے رہے ہو؟" انور نے سنجیدگی سے پوچھا اور رشیدہ کو بے ساختہ ہنسی آگئی۔

آصف جھلا گیا۔ وہ تیز نظروں سے انور کو گھور رہا تھا اور انور رشیدہ کی طرف دیکھ کر مسکرا رہا تھا جو دوسری طرف منہ پھیر کر ہنسی روکنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"جانتے ہو کسی کو دھمکی دینے پر کون سی فرد جرم عائد ہوتی ہے؟" آصف نے کہا۔

"ہاں ہاں اگر دھمکی کسی جوان لڑکی کو دی جاتی ہے تو اُس کے والدین اُس کی شادی کا بندوبست کر دیتے ہیں فرض کرو لڑکی قطب شمالی میں ہے اور لڑکا قطب جنوبی میں اور تم خط استواء پر کھڑے ہو کر دونوں کو دھمکی دو تو حکومت تمہارا بندوبست کر کے تمہیں آگرہ یا بریلی پہنچوا دے گی۔"

"خیر دیکھوں گا۔" آصف غصے میں جانے کے لئے مڑا۔

"دیکھنے پر کوئی پابندی نہیں وعلیکم السلام۔" انور نے کہا اور میز پر لگے ہوئے کھانے کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"واقعی تم سے بُری طرح جل گیا ہے۔" رشیدہ آصف کے چلے جانے کے بعد بولی۔ "اگر موقع مل گیا تو پھانسنے سے باز نہ آئے گا۔"

"اس کے لئے کم از کم اُسے ایک درجن اندوہ ناک حادثات کی اطلاعیں سننی پڑیں گی۔" انور نے کہا اور کھانے میں مشغول ہو گیا۔

کھانا ختم کرنے کے بعد وہ پھر آفس چلے گئے۔ انور وہاں کل کے شمارے کے لئے جاسوسی ناول کی قسط لکھتا رہا۔ تقریباً پانچ بجے وہ واپس گھر آ گئے۔ انور نے پھر کتابیں الٹنی پلٹنی شروع کر دیں۔

"میں کہتی ہوں تمہارا دماغ خراب ہو جائے گا ہر وقت کتابیں۔" رشیدہ جھلا کر بولی۔

"تو وہ خراب کب نہیں ہے۔" انور نے کہا۔ "مگر تم نہ جانے اس وقت اتنی حسین کیوں لگ رہی ہو۔"

"سگریٹ ختم ہو گئے ہوں گے؟" رشیدہ منہ چڑھا کر بولی۔ "میں تمہیں اُسی وقت حسین لگتی

ہوتا، جب تمہاری جیب میں پیسے نہیں ہوتے۔"

"کیا کہا۔ میری جیب میں پیسے نہیں؟" انور چونک کر بولا۔ "میں نے ساجدہ کو روپ[ے] کرنے کا ارادہ ترک کر دیا ہے۔"

"وہ تو تمہیں واپس ہی کرنے ہوں گے۔" رشیدہ تیز لہجے میں بولی۔

"پھر تم نے مجھ پر حکومت جتانی شروع کر دی۔" انور اٹھتا ہوا بولا اور رشیدہ کا کان اُسے کمرے میں سے باہر نکال دیا۔

"میں اب تمہارے کمرے میں تھوکنے بھی نہ آؤں گی۔" رشیدہ منہ بنا کر بولی۔

"اچھی بات ہے مت آنا۔ کمرے میں تھوکنے سے گندگی پھیلتی ہے۔" انور نے سنجید[گی سے] کہا اور کمرے کا دروازہ اندر سے بند کر لیا۔

چند لمحوں کے بعد وہ آرام کرسی میں دھنس کر ایک کتاب میں ڈوب گیا۔

ٹیلی فون کی گھنٹی بجی، انور نے بیٹھے ہی بیٹھے ریسیور اٹھا کر کان سے لگا لیا۔

"ہیلو.... کون ساجدہ.... میں تمہیں فون کرنے والا تھا.... کیا؟" انور یک بیک ہو کر بیٹھ گیا۔ "خود کشی.... کس نے.... ارشاد نے.... کہاں.... اسے.... اچھا.... ا[چھا] تیار ہوں.... بہت اچھا.... میں انتظار کر رہا ہوں۔" انور نے ریسیور رکھ دیا اور اٹھ کر کمر[ے میں] ٹہلنے لگا۔ چند لمحوں کے بعد وہ تیزی سے رشیدہ کے فلیٹ میں داخل ہوا۔

"کیوں؟ کیا بات؟" رشیدہ نے تیوری چڑھا کر پوچھا۔

"تمہارے کمرے میں تھوکنے آیا ہوں۔" انور نے کہتے ہوئے فرش پر تھوک دیا۔

"ابھی ابھی میں نے کمرے کی صفائی کی تھی۔" رشیدہ بگڑ کر بولی۔

"کوئی بات نہیں۔" انور جلدی سے بولا۔ "سنو ایک کام تمہیں فوراً کرنا ہے۔"

"دوڑ کر تمہارے لئے سگریٹ لیتی آؤں.... یہی نا.... میں ہر گز نہیں جاؤں گی۔"

"سنو تو سہی۔" انور نے کہا۔ "تمہیں اُس لڑکی زبیدہ کو سعید منزل سے ہٹانا ہے۔"

"کیا مطلب....؟"

"ابھی ابھی ساجدہ نے فون پر مجھے مطلع کیا ہے کہ ارشاد نے تار جام کے علاقے میں خو[دکشی] کر لی ہے۔ وہاں کے کوتوالی انچارج نے تار کے ذریعے مطلع کیا ہے اور لاش کی شناخت کے

بلایا ہے۔ ساجدہ مجھے اپنے ساتھ لے جانا چاہتی ہے۔ وہ آ ہی رہی ہو گی۔ میں چاہتا ہوں کہ تم [ابھ]ی جا کر زبیدہ کو سعید منزل سے ہٹا دو۔"

"ہٹا کر کہاں لے جاؤں گی؟"

"اُف فوہ اتنی ذہین ہو کر تم مجھ سے یہ سوال کر رہی ہو۔ کسی گم نام سے ہوٹل میں ٹھہرا دینا [او]ر تاکید کر دینا کہ تمہاری اجازت کے بغیر ہوٹل سے باہر نہ نکلے۔"

"لیکن تم اُسے وہاں سے ہٹا کیوں رہے ہو؟" رشیدہ نے پوچھا۔

"پھر بتاؤں گا۔ جلدی کرو۔ سعید منزل دوسری منزل، بیگم رضوان۔ اُسے سمجھا دینا کہ وہ [خط]رے میں ہے۔ ارشاد کی خود کشی کے متعلق بتا دینا اور کہہ دینا کہ اُس کا وہاں سے ہٹ جانا ہی [بہ]تر ہے۔ ورنہ خواہ مخواہ پولیس اُسے پریشان کرے گی۔ اچھا اب جاؤ۔ موٹر سائیکل لے لو۔"

"اور تم ساجدہ کے ساتھ تار جام جاؤ گے؟"

"ہاں بھئی!" انور نے کہا۔ "اب کیس ذرا دلچسپ ہو گیا ہے۔ اسلئے ٹالنے کو دل نہیں چاہتا۔"

"میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گی۔"

"نہیں جو میں کہہ رہا ہوں تم وہی کرو گی۔" انور تیز لہجے میں بولا۔

رشیدہ بڑبڑاتی ہوئی دوسرے کمرے میں چلی گئی۔ انور اپنے فلیٹ میں لوٹ آیا۔ تھوڑی دیر بعد سڑک پر ہارن کی آواز سنائی دی۔ انور نے کھڑکی سے جھانک کر دیکھا نیچے ساجدہ اپنی کار کی کھڑکی سے سر نکالے اوپر کی طرف دیکھ رہی تھی۔ انور نے اوور کوٹ اٹھا کر کاندھے پر ڈالا فلٹ ہیٹ سر پر رکھی اور ٹائی کی گرہ ٹھیک کئے بغیر نیچے اُتر گیا۔

"آگے ہی آجاؤ۔" ساجدہ نے مضمحل آواز میں کہا۔ "میری حالت ایسی نہیں کہ خود کار ڈرائیو کر سکوں۔"

انور خاموشی سے بیٹھ گیا۔ اُس نے ایک اچٹتی ہوئی نظر ساجدہ کے چہرے پر ڈال کر کار اسٹارٹ کر دی۔ ساجدہ کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں اور پلکیں سوج آئی تھیں لیکن اُس کے ماتھے کی پُر حکمت سلوٹیں اس حال میں بھی قائم تھیں۔

تار جام شہر سے ساٹھ میل دوری پر ایک صنعتی علاقہ تھا۔ یہاں لوہے اور کانچ کے کئی کارخانے تھے۔ کوئلہ کی دو ایک چھوٹی موٹی کانیں بھی تھیں۔ انور نے تقریباً دس بارہ میل کا

فاصلہ خاموشی سے طے کیا۔ ساجدہ بھی کچھ نہ بولی۔ دفعتاً انور بولا۔

"تار جام میں ارشاد کی موجودگی کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟"

"یہی چیز میری سمجھ میں نہیں آ رہی۔" ساجدہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

"تار جام سے اُن کا کوئی تجارتی تعلق بھی نہیں تھا۔"

"رضوان صدیقی کو جانتی ہو؟" انور نے پوچھا۔

"ہاں.... کیوں؟" ساجدہ چونک کر بولی۔

"یونہی پوچھ رہا ہوں۔"

"وہ ارشاد کا جگری دوست ہے۔"

"اُس کے بیوی بچے کہاں ہیں؟"

"ابھی اُس کی شادی نہیں ہوئی۔"

"کہاں رہتا ہے؟"

"دولت گنج میں....!"

"تم کبھی اُس کے یہاں گئی ہو؟"

"نہیں کبھی جانے کا اتفاق نہیں ہوا۔ وہ اکثر ہمارے گھر آتا رہتا ہے۔"

"کیا وہ بھی ارشاد کا ساجھی دار تھا؟"

"نہیں.... اُس کا کاروبار الگ ہے۔"

"میں ایک بار پھر اپنا سوال دہراؤں گا۔" انور نے کہا۔ "اس دوران میں ارشاد کی مالی حالت کیسی تھی؟"

ساجدہ نے کوئی جواب نہ دیا۔ اُس نے ایک بار انور کی طرف دیکھ کر سر جھکا لیا۔ ماتھے کی سلوٹیں چہرے پر پھیلتی ہوئی غم آلود نرماہٹ کی لہروں میں بہہ گئیں۔

"اب چھپانے سے کیا فائدہ۔" وہ آہستہ سے بولی۔ "ارشاد قریب قریب دیوالیہ ہو چکا تھا۔"

"اور اسی لئے وہ اپنی یادداشت بھی کھو بیٹھا تھا۔" انور طنزیہ انداز میں بولا۔

"انور....!" ساجدہ نے پُر احتجاج لہجے میں کہا اور کھڑکی کے باہر پھیلی ہوئی تاریکی میں نظریں گاڑ دیں۔

"اس خودکشی کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟" انور نے تھوڑی دیر بعد پوچھا۔

"خیال....!" ساجدہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ "اس کے علاوہ اب اور کوئی خیال میرے ذہن میں نہیں کہ ارشاد مجھ سے ہمیشہ کے لئے چھوٹ گیا۔"

"خیر یہ خیال تمہارے لئے کوئی نیا نہیں۔" انور ہونٹ بھینچ کر بولا۔

"انور تم ظالم ہو۔" ساجدہ بے ساختہ چیخی۔

انور نے کوئی جواب نہ دیا اور اُس کے چہرے پر کسی قسم کی کوئی تبدیلی بھی نہ پیدا ہوئی۔

"کیا کسی ہیرے کی کان میں بھی اُس کا کوئی حصہ تھا؟" تھوڑی دیر بعد انور نے پوچھا۔

"ہیرے کی کان؟" ساجدہ چونک کر بولی۔ "نہیں تو۔ مجھے اس کی کوئی اطلاع نہیں۔"

"تمہیں پورا یقین ہے کہ اُس کا تعلق کسی دوسری عورت سے نہیں تھا؟"

"آخر ان سب فضول باتوں سے کیا فائدہ؟" ساجدہ جھلا کر بولی۔ "ایک مرے ہوئے آدمی پر کیچڑ اچھال کر تمہیں کیا مل جائے گا؟"

"میں سنجیدگی سے گفتگو کر رہا ہوں۔"

"نہیں ارشاد ایسا آدمی نہیں تھا۔"

انور کچھ کہنا ہی چاہتا تھا مگر پھر رک گیا۔ ساجدہ نے گھڑی دیکھی آٹھ بج رہے تھے۔ دور اندھیرے میں تار جام کی روشنیاں دکھائی دے رہی تھیں۔ انور نے کار کی رفتار اور تیز کر دی۔

اور پھر اُن کی کار تار جام کی کوتوالی کے سامنے رک گئی۔ انور اور ساجدہ اُتر کر اندر آ گئے۔

کوتوالی انچارج موجود نہیں تھا۔ ایک سب انسپکٹر نے انہیں بتایا کہ کوتوالی انچارج ابھی تک جائے واردات سے واپس نہیں آیا۔ لاش وہیں ہے۔

"میں آپ لوگوں کا انتظار کر رہا تھا۔" سب انسپکٹر اٹھتا ہوا بولا۔ "مجھے ہدایت کر دی گئی تھی جب بھی آپ لوگ پہنچیں آپ کو جائے واردات پر پہنچا دیا جائے۔"

"کتنی دور چلنا ہو گا۔" انور نے پوچھا۔

"تقریباً چار میل، دیپ نگر میں، یہ حادثہ وہیں ہیرے کی کان میں ہوا ہے۔" سب انسپکٹر بولا۔

"ہیرے کی کان میں؟" انور چونک کر بولا۔ "لیکن اس طرف تو کوئی بھی ہیرے کی کان نہیں تھی۔"

"چھ ماہ قبل یہاں کھدائی کا کام شروع ہوا ہے۔" سب انسپکٹر نے کہا۔ "ارشاد صاحب کے ساتھیوں نے ٹھیکہ لیا تھا۔"

انور نے ساجدہ کی طرف گھور کر دیکھا۔ خود ساجدہ بھی حیرت زدہ نظر آ رہی تھی لیکن بولی نہیں۔

تھوڑی دیر بعد وہ لوگ کار میں بیٹھ کر دیپ نگر کی طرف روانہ ہو گئے۔ انور کا ذہن ہیرے کی کان میں الجھا ہوا تھا۔ ارشاد نے زبیدہ سے تو ہیرے کی کان کا تذکرہ کیا تھا لیکن ساجدہ کے متعلق کیوں نہیں بتایا۔ دوسری چیز اس سے بھی زیادہ الجھن پیدا کرنے والی تھی۔ وہ یہ ایسے علاقے میں اچانک ہیرے کی کان کی دریافت جس کے متعلق کبھی اُس کا خیال بھی ہو سکے۔ اب تک تاریکی میں کیوں پڑی رہی۔ اس کی تو خاصی شہرت ہونی چاہئے تھی۔

راستہ خراب ہونے کی وجہ سے وہ دیپ نگر تقریباً آدھے گھنٹے میں پہنچے۔ یہاں دو چار چھوٹے بنگلے بنے ہوئے تھے جو تقریباً تاریک تھے۔ صرف ایک بنگلے کی کھڑکیوں میں روشنی دے رہی تھی۔ سب انسپکٹر نے اُسی بنگلے کی طرف اشارہ کیا۔

"اوہ غالباً آپ بیگم ارشاد ہیں۔" کوتوالی انچارج انہیں آتا دیکھ کر بولا۔

"جی ہاں....!" ساجدہ غم آلود انداز میں بولی۔

"واقعی یہ ایک افسوس ناک حادثہ ہے۔" کوتوالی انچارج نے کہا۔ "چار بجے مجھے اطلاع ملی ارشاد صاحب نے خود کشی کر لی ہے۔" وہ پھر انور کی طرف مڑ کر بولا۔

"آپ کی تعریف....؟"

"انور سعید، روزنامہ اسٹار کا کرائم رپورٹر....!" انور نے کہا۔

"اوہ....!"

"میں انہیں اپنے ساتھ لائی ہوں۔" ساجدہ نے کہا۔

"دھارا سنگھ کا بیان ہے کہ ارشاد صاحب تین بجے اپنے ہاتھ میں ایک دونالی بندوق لئے کے سامنے بیٹھے تھے۔ دھارا سنگھ سمجھا کہ وہ شاید شکار کھیلنے جا رہے ہیں۔ پھر ساڑھے تین بجے نے دو فائروں کی آوازیں سنیں اور بھاگ کر اُس بنگلے میں آیا اور پھر پچھلے کمرے میں اُس ارشاد صاحب کی لاش دیکھی۔ انہوں نے کھڑے ہو کر اپنے چہرے پر دو فائر کئے تھے۔"

"بھلا آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ انہوں نے کھڑے ہو کر فائر کئے تھے؟" انور نے پوچھا۔

"انور صاحب میں نے آپ کی تعریف سنی ہے۔" کوتوالی انچارج طنزیہ لہجے میں بولا۔ "چلئے میں آپ کو سمجھاؤں۔"

وہ عقبی کمرے کی طرف مڑا.... انور اور ساجدہ اُس کے ساتھ ہو گئے۔

لاش ایک چادر سے ڈھکی ہوئی چارپائی پر پڑی تھی۔ کوتوالی انچارج نے منہ پر سے چادر سرکائی اور ساجدہ ایک ہولناک چیخ کے ساتھ انور کے بازوؤں میں آ رہی۔ چہرے پر چھرے لگنے کی وجہ سے گوشت کے پرخچے اڑ گئے تھے۔ ساجدہ بے ہوش ہو گئی لیکن یہ حالت زیادہ دیر تک قائم نہ رہی۔ اُس کی آنکھیں آہستہ آہستہ کھلیں اور اس طرح پھٹ کر رہ گئیں جیسے اپنے حلقوں میں جم گئی ہوں۔ کوتوالی انچارج نے پوری لاش پر سے چادر ہٹا دی اور سوالیہ نگاہوں سے ساجدہ کی طرف دیکھنے لگا۔

"ارشاد تم نے یہ کیا کیا۔" ساجدہ پھوٹ پڑی۔ انور اُسے سہارا دیتا ہوا کمرے سے باہر لے آیا اور تھوڑی دیر بعد ساجدہ کو روتا چھوڑ کر لاش والے کمرے میں لوٹ گیا۔

"انور صاحب۔" کوتوالی انچارج بولا۔ "ارشاد نے کھڑے ہو کر اپنے اوپر فائر کیے ہیں۔ یہ دیکھئے ان کا ایک جوتا اور موزہ اُترا پڑا ہے۔ انہوں نے بندوق کی لبلبی میں انگوٹھا پھنسا کر اپنے اوپر فائر کئے۔"

"یہ تو بالکل صاف ہے۔" انور نے کہا۔ "لیکن اس کا کیا ثبوت ہے کہ فائر کھڑے ہو کر کیے گئے؟"

"اوہو.... ادھر آیئے۔ یہاں دیوار میں دیکھئے، کچھ چھرے یہاں دیوار میں گھس گئے ہیں۔ اس جگہ کی اونچائی فرش سے تقریباً چھ سات فٹ ہے اگر انہوں نے بیٹھ کر بندوق چلائی ہوتی تو نالی کا زاویہ اتنی اونچائی تک چھرے نہ پھینک سکتا۔"

"ٹھیک ہے۔" انور نے کہا اور جھک کر فرش پر کچھ دیکھنے لگا اور پھر ایک گہرا سانس لے کر سیدھا کھڑا ہو گیا۔ وہ پُر معنی انداز میں کوتوالی انچارج کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

"بہرحال خود کشی ثابت ہے۔" کوتوالی انچارج خود اعتمادی کے لہجے میں بولا۔

"قطعی ثابت ہے" انور نے مسکرا کر کہا۔ "ارشاد نے ایک بار لیٹ کر خود کشی کی اور ایک بار کھڑے ہو کر۔"

"کیا مطلب....؟"

"یہاں آیئے.... کیا آپ نے فرش نہیں دیکھا۔ دیکھئے یہاں بھی کچھ چھرے گرے ہیں اور بارود کے دھوئیں کا ہلکا سا دھبہ بھی ہے جو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ فائر کی حالت میں بندوق کے دہانے کا فاصلہ زمین سے صرف ایک یا دو بالشت رہا ہوگا۔"

"اوہ....!" کوتوالی انچارج سٹپٹایا۔

"لیکن یہ بتانا دشوار ہے۔" انور مخصوص طنزیہ لہجے میں بولا۔ "کہ پہلے اُس نے کھڑے ہو کر خودکشی کی یا لیٹ کر۔"

"تو پھر اسے کیا سمجھا جائے؟" کوتوالی انچارج بڑبڑایا۔

"قتل صریحی قتل....!" انور بولا۔ "ممکن ہے وہ بھری ہوئی بندوق پر ٹھوڑی ٹیکے کسی خیال میں مستغرق رہا ہو اور کسی نے لبلبی دبا دی اور اس کے گر جانے پر دوسرا فائر کر دیا ہو۔ یہ کام کسی ایسے ہی شخص کا ہو سکتا ہے جسکے متعلق خود ارشاد بھی یہ شبہہ نہ کر سکتا رہا ہو کہ وہ اُس پر قاتلانہ حملہ بھی کر سکتا ہے۔ یہ دھارا سنگھ کون ہے جس نے خودکشی کی اطلاع آپ تک پہنچائی؟"

"دھارا سنگھ ہیرے کی کان کا ایک ساجھی دار ہے۔"

"وہ ہے کہاں؟"

"اپنے بنگلے میں.... اس حادثے کی وجہ سے اُس کی حالت ٹھیک نہیں۔ بظاہر اچھا خاصا ہے مگر ہے کمزور دل آدمی۔"

"ذرا اُسے بلوایئے؟" انور نے کہا۔

ایک مشتبہ آدمی

"یہ تو معاملہ ہی الٹ گیا۔" کوتوالی انچارج نے کہا۔

"گھبرایئے نہیں میں قتل والی دریافت آپ ہی کے سر تھوپوں گا۔" انور نے کہا۔

"یعنی....؟"

"اپنے اخبار میں آپ کے کارنامے بڑھا چڑھا کر لکھواؤں گا۔"

"ارے نہیں صاحب مجھے سچائی عزیز ہے۔" کوتوالی انچارج خاکسارانہ انداز میں بولا۔

"گھبرایئے نہیں.... جھوٹ نہیں بولوں گا۔"

کوتوالی انچارج باہر چلا گیا۔ انور ساجدہ کے پاس چلا آیا۔

"یہ خودکشی نہیں بلکہ کھلا ہوا قتل ہے۔" انور نے کہا۔

ساجدہ اچھل پڑی۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے انور کی طرف دیکھ رہی تھی۔ انور نے اسے مختصر الفاظ میں سب کچھ بتا دیا۔ ساجدہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اُس کا چہرہ ہر قسم کے تاثرات سے عاری نظر آرہا تھا۔ سپاٹ اور بے جان.... ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کچھ سوچ ہی نہیں رہی ہے۔ اُس کے ذہن میں ایک خلاء ہے۔ جس میں تاریکیوں کے علاوہ کچھ نہیں۔

تھوڑی دیر بعد کوتوالی انچارج واپس آگیا۔ اُس کے ساتھ ایک فربہ اندام اور معمر آدمی تھا۔ اُس کے چہرے پر زردی چھائی ہوئی تھی لیکن اس زردی کی تہہ کے نیچے سے بھی طبیعت کی سختی پھوٹی پڑ رہی تھی۔

"فائر کی دوسری آواز کتنے وقفے کے بعد ہوئی تھی؟" انور نے اُس سے پوچھا۔

دھارا سنگھ نے اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیری اور تھوک نگل کر رہ گیا۔

"میں آپ ہی سے پوچھ رہا ہوں۔" انور نے دوبارہ کہا۔

"جی اس کا تو مجھے دھیان نہیں۔" دھارا سنگھ بولا۔

"دوسرے فائر کے بعد آپ اس بنگلے میں کتنی دیر میں پہنچے تھے؟"

"فوراً ہی۔"

"گویا آپ فائر کی آواز کا انتظار کر رہے تھے؟"

"جی....!" دھارا سنگھ چونک پڑا۔

"جی ہاں....!" انور معنی خیز انداز میں بولا۔

"جی نہیں....!" دھارا سنگھ نے جلدی سے کہا۔

"کیا نہیں؟"

"میں فائر کی آواز سن کر گھبرا گیا تھا۔" دھارا سنگھ نے کہا۔

"تو خیر.... تم بتا سکتے ہو کہ ارشاد کی خودکشی کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟" انور نے اُس سے پوچھا۔

"جی وہ جب آئے تھے پریشان تھے۔ مجھ سے بیس ہزار روپیہ مانگا۔ بھلا میرے پاس اب رقم کہاں سے آتی جو کچھ تھا اس کان پر لگا چکا تھا۔"

"وہ یہاں کب آیا تھا؟"

"آج ہی دو بجے۔"

"اس کے ساتھ اور کون تھا؟"

"جی کوئی نہیں۔"

"وہ یہاں کیوں آیا تھا....؟" انور نے پوچھا۔

"کہہ تو رہا ہوں کہ مجھ سے روپے مانگنے۔"

"بندوق کس کی تھی؟"

"میری ہی۔"

"تو کیا اُس نے کہا تھا کہ وہ شکار کھیلنا چاہتا ہے؟"

"جی ہاں۔"

"اور آپ یہ جانتے ہیں کہ کسی کو اپنی بندوق دینا جرم ہے؟"

"جی ہاں۔ مجھ سے یہ غلطی ضرور ہوئی۔"

"اس کے علاوہ بھی آپ نے ایک غلطی کی ہے۔" انور بولا۔

"جی....؟" دھارا سنگھ پھر چونکا۔

"آپ نے اُسے بھری ہوئی بندوق دے دی۔"

"بھری ہوئی۔ جی نہیں۔ نہیں یہ بالکل جھوٹ ہے۔"

"شکار گاہ یہاں سے کتنی دور ہے؟" انور نے پوچھا۔

"دو میل....!"

"تو پھر یہیں سے بندوق بھر لینے کا مطلب نہیں سمجھ میں آتا۔" انور نے کہا۔

"مطلب.... ارے صاحب انہیں خودکشی یہیں کرنی تھی۔ شکار گاہ جا کر کیا کرتے۔" دھارا سنگھ نے کہا۔

"جی یہ خودکشی نہیں بلکہ قتل ہے۔" انور نے کہا۔

"قتل.... قتل.... نہیں نہیں.... قتل کیوں۔" دھارا سنگھ ہکلانے لگا۔

"یہ میں آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ قتل کیوں؟"

"مم میں.... کیا جانوں.... گکیا.... جنوں....!"

"ہوں....!" انور ہونٹ بھینچ کر کوتوالی انچارج کی طرف مڑا۔ "کیا خیال ہے داروغہ جی۔"

"معاملات کچھ الجھ کر رہ گئے ہیں۔" کوتوالی انچارج اکتائے ہوئے لہجے میں بولا۔

"پھر کیا ارادہ ہے؟"

"دھارا سنگھ کو کوتوالی تک جانا پڑے گا۔" کوتوالی انچارج نے کہا۔

"کیوں....؟" دھارا سنگھ نے بے ساختہ پوچھا۔

"اس لئے کہ آپ نے اپنی بندوق ارشاد کو دی تھی اور اُسی بندوق سے اُس نے خودکشی کی۔" کوتوالی انچارج نے کہا۔

"مگر میں اُس کی نیت سے واقف نہیں تھا۔" دھارا سنگھ نے کہا۔

"کسی کو بندوق دینا ہی غیر قانونی ہے۔" کوتوالی انچارج بولا۔

"تو کیا مجھے حوالات....؟"

"جی ہاں۔" کوتوالی انچارج نے کہا اور انور کی طرف دیکھ کر بولا۔ "آپ مسز ارشاد کو لے کر کہاں ٹھہریں گے؟"

"کہیں کسی ہوٹل میں۔" انور نے کہا۔ "لیکن کیا ہم لوگوں کی موجودگی یہاں ضروری ہے؟"

"جی ہاں.... میں ارشاد کے متعلق معلومات بہم پہنچانا چاہتا ہوں۔" کوتوالی انچارج نے کہا۔

"اور میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ اس ہیرے کی کان کے اور کتنے حصے دار ہیں؟" انور نے کہا۔

"ایک اور ہے۔" دھارا سنگھ نے کہا۔

"وہ کہاں ہے؟" انور نے پوچھا۔

"تارجام میں۔"

"اب تک کتنا ہیرا نکل چکا ہے؟" انور نے پوچھا۔

"صرف چند ذرے۔" دھارا سنگھ نے کہا۔

"کام کب سے ہو رہا ہے؟"

"چھ ماہ سے۔"

"تو اس کا یہ مطلب کہ ابھی تک کاروبار نقصان ہی پر چل رہا ہے؟"

"جی ہاں۔"

"ہیرے کی کان کا ٹھیکہ کس کی تحریک میں لیا گیا تھا؟"

"ارشاد صاحب سب سے بڑے حصے دار تھے۔ انہیں کی تحریک سے ٹھیکہ لیا گیا تھا۔"

"آپ انہیں کب سے جانتے تھے؟"

"آج سے چھ ماہ قبل سیٹھ اطہر نے مجھے اُن سے ملایا تھا۔"

انور کچھ سوچنے لگا اور کمرے میں خاموشی چھا گئی۔ باہر سناٹا طاری تھا۔ تاریکی کی سیاہ چادر شے پر محیط تھی۔ ساجدہ بالکل ساکت بیٹھی تھی ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اُسے سکتہ ہو گیا تھوڑی دیر بعد پولیس کی لاری وہاں آ کر رکی۔ کوتوالی انچارج نے لاش اٹھوا کر اُس پر رکھوا دی پھر دھارا سنگھ کو بھی وہاں لایا گیا۔ دھارا سنگھ کے سارے جسم پر کپکپی طاری تھی۔

"آگے چل کر بیٹھیئے۔" کوتوالی انچارج نے اُس سے کہا۔

"تو کیا واقعی؟"

"جی ہاں.... آپ حراست میں ہیں۔"

"مگر.... مگر....!" وہ ہچکچایا.... کوتوالی انچارج نے اُس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر آ بڑھانے کی کوشش کی۔ لاری اسٹارٹ ہو چکی تھی۔ ہیڈ لائیٹس کی روشنی سامنے سڑک پر دور پھیلی ہوئی تھی۔ دھارا سنگھ نے پائیدان پر پیر رکھا ہی تھا کہ کسی طرف سے اچانک فائر ہوا دھارا سنگھ چیخ مار کر پہلے تو ڈرائیور کی سیٹ پر گرا اور پھر اچھل کر زمین پر آ رہا۔ وہ ایک تازہ کیے ہوئے مرغ کی طرح تڑپ رہا تھا۔

"اِدھر.... اُدھر....!" انور ایک طرف تاریکی میں ہاتھ اٹھا کر چیخا۔ پولیس والوں کی ٹا کی روشنیاں اندھیرے کا سینہ چیرنے لگیں۔ انور ایک طرف بے تحاشہ دوڑا جا رہا تھا۔ کوتو انچارج اور پولیس والے اُس کے پیچھے تھے۔ دور تک اونچی نیچی پہاڑیوں اور کانٹے دار جھاڑیوں سلسلہ پھیلا ہوا تھا۔ تقریباً آدھے گھنٹے تک وہ سب اِدھر اُدھر مارے مارے پھرتے رہے لیکن لے کا سراغ نہ ملا آخر وہ بے نیل و مرام واپس لوٹے۔ یہاں ایک دوسرا حادثہ اُن کا منتظر

ساجدہ اپنی کار کے پائیدان سے ٹکی زمین پر پڑی تھی۔ اُس کا سر ایک طرف ڈھلکا ہوا تھا۔ انور بے اختیار اُس پر جھک پڑا۔ کوتوالی انچارج بوکھلائے ہوئے انداز میں اِدھر اُدھر دیکھ رہا تھا۔

"بے ہوش ہو گئی ہے۔" انور نے ساجدہ کو اپنے ہاتھوں پر اٹھاتے ہوئے کہا۔ اُس نے اُسے کی پچھلی سیٹ پر ڈال دیا۔

"میرا خیال ہے کہ اب ہمیں یہاں رکنا نہ چاہیئے۔" انور نے کوتوالی انچارج سے کہا اور پھر وہ دھارا سنگھ کی طرف متوجہ ہوا جو زمین پر بے حس و حرکت پڑا ہوا تھا۔ "اسے بھی اٹھوائیے ختم ہو چکا ہے۔"

دھارا سنگھ کی لاش بھی لاری میں رکھ دی گئی۔

"آپ اِدھر کار میں آ جائیے....!" انور نے کوتوالی انچارج سے کہا۔ وہ انور کے برابر بیٹھ گیا انور نے انجن اسٹارٹ کر دیا۔ ان کی کار پولیس لاری کے پیچھے چل پڑی تھی۔

"یہ دوسرا قتل میری وجہ سے ہوا۔" انور نے کہا۔

"آپ کی وجہ سے کیوں؟" کوتوالی انچارج چونک کر بولا۔

"اگر خودکشی قتل نہ ثابت ہوتی تو دھارا سنگھ شاید زندہ رہتا۔"

"تو اس کا یہ مطلب کہ ارشاد ہی کا قاتل اس کا بھی قاتل ہے؟"

"قطعی....!" انور نے کہا۔ "اس دوران میں قاتل ہمارے آس پاس ہی رہا اور جب اُس نے دیکھا کہ پانسہ پلٹ چکا ہے اور پولیس دھارا سنگھ کو لیے جا رہی ہے تو اُس نے اُسے بھی قتل کر دیا۔"

"کیوں....؟" کوتوالی انچارج نے چونک کر کہا۔

"دھارا سنگھ کی زبان بند کرنے کے لئے۔ وہ ارشاد کے قاتل سے واقف تھا۔"

"اوہ....!"

"لیکن اب اُس کا ملنا محال ہی معلوم ہوتا ہے۔" انور نے کہا۔

"یہ کیوں....؟" کوتوالی انچارج نے پوچھا۔

انور نے اُس کا کوئی جواب نہ دیا۔ اُس کے ہونٹ بھنچے ہوئے تھے اور آنکھوں کے حلقے تنگ ہو گئے تھے۔

"سیٹھ اطہر کیسا آدمی ہے؟" انور نے کوتوالی انچارج سے پوچھا۔

"میں اُس کے متعلق اچھی رائے نہیں رکھتا۔ وہ دیکھتے ہی دیکھتے بڑھا ہے، پولیس اُ
طرف سے ہمیشہ مشکوک رہتی ہے۔"

"کیوں پولیس مشکوک کیوں رہتی ہے؟" انور نے پوچھا۔

"وہ ہمارے دیکھتے ہی دیکھتے کافی دولت مند ہو گیا۔ بظاہر کوئی ایسا ذریعہ دکھائی نہیں دیتا
کی بناء پر اُس کی دولت کو جائز سمجھا جائے۔"

انور معنی خیز انداز میں سر ہلا کر رہ گیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ کوتوالی پہنچ گئے اور ان دونوں حادثوں کی خبر سارے علاقے میں پھیل
ساجدہ ہوش میں ضرور آ گئی تھی لیکن اُس کی حالت ابتر تھی۔ انور نے اُسے آرام دہ
میں ٹھہرا دیا اور خود کوتوالی چلا آیا۔ یہاں کوتوالی انچارج سیٹھ اطہر کا انتظار کر رہا تھا جسے اُس
بھیجا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد سیٹھ اطہر اُس کے دفتر میں داخل ہوا۔ یہ ایک قوی الجثہ اور
القامت آدمی تھا۔ عمر تیس اور چالیس کے درمیان ہی رہی ہو گی۔ اُس کے لباس اور رکھ
سے معلوم ہو رہا تھا کہ وہ ایک شوقین مزاج آدمی ہے۔ وہ اس طرح مسکراتا ہوا داخل ہوا تھا
اُسے ان حادثات کی اطلاع نہ رہی ہو، قبل اس کے کہ کوئی اُس سے کچھ پوچھتا وہ خود ہی بولا۔

"مجھے ابھی ابھی دوسرے حادثے کی بھی اطلاع ملی ہے میں آنے کی تیاری ہی کر رہا
آپ کا آدمی پہنچا۔"

"پہلے حادثے کی اطلاع آپ کو تھی؟" انور نے پوچھا۔

"جی ہاں۔"

"اور آپ دیپ نگر نہیں آئے؟"

"میں کیوں جاتا۔ میں اچھی طرح جانتا تھا کہ ارشاد کے لئے اب خود کشی کے علاوہ کو
چارہ نہیں رہ گیا۔"

"کیوں یہ آپ کیسے جانتے تھے؟" انور نے پوچھا۔

"وہ بالکل دیوالیہ ہو چکا تھا لیکن مجھے دھارا سنگھ کے مرنے کا افسوس ہے۔ اُس غر
محض میری وجہ سے اس ناشدنی کان میں روپیہ لگایا تھا۔ لیکن اُسے کس نے اور کیوں قتل کر

"جس نے ارشاد کو قتل کیا ہے۔" کوتوالی انچارج نے کہا۔

"قتل...." سیٹھ اطہر نے چونک کر پوچھا۔ "میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا؟"

"ارشاد نے خود کشی نہیں کی بلکہ اُسے کسی نے قتل کر دیا۔"

"ہیں....؟" سیٹھ اطہر نے کہا اور کسی سوچ میں پڑ گیا۔

"آپ ارشاد کو کب سے جانتے تھے؟" انور نے پوچھا۔

"جی....؟" اطہر نے چونک کر کہا اور انور کو غور سے دیکھتا ہوا بولا۔ "میں اُسے عرصے سے
جانتا تھا اور اُسے بڑا آدمی سمجھتا تھا لیکن ڈھول کے اندر پول کا علم اس کان میں روپیہ لگا دینے کے
بعد ہوا۔"

"تو آپ اُس سے ناراض تھے؟" کوتوالی انچارج نے کہا۔

"جی ہاں، بہت بُری طرح۔"

"کیوں....؟"

"بھلا یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے، میں نے اُس کی باتوں میں آ کر خاصی رقم گنوا دی۔"

"تھوڑا بہت ہیرا نکلا ہے کان سے؟" کوتوالی انچارج نے کہا۔

"صرف چند ذرات لیکن مجھے اس میں شبہ ہے۔ میں ایک بالشت گہرا گڑھا کھود کر اُس میں
کبھی ہیرے کے ذرات برآمد کر سکتا ہوں۔" سیٹھ اطہر نے کہا۔

"تو آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ارشاد نے آپ کو دھوکہ دیا تھا....؟" انور نے کہا۔

"جی ہاں.... میں یہی کہوں گا اور اس کے لئے میرے پاس ثبوت موجود ہے۔"

"کیا....؟"

"اُس کے ساتھ جو انجینئر بھانت بھانت کے آلے لے کر آیا تھا ایک مشہور بدمعاش اور
بلیک میلر تھا۔"

"اس پر بھی آپ پھنس گئے؟" انور نے کہا۔

"جی نہیں یہ تو مجھے آج معلوم ہوا ہے۔" سیٹھ اطہر نے کہا۔

"کیسے....؟"

"آج میں نے ایک اخبار میں اُس کی تصویر دیکھی تھی۔ وہ دھوکہ دہی کے ایک معاملے میں
پکڑا گیا ہے۔"

"شاید آپ اجیت کمار کی بات کر رہے ہیں؟" انور نے کہا۔

"جی ہاں.... اجیت کمار۔ وہی اُس کے ساتھ انجینئر بن کر آیا تھا اور اُس نے بہتیرے آلا
کی مدد سے یہ بات ثابت کی تھی کہ یہاں ہیرے کی کان ہے اور ہم لوگ بڑی خوشی سے ر
لگانے کے لئے تیار ہو گئے تھے۔ بہر حال میں اس اطلاع کے بعد شہر جانے کی تیاری ہی کر رہا تھا
مجھے ارشاد کی خودکشی کے بارے میں معلوم ہوا۔ میں اس نتیجے پر جلد ہی پہنچ گیا کہ اجیت کمار
تصویر شائع ہو جانے کی وجہ سے گھبرا کر اُس نے خودکشی کر لی۔ لیکن اب آپ کہتے ہیں کہ ا
کسی نے قتل کر دیا۔ خیر ایسے آدمیوں کا یہی انجام ہوتا ہے لیکن دھارا سنگھ کے قتل کی وجہ
میں نہیں آتی۔"

"بہر حال آپ کو اُس سے دشمنی تھی؟" کوتوالی انچارج نے کہا۔

"قطعی.... لیکن اتنی بھی نہیں کہ اُسے قتل کر دیتا۔" سیٹھ اطہر مسکرا کر بولا۔ یہ مسکراہ
کچھ عجیب سی تھی۔ جسے کوتوالی انچارج مشکوک سمجھے بغیر نہ رہ سکا۔

"دھارا سنگھ تو آپ کا جگری دوست تھا؟" کوتوالی انچارج نے پوچھا۔

"جی ہاں۔"

"ارشاد سے اُس کے کیسے تعلقات تھے؟"

"بُرے نہیں تھے۔"

"ایک بات۔" انور نے کوتوالی انچارج کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہا۔ "اجیت کمار کا راز معلو
ہونے کے بعد فطری طور پر آپ کو شہر جانے کے بجائے دھارا سنگھ کو اس کی اطلاع دینے
لئے جانا چاہئے تھا۔"

"جی ہاں میں دھارا سنگھ سے ملتا ہوا شہر جاتا۔" اطہر نے کہا۔ "اور جب مجھے یہ معلوم ہوا
ارشاد نے دیپ نگر میں خودکشی کی ہے تو میں سمجھ گیا کہ اُسے بھی یہیں آ کر اجیت کمار کی تصو
شائع ہونے کا حال معلوم ہوا اور اُس نے بچاؤ کی کوئی صورت نہ دیکھتے ہوئے خودکشی کر لی۔"

"لیکن دھارا سنگھ کو اجیت کمار والے واقعے کی اطلاع نہیں تھی۔" کوتوالی انچارج نے کہا۔

"ارشاد اُس سے بیس ہزار روپے لینے کے لئے یہاں آیا تھا۔"

"تو پھر اگر دھارا سنگھ خود نہ مار ڈالا جاتا تو میں یہی سمجھتا کہ اُس نے ارشاد کو قتل کیا؟"

نے کہا۔ "آدمی چاہے کتنا ہی نیک کیوں نہ ہو لیکن جب اُس پر اچانک یہ بات ظاہر ہوتی ہے
وہ دھوکہ کھا گیا ہے تو وہ تھوڑی دیر کے لئے غصے سے پاگل ضرور ہو جاتا ہے۔"

"تو پھر اُس اصول کے تحت تو آپ بھی ارشاد کے قاتل ہو سکتے ہیں۔" انور نے کہا۔

"لیکن میں....!"

"آپ نے بے چارے دھارا سنگھ کو بھی اپنے جرم میں شریک کر لیا اور جب یہ دیکھا ہو کہ
کشی قتل میں تبدیل ہو گئی تو آپ نے اس ڈر سے دھارا سنگھ کو قتل کر دیا ہو کہ کہیں پولیس اُس
سب کچھ اگلوا نہ لے۔" انور نے کہا۔

اطہر دفعتاً کچھ کہتے کہتے خاموش ہو گیا۔ کوتوالی انچارج اُسے تیز نظروں سے گھور رہا تھا۔

"خیر میں اس کے لئے درجنوں ثبوت مہیا کر سکوں گا کہ آج صبح سے اس وقت تک میں تار
ہی میں رہا اب مجھے یہاں اور کتنی دیر بیٹھنا پڑے گا؟"

"جس وقت تک آپ کا دل چاہے.... آپ جا سکتے ہیں۔" کوتوالی انچارج نے مسکرا کر کہا۔
"ہم نے محض چند معلومات حاصل کرنے کے لئے آپ کو تکلیف دی تھی۔"

"شکریہ....!" اطہر نے اٹھتے ہوئے کہا اور پھر کمرے سے چلا گیا۔ کوتوالی انچارج بھی فوراً
اٹھ کر باہر چلا گیا۔

پُراسرار ہمدردی

تھوڑی دیر بعد کوتوالی انچارج پھر واپس آ گیا۔ انور خیالات میں ڈوبا ہوا تھا۔ اور جب وہ چونکا
تو اُس نے محسوس کیا کہ کوتوالی انچارج اُس کی طرف دیکھ کر معنی خیز انداز میں مسکرا رہا ہے۔ انور
بھی خواہ مخواہ مسکرانے لگا۔

"مسٹر انور میں آپ کے مداحوں میں سے ہوں۔" کوتوالی انچارج نے اُس کی آنکھوں میں
دیکھتے ہوئے کہا۔ "لیکن کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ بیگم ارشاد خصوصیت سے آپ کو اپنے ساتھ
کیوں لے آئی ہیں؟"

"آپ کا یہ سوال ذہانت سے بھرپور ہے۔" انور مسکرا کر بولا۔ "اس خصوصیت کی سب سے

بڑی وجہ یہ ہے کہ بیگم ارشاد مجھے اچھی طرح جانتی ہیں۔"

"یہ تو کوئی وجہ نہ ہوئی۔" کوتوالی انچارج نے کہا۔ "اور بہتوں کو بھی وہ اچھی طرح جانتی ہوں گی؟"

"جانتی ہوں گی اور بھلا اس میں مجھے اعتراض ہی کیا ہو سکتا ہے۔" انور نے مسکرا کر کہا

"بات یہ نہیں مسٹر انور، اُن کے اس رویے پر ہمیں سنجیدگی سے غور کرنا چاہئے۔" کوتوالی انچارج بولا۔

"میں غور کرنے کے لئے تیار ہوں۔ چلئے۔" انور شانے اچھال کر بولا۔

"میرا خیال ہے کہ بیگم ارشاد کو پہلے ہی سے اس خودکشی پر شبہ تھا، اسلئے وہ آپ کو ساتھ لا

"ممکن ہے یہی بات رہی ہو لیکن انہوں نے اس کے متعلق مجھ سے کچھ نہیں کہا سگریٹ سلگاتا ہوا بولا۔

"اور اگر ایسا ہے تو انہیں اپنے شبہہ کی وجہ بتانی پڑے گی۔" کوتوالی انچارج نے کہا۔

"ضرور بتانی پڑے گی۔" انور نے اُسی کے لہجے کی نقل کی۔ کوتوالی انچارج بھنا کر گھورنے لگا۔

"غالباً اب وہ ٹھیک ہوں گی۔" کوتوالی انچارج بولا۔ "میں اُن سے اس کے بارے میں گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔ سیٹھ اطہر کی گفتگو سے ارشاد کی پوزیشن کچھ خراب ہو گئی ہے۔"

"کیوں پوزیشن کیوں خراب ہو گئی؟"

"وہ اجیت کمار والا معاملہ....!" کوتوالی انچارج نے کہا۔

"اور آپ نے اس پر یقین کر لیا....؟"

"یقین نہ کرنے کی وجہ؟"

"اچھا تو اس پر بھی یقین کر لیجئے کہ ارشاد پیدا ہی نہیں ہوا تھا۔"

"کمال کیا آپ نے۔" کوتوالی انچارج ہنس کر بولا۔

"اچھا اس پر یقین نہ کرنے کی وجہ کیا ہے؟"

"ارے بھئی میں ارشاد کو اچھی طرح جانتا تھا۔" کوتوالی انچارج ہنستا ہوا بولا۔

"تو اس سے یہ ثابت ہوا کہ ارشاد کا وجود تھا۔ لیکن اجیت کمار والے واقعے کے متعلق

علاوہ اور دوسرا گواہ کون ہے؟"

"اوہ....!" کوتوالی انچارج انور کی طرف دیکھ کر بولا۔ "دھارا سنگھ.... دھارا سنگھ.... نے

انجینئر کے روپ میں ضرور دیکھا ہو گا۔"

"لیکن وہ بے چارہ اس بیان کی تصدیق کرنے کے لئے عدالت میں نہ حاضر ہو سکے گا۔" انور

زیہ انداز میں بولا۔

کوتوالی انچارج خاموش ہو گیا۔ انور نے ختم ہوتے ہوئے سگریٹ سے دوسرا سگریٹ سلگایا

ہلکے ہلکے کش لینے لگا۔

"بہرحال مجھے بیگم ارشاد سے گفتگو کرنی ہے۔" کوتوالی انچارج اٹھتا ہوا بولا۔

انور اٹھ ہی رہا تھا کہ ایک پستہ قد اور دوہرے جسم کا آدمی کمرے میں داخل ہوا۔ یہ سیاہ سوٹ ملبوس تھا۔ اُس کے چہرے کی تھکن اور کپڑوں پر پڑی ہوئی گرد سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ کوئی سفر کر کے آ رہا ہے۔ اُس کی عمر کچھ زیادہ نہ تھی مگر قبل از وقت سر کے بال گر جانے کی وجہ سے عمر معلوم ہو رہا تھا۔

"میں.... میں.... ارشاد مرحوم کے سلسلے میں یہاں آیا ہوں۔" وہ دروازے پر ٹھٹک کر بولا۔

"آپ کون ہیں؟" کوتوالی انچارج نے پوچھا۔

"میرا نام رضوان ہے۔ ارشاد میرا دوست تھا۔ اُس نے مجھ سے بیس ہزار روپے مانگے تھے اور لکھا تھا کہ وہ آج ہی کے دن تارجام میں ملے گا۔ پہلے تو میں نے اُسے لکھ دیا تھا کہ میں انتظام نہیں کر سکتا لیکن پھر اتفاق سے روپے دستیاب ہو گئے اور میں سیدھا یہیں چلا آیا مگر یہاں آ کر معلوم ہوا....!"

"بیٹھ جایئے۔" کوتوالی انچارج کرسی کی طرف اشارہ کر کے بولا۔ "آپ کہاں رہتے ہیں؟"

"اُسی شہر میں جہاں ارشاد رہتا تھا۔ لیکن میں ایک کاروباری ضرورت سے رام گڑھ چلا گیا تھا۔ وہیں مجھے ارشاد کا خط ملا.... اور کچھ.... سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ کیا ہو گیا۔"

انور بڑے غور سے رضوان کی طرف دیکھ رہا تھا لیکن وہ کچھ بولا نہیں۔

"مسٹر انور آپ انہیں پہچانتے ہیں؟" کوتوالی انچارج نے پوچھا۔

"نہیں.... میں نے اس سے پہلے انہیں کبھی نہیں دیکھا۔" انور نے جواب دیا۔

“تو آپ وہ بیس ہزار روپے لائے ہیں؟” کوتوالی انچارج نے کہا۔

“جی ہاں....!” رضوان نے کوٹ کی جیب سے سو سو روپے کے نوٹوں کے گ
نکالے۔

“بیگم ارشاد آپ کو پہچانتی ہیں؟”

“جی ہاں.... اچھی طرح۔” رضوان بولا۔

“اچھا تو پھر ہم لوگ وہیں چل رہے ہیں۔” کوتوالی انچارج اٹھتا ہوا بولا۔ “وہ رائل
میں ہیں۔”

“اوہ ضرور چلئے.... ضرور چلئے۔ بیچاری ساجدہ۔” رضوان اندوہناک آواز میں بولا۔

وہ لوگ کار میں بیٹھ کر رائل ہوٹل کیطرف روانہ ہوگئے۔ انور اس دوران میں کچھ نہیں بو
وہ بہت دلچسپی سے رضوان کا جائزہ لے رہا تھا۔ راستے بھر خاموشی رہی۔ رائل ہوٹل
وہ ساجدہ کے کمرے میں داخل ہوا۔ ساجدہ ایک کرسی پر آنکھیں بند کئے بیٹھی تھی۔ رضو
دیکھ کر اُس کے ہونٹ کانپے، نتھنے پھڑکے اور آنسوؤں کا سیلاب امنڈ پڑا۔

“یہ آخر ہوا کیا؟” رضوان بے ساختہ بولا۔

ساجدہ منہ ڈھانپ کر رونے لگی۔ یہ تینوں خاموشی سے بیٹھ گئے۔ آہستہ آہستہ ساجد
سسکیاں کم ہوتی جارہی تھیں اور پھر وہ بالکل خاموش ہوگئی۔

“اگر آپ کی طبیعت ٹھیک ہو تو میں کچھ پوچھنے کی جرأت کروں۔” کوتوالی انچارج نے کہ

“پوچھئے....!” ساجدہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

“کیا آپ کو شہر سے چلتے وقت اس قسم کا شبہ تھا کہ ارشاد صاحب نے خودکشی نہیں کی؟

“قطعی نہیں۔ کچھ نہیں۔ میرے ذہن میں صرف ایک ہی خیال تھا کہ میں بیوہ ہوگئی
بس۔” ساجدہ پھر رو پڑی۔

“مجھے افسوس ہے کہ میرے اس سوال سے آپ کو تکلیف پہنچی۔” کوتوالی انچارج جلد
سے بولا۔

“نہیں.... آپ اور جو کچھ پوچھنا چاہیں.... میں....!”

“کیا آپ کو معلوم تھا کہ انہوں نے رضوان صاحب سے بیس ہزار روپے مانگے تھے؟”

“جی نہیں مجھے اس کی کوئی اطلاع نہیں۔”

“اچھا آپ انور صاحب کو اپنے ساتھ کیوں لائی ہیں؟” کوتوالی انچارج نے پوچھا۔

ساجدہ انور کی طرف دیکھنے لگی جو اپنے گردوپیش سے بے خبر خیالات میں ڈوبا ہوا سگریٹ
کش لے رہا تھا اور ساجدہ نے اپنے شوہر کی یادداشت کھو بیٹھنے کی داستان دہرا دی اور اس سلسلے
انور سے مدد کی طالب ہونے کا حال بھی بتایا۔

“تو آپ نے اس مسئلے میں پولیس کی مدد کیوں نہ لی؟” کوتوالی انچارج نے پوچھا۔

“اس طرح بات پھیلتی اور تجارت کے ساجھی داروں کو مال گول کرنے کا موقع مل جاتا۔”
ساجدہ نے کہا۔

“مگر حالات تو کچھ ایسے پیش آتے ہیں جن کی بناء پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ ارشاد صاحب کی
یادداشت پر کوئی غیر معمولی اثر نہیں تھا۔ اگر ایسا ہوتا تو انہیں ہیرے کی کان بھی نہ یاد رہتی۔ وہ
بیس ہزار روپے بھی نہ یاد رہتے جن کی انہیں ضرورت تھی کیوں انور صاحب؟”

“میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔” انور نے کہا اور سگریٹ کا ٹکڑا فرش پر گرا کر پیر سے مسل دیا۔

“کیا آپ ایسے آدمی یا آدمیوں کے نام بتا سکتی ہیں جو اُن سے دشمنی رکھتے ہوں۔” کوتوالی
انچارج نے ساجدہ سے پوچھا۔

“مشکل ہے۔ نہیں اُنکے دوستوں کے متعلق کچھ جانتی ہوں اور نہ دشمنوں کے متعلق۔”

“رضوان صاحب سے اُن کے کیسے تعلقات تھے؟”

“اچھے تھے۔”

اس کے بعد کوتوالی انچارج کچھ اور باتیں بھی پوچھتا رہا اور انور اٹھ کر نیچے ہال میں چلا گیا۔ وہ
ابھی تک خیالات میں ڈوبا ہوا تھا۔ اُس نے کافی کا آرڈر دیا اور بیٹھ کر سگریٹ سلگانے لگا۔ وہاں
بیٹھے بیٹھے اُس نے کافی کے کئی کپ پیئے۔ تقریباً آدھ گھنٹہ کے بعد وہ اٹھ ہی رہا تھا کہ رضوان
آگیا۔ انور نے اٹھنے کا ارادہ ملتوی کردیا۔ رضوان کرسی گھسیٹ کر اُس کے قریب بیٹھ گیا۔

“میری سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ کیا ہوگیا۔” رضوان آہستہ سے بولا۔

“وہی جو ایسے معاملات میں ہوتا آیا ہے۔” انور نے رضوان کو گھورتے ہوئے جواب دیا۔

“میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔”

"میرا کوئی مطلب نہیں۔" انور آہستہ سے بڑبڑایا۔ رضوان کچھ نہیں بولا۔ وہ خاموشی
انور کو گھورتا رہا۔ پھر تھوڑی دیر بعد غم زدہ آواز میں بولا۔ "آخر بے چاری ساجدہ کا کیا ہوگا؟"

"جی....؟" رضوان اس طرح اچھلا جیسے کرسی نے ڈنگ مار دیا ہو۔

"جی ہاں....!" انور سنجیدگی سے بولا۔

"مم.... میں آپ کا مطلب.... نن....!"

"نہیں سمجھا۔" انور نے طنزیہ انداز میں جملہ پورا کردیا اور معنی خیز انداز میں مسکرا
اور پھر رضوان کا شانہ تھپک کر کہنے لگا۔ "پولیس آپ کی طرف سے بہت زیادہ مشکو
ہوجائے گی۔ رضوان صاحب ساجھے کی تجارت تو چل ہی جاتی ہے مگر ساجھے کی عورت۔ آ
خود سوچئے کہ پولیس کس نتیجے پر پہنچے گی؟"

رضوان کے ماتھے پر پسینے کی ننھی ننھی بوندیں پھوٹ آئیں۔ ہونٹ خشک ہوگئے اور سو
ہوئے حلق میں سانس اٹکنے لگی۔ انور اُس کی حالت کے تغیر کو اچھی طرح محسوس کر رہا تھا لیکن
کچھ بولا نہیں۔

"اب تو واقعی میں بڑی مشکل میں پھنس گیا۔" رضوان تھوک نگلتا ہوا بولا۔

"مگر میں قسم کھانے کے لئے تیار ہوں کہ ساجدہ ساجھے کی نہیں۔"

"آپ اس کا کوئی ثبوت بہم نہ پہنچا سکیں گے۔"

"کیوں کیا ساجدہ سچی بات نہ کہے گی؟"

"تو بھی آپ پر ایک دوسرا چارج لگے بغیر نہ رہ سکے گا کہ آپ اُسے اغوا کر کے لائے ہیں"
انور بولا۔

"اور اگر میں اُسے اپنی بیوی ثابت کرادوں تو....؟"

"ناممکن ہے.... وہ ایک ضدی لڑکی ہے جب اُسے یہ معلوم ہوجائے گا کہ وہ اب تک
دھوکے میں رکھی گئی ہے تو دنیا کی کوئی طاقت اُسے سچ بولنے سے باز نہ رکھ سکے گی۔"

"تو کیا آپ اُسے عرصہ سے جانتے ہیں؟" رضوان گھبرا کر بولا۔

"جی نہیں کسی کے کردار کا مطالعہ کرنے کے لئے صرف ایک ہی گھنٹہ کافی ہوتا ہے۔"

رضوان تھوڑی دیر تک خاموش رہا پھر بولا۔

"بات دراصل یہ ہے مسٹر انور میں نے جو کچھ بھی کیا دوستی نبھانے کے لئے کیا۔"

"جہنم میں گئی ایسی دوستی۔" انور منہ بنا کر بولا۔ "اس کے لئے تم نے ایک معصوم لڑکی کی
زندگی برباد کردی.... لیکن لاحول ولا.... میں بھی تمہارے ہی دماغ سے سوچنے لگا۔ ممکن ہے وہ
ارشاد کی موجودگی میں تمہارے ہتھے نہ چڑھتی رہی ہو۔ اس لئے تم نے ارشاد ہی کو راستے سے ہٹا دیا
اور غریب دھارا سنگھ تو مفت میں مارا گیا۔"

"مسٹر انور....!" رضوان بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "آپ خواہ مخواہ مجھے پھانسنے کی
کوشش کر رہے ہیں۔"

"جی اگر خواہ مخواہ پھانسنے کا ارادہ ہوتا تو میں ساجدہ کا ذکر اُسی وقت چھیڑ دیتا جب تم کوتوالی
لائے گئے تھے لیکن میں ساجدہ والے معاملے کو زیادہ دنوں تک نہ چھپا سکوں گا۔"

"مسٹر انور.... میں قسم کھا کر....!"

"بس بس....!" انور ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "اس کی ایک ہی صورت ہے اگر تم واقعی ارشاد کے
قاتل نہیں ہو تو ساجدہ سے باقاعدہ طور پر نکاح کرلو۔ ورنہ.... ساجدہ ہی کی زبانی تمہیں ارشاد کا
قاتل ثابت کرادینا میرے بائیں ہاتھ کا کام ہوگا۔"

"مجھے منظور ہے۔" رضوان بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"اب یہ بتاؤ کہ ارشاد سے تم کب ملے تھے؟"

"ایک ہفتہ قبل....!"

"اُس کی دماغی حالت کیسی تھی؟"

"بالکل ٹھیک تھی۔"

"کبھی اُس پر پہلے بھی یادداشت کھو بیٹھنے والا دورہ پڑا تھا؟"

"میری دانست میں تو کبھی نہیں۔"

"اُس کی مالی حالت کیسی تھی؟"

"اِس دوران میں خراب ہوگئی تھی۔"

"تمہیں ہیرے کی کان کی اطلاع تھی؟"

"ہاں اُس نے مجھ سے تذکرہ کیا تھا۔"

"کیا تم نے بھی اپنا روپیہ اُس میں لگایا تھا؟"

"نہیں.... میں کسی کی شراکت میں کوئی تجارت نہیں کرتا۔"

"تمہارا کس چیز کا کاروبار ہے؟"

"فارورڈنگ اور کلیرنگ، کچھ ذاتی اکسپورٹ اور امپورٹ بھی کرتا ہوں۔"

"ارشاد کو کب سے جانتے تھے؟"

"تقریباً پانچ سال سے۔"

"تمہاری دانست میں اُسے کون قتل کر سکتا ہے؟"

"میری دانست میں اُس کا کوئی دشمن نہیں تھا۔"

"یہاں کب تک قیام کرو گے؟"

"ساجدہ کے ساتھ ہی واپس جاؤں گا۔ یہی مناسب معلوم ہوتا ہے۔"

اُس کے بعد دونوں اٹھ گئے۔

دوسرے دن ساجدہ اور انور شہر کی طرف جا رہے تھے۔ رضوان کو کوتوالی انچارج نے مصلحت سے تار جام ہی روک لیا تھا۔ انور کار ڈرائیو کر رہا تھا۔ ساجدہ اُس کے برابر بیٹھی تھی۔ اس وقت پھر اُس کے ماتھے پر غرور کی سلوٹیں اُبھر آئیں۔ آنکھوں کی سفاک چمک عود کر آئی لیکن وہ خاموش تھی۔

"ارشاد کی زندگی کا بیمہ تو رہا ہی ہوگا؟" انور نے پوچھا۔

"ہاں....!"

"کتنے کا....؟"

"اسی ہزار روپے کا۔"

"اوہ.... خاصی رقم ہے۔" انور نے کہا۔

"مگر وہ پالیسی پر پہلے ہی قرض لے چکا تھا۔" ساجدہ بولی۔

"تو اس کا یہ مطلب ہے کہ تم بالکل ہی کنگال ہو چکی ہو۔"

"تم کتنے ظالم اور وحشی ہو۔" ساجدہ منہ بگاڑ کر بولی۔

"اب ان سلوٹوں کو مٹ جانا چاہئے تھا۔" انور نے اُس کے ماتھے کی طرف دیکھ کر کہا۔

دوسرے ہی لمحے میں ساجدہ کا ہاتھ اٹھ کر اُس کے گال پر پڑا۔ انور نے کار روک دی۔ جیب سے ساجدہ کے دیئے ہوئے پانچ سو روپے کے نوٹوں کا بنڈل نکال کر اُس کی گود میں ڈالتا ہوا بولا۔

"شکریہ خدا حافظ۔"

وہ کار کا دروازہ کھول کر نیچے اتر گیا اور کار اُس پر دھول جھونکتی ہوئی آگے نکل گئی۔ وہ پیدل چل رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اُسے شہر جانے والی بس مل گئی اور وہ اُس پر بیٹھ کر اپنے اخبار کے لیے ہیرے کی کان کی ٹریجڈی لکھنے لگا۔

سرکاری جاسوس سے جھڑپ

شہر پہنچ کر وہ سیدھا آفس چلا گیا۔ رشیدہ بیٹھی اونگھ رہی تھی۔ انور کو دیکھ کر اُس کا چہرہ کھل گیا۔

"دوڑتے دوڑتے کچھوا مر نکل گیا۔" رشیدہ منمنائی۔ انور نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ کرسی گھسیٹ کر ایک طرف بیٹھ گیا۔

"وہ لڑکی پُراسرار طریقے پر غائب ہوگئی۔" رشیدہ نے کہا۔ "کل رات میں نے کم از کم دس چکر دولت گنج کے ضرور لگائے ہوں گے۔"

"مجھے اُس لڑکی سے کوئی دلچسپی نہیں۔" انور بیزاری سے بولا۔

"اور ساجدہ....؟"

"جہنم میں گئی۔"

"یہ تو بڑا اچھا ہوا۔" رشیدہ چہک کر بولی۔ "اپنا پتہ دے گئی ہے یا نہیں؟"

"میں نے اُس کے روپے واپس کر دیئے ہیں۔"

"لیکن اُس کے شوہر نے خودکشی کیوں کر لی؟"

"خودکشی نہیں قتل....!" انور بولا۔

"قتل؟ قتل کس نے کیا؟"

"میں نے۔" انور ہونٹ بھینچ کر بولا۔ "اب تمہارا بھی گلا گھونٹ کر پھانسی پر چڑھ جاؤں گا۔"

"شوق سے، تمہارے ہاتھوں مرنے میں مجھے کوئی دکھ نہ ہوگا۔" رشیدہ نے اتنے رومانی
میں کہا کہ انور کو بے ساختہ ہنسی آ گئی۔

"ٹیں ٹیں مت کرو۔ مجھے بھوک لگ رہی ہے۔" انور نے کہا۔

"تو ایسے بولو نا۔" رشیدہ اٹھتی ہوئی بولی۔ "ابھی میری جیب میں کافی پیسے ہیں۔"

دونوں دفتر سے نکل کر سامنے والے ریستوران کی طرف بڑھے۔

"کل سے انسپکٹر آصف کئی بار تمہیں پوچھنے کے لئے آ چکا ہے۔" رشیدہ نے کہا۔

"بھئی اب ختم بھی کرو یہ قصہ۔ میں نے کہہ دیا کہ مجھے اُس سے کوئی دلچسپی نہیں۔" انور بو

"ختم کر دیا۔" رشیدہ نے کھانا ختم کرنے کے بعد پانی پیتے ہوئے کہا۔

"تم پھر مجھے حسین لگ رہی ہو۔" انور تھوڑی دیر بعد بولا۔

"لڑکے؟" رشیدہ نے بیرے کو مخاطب کر کے کہا۔ "صاحب کے لئے ایک ڈبہ سگریٹ
آؤ۔ اسٹیٹ ایکسپریس۔"

انور دوسری طرف منہ پھیر کر مسکرانے لگا۔

"اور میرے ہونٹوں کا رنگ کیسا ہے؟" رشیدہ نے شرارت آمیز مسکراہٹ کیساتھ پوچھ

"تم لال رنگ کی پڑیا پھانک گئی ہو۔" انور بولا۔

"اور میری آنکھوں کی جھیلوں میں؟"

"کیچڑ ہے کیچڑ، کسی ڈاکٹر کو دکھاؤ۔" انور نے منہ سکوڑ کر کہا۔

"اور میرے گالوں کے سیب....؟"

"سیب نہیں شلجم کہو۔ آج صبح تم نے منہ کیوں نہیں دھویا؟" انور بیزاری سے بولا۔

"اور.... میرے....!"

"ہاں اور تمہارے سر میں جوئیں بج بجا رہی ہیں۔ بس اب چپ رہو۔"

"نہیں چپ رہتی۔"

"دیکھو میں یہاں ریستوران میں کسی قسم کا جھگڑا کرنے کیلئے تیار نہیں۔" انور اٹھتا ہوا بولا۔

وہ دونوں پھر آفس میں لوٹ آئے۔ یہاں ایڈیٹر کے کمرے میں انسپکٹر آصف انور کا انتظار
کر رہا تھا۔ انور اپنی میز پر بیٹھنے ہی والا تھا کہ ایڈیٹر کے کمرے میں طلبی ہوئی۔

آصف نے انور کو گھورنا شروع کر دیا لیکن انور اُس کی طرف دیکھے بغیر ایڈیٹر کی طرف متوجہ
ہو گیا۔

"ب انسپکٹر صاحب تمہیں یاد کر رہے تھے۔" ایڈیٹر نے کہا۔

"وہ تو ہر وقت مجھے یاد کیا کرتے ہیں.... محبت بہت بُری چیز ہے۔" انور مسکراتا ہوا ایک
آنکھ دبا کر بولا۔

"تم کل رات کو کہاں تھے؟" آصف نے کڑک کر پوچھا۔

"شہنشاہ باؤ ڈالی کے ساتھ لوڈو کھیل رہا تھا۔" انور نے بے پرواہی سے کہا اور ایک کرسی پر
بیٹھ گیا۔ آصف کی بھنویں تن گئیں اور ایڈیٹر مسکرانے لگا۔

"دیکھو میں اس وقت مذاق کے موڈ میں نہیں ہوں۔" آصف نے بیزاری سے کہا۔

"تو میں کب تمہیں مذاق پر مجبور کر رہا ہوں۔"

"کل تم شہر میں ارشاد کے متعلق چھان بین کیوں کرتے پھر رہے تھے۔" آصف نے پوچھا۔

"میرا ارادہ تھا کہ اُس کی ایک شادی اور کرا دوں۔" انور نے سنجیدگی سے کہا۔

"دیکھو اگر تم سیدھی طرح بات نہیں کرو گے تو مجبوراً مجھے تمہیں حراست میں لینا پڑے گا۔"

"یار کبھی اس دھمکی کو عملی جامہ تو پہنا کر دکھاؤ۔" انور مسکرا کر بولا۔

"اس بار یہی ہوگا۔"

"لیکن کس جرم میں؟"

"میں تم پر شبہ کر رہا ہوں۔"

"کس بات کا....؟"

"ارشاد کے قتل کا۔"

"کوئی وجہ....؟"

"سب سے بڑی وجہ تو یہی ہے کہ مسز ارشاد اور تم....!"

"میں سمجھ گیا۔" انور آصف کی بات کاٹ کر جلدی سے بولا۔ "ایک دوسری وجہ اور ہے کہ
کریم مگر کے ایک جوئے خانے سے مجھے دو سو روپیہ یومیہ ملتے ہیں.... اور میں۔"

"اچھا اچھا....!" انسپکٹر آصف جلدی سے اٹھتا ہوا بولا۔ "میرے ساتھ آؤ.... باہر...."

مجھے تم سے کچھ پوچھنا ہے۔"

"تو ایسے بات کرو نا پیارے۔" انور آصف کے پیچھے ایڈیٹر کے کمرے سے نکلتا ہوا بولا۔

"ٹھیک ٹھیک بتاؤ کہ تم کل ہائی سرکل کلب میں ارشاد کے متعلق کیوں پوچھ گچھ کر رہے تھے۔"

"میں بتا تو دوں لیکن آج کل میری جیب خالی ہے تم کریم نگر کے جوئے خانے سے ہزاروں روپیہ روز کماتے ہو اور مجھ جیسے مفلس دوست کیلئے تمہاری جیب سے ایک پائی بھی نہیں نکلتی۔"

"دیکھو تم مجھے اس طرح دھونس میں نہیں لے سکتے۔" آصف نے جھلا کر کہا۔

"میرے پیارے۔" انور شرارت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ "میرے پاس اس کے لئے اتنے ثبوت اور ایسے معزز گواہ ہیں کہ تمہارا پارسل بیرنگ ہو سکتا ہے۔"

"آخر تم چاہتے کیا ہو؟" آصف زچ ہو کر بولا۔

"میں تمہیں جو اطلاع دوں گا اُس کی قیمت صرف سو روپے ہے۔" انور بولا۔ "اور یہ کم میرا احسان ہو گا۔"

"مجھے منظور ہے۔" آصف منہ پھلا کر بولا۔ "لیکن یہ سو روپے تم آسانی سے ہضم نہ کر سکو گے۔"

"فکر مت کرو۔ میرے پاس ہاضمے کے کئی چورن ہیں۔"

آصف نے جیب سے پرس نکال کر دس دس روپے کے دس نوٹ گن دیئے۔

"ہوں اب آؤ۔" انور اُس کا بازو پکڑ کر ایک طرف لے جاتا ہوا بولا۔ "تمہارے لئے چائے منگواؤں یا کافی؟"

"بس بس شکریہ۔" آصف تنفر آمیز لہجے میں بولا۔

انور نے اُسے ارشاد کی یادداشت کھو جانے کا اور ساجدہ کے طالب امداد ہونے کا واقعہ دہرا دیا۔

"یہ تو مجھے ساجدہ ہی سے معلوم ہو چکا ہے۔" آصف نے کہا۔ "میں نے اس کے لئے روپے تمہیں نہیں دیئے۔"

"ہاں ہاں میں جانتا ہوں، جوئے خانے والے معاملے کی پردہ پوشی کے لئے دیئے ہیں۔" انور جلدی سے بولا۔

"دیکھو انور میں سچ کہتا ہوں۔" آصف تیز لہجے میں کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

"میں سچ بولنے والوں کی قدر کرتا ہوں۔" انور طنزیہ انداز میں مسکرا کر بولا۔

"کل رات کو رشیدہ بار بار دولت گنج کے چکر کیوں لگا رہی تھی؟"

"یہ اُسی سے پوچھ لیا ہوتا۔ بہت سعادت مند لڑکی ہے۔ فوراً بتا دیتی ہے۔"

"سعادت مند.....!" آصف ہونٹ بھینچ کر آہستہ سے بولا اور چند لمحے خاموش رہ کر کہنے لگا "اس بار تمہارا بچنا مشکل ہے۔"

"ارے.....!" انور چونک کر بولا۔ "یہ تم نے کیسے کہا۔ کیا میں کچھ بیمار معلوم ہو رہا ہوں؟"

"رشیدہ کو بلاؤ۔" آصف میز پر گھونسہ مارتا ہوا بولا۔

"تمہارے باپ کی نوکر نہیں ہے۔" انور آصف کو گھور کر بولا۔ "اُس سے اگر تم ذرہ برابر بھی بدتمیزی سے پیش آئے تو اچھا نہ ہو گا۔"

پہلے تو آصف کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا لیکن پھر آہستہ آہستہ اُس نے اپنی حالت پر قابو پا لیا۔ وہ جانتا تھا کہ انور ضدی آدمی ہے اور پھر بلا کا ذہین، وہ اُسے دھمکیاں تو ضرور دیتا رہتا تھا لیکن یہ اچھی طرح جانتا تھا کہ اگر اُسے کچھ دنوں کے لئے جیل بھجوا بھی دیا گیا تو اُس سے اُسے کوئی خاص نقصان نہ پہنچے گا لیکن اگر وہ شرارت پر آمادہ ہو گیا تو شہر کے درجنوں پولیس افسروں کی عزت کا جنازہ نکل جائے گا۔

"تو تم نے رشیدہ سے شادی کر لی ہے؟" آصف جھینپی ہوئی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

"شادی تو میرے باپ کی بھی نہیں ہوئی تھی۔" انور سنجیدگی سے بولا۔

"تم جیسا حرام زادہ بھی آج تک میری نظروں سے نہیں گزرا۔" آصف بے ساختہ ہنس کر بولا۔

"محض خالی خولی رعب جمانے اور گالیاں دینے سے دوستانہ بے تکلفی پیدا نہیں ہوا کرتی۔ پیارے تیس مار خاں۔" انور نے آصف کو گھورتے ہوئے کہا۔

"طنز کرنا اور باتیں بنانا تو کوئی تم سے سیکھے۔" آصف کہنے لگا۔ "تم تو اچھے خاصے ایکٹر بن گئے ہو۔"

"اور اگر زندگی بھر تم جیسے مہربان دوستوں کے ساتھ ہی زندگی گزارنا پڑی تو بہت جلد کیریکٹر ایکٹر بھی بن جاؤں گا۔" انور اپنی آنکھوں کو سکیڑتے ہوئے بولا۔ "تم نے آج تک کوئی کام کی بات بھی.....!"

"لیکن آج میں کام کی بات ہی بتانے آیا ہوں تمہیں۔" آصف انور کا جملہ کاٹتے ہوئے کہنے

لگا۔ "مگر تم اپنے متعلق ضرورت سے زیادہ خوش فہمی میں مبتلا ہو۔"

"کیا مطلب....؟" انور یکایک سنجیدہ ہو گیا۔

"مطلب صاف ہے کہ تمہاری پوزیشن اس وقت مشکوک ہو چکی ہے اور تمہارے متعلق معلومات حاصل کی جا رہی ہیں کہ تمہاری چرب زبانی اور لاف زنی دھری کی دھ جائے گی۔ ساجدہ سے تمہاری وابستگی اور دل چسپی بہر حال اس شبہہ کو اور مضبوط بنا سکتی خیال ہے تمہارا۔" یہ کہہ کر آصف فاتحانہ اور بزرگانہ انداز میں انور کو گھورنے لگا۔

لیکن انور کی فطری شوخی اُس کی آنکھوں میں پھر عود کر آئی اور وہ اپنے مخصوص انداز میں کہنے لگا۔ واہ واہ کیا دور کی کوڑی لائے ہو۔ میرا خیال پوچھتے ہو تو شاید یہ معلوم کر کے بھی کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا کہ مجھے ساجدہ سے کوئی ہمدردی نہیں۔ وہ ایک مغرور عورت ہے۔ مجھ سے بہت زیادہ بے تکلف ہے، لیکن ایک دوست سے زیادہ اُس کی ذات سے خاصی دلچسپی چاہیئے۔ کیونکہ تمہارے خیال کے مطابق اُس سے، میری دلچسپی اور معلومات کے لئے دولت کے اس قدر چکر لگائے.... ہے نا.... مجھے صرف زبیدہ نامی اُس عورت سے ہمدردی ارشاد کے بعد رضوان نامی ایک پُر اسرار آدمی کے اشاروں پر کھیل رہی ہے۔ کہو کیا یہ سب مجھے ارشاد کے قتل کے سلسلہ میں مشکوک بنانے کے لئے کچھ کم ہیں۔ مگر تم کیا سمجھو گے سب باتوں کو....!"

آصف تقریباً مبہوت سا ہو کر انور کی یہ باتیں سنتا رہا۔ پھر جیسے کسی خیال سے چونکتے ہوئے ایک دم بول اٹھا۔ "نہیں یہ سب غلط ہے ایک دم غلط.... عین ممکن ہے کہ رشیدہ بھی اُس پُر اسرار سازش کا ایک مہرہ ہو۔ شاہد نے آج صبح ٹیلی فون پر مجھے سب کچھ بتا دیا ہے۔"

"ٹیلی فون پر.... آج صبح؟" انور حیرت زدہ ہوتے ہوئے زیر لب بڑبڑایا اور پھر کچھ سوچ کر بولا۔ "کتنے بجے ٹیلی فون کیا تھا اُس نے؟"

"دس بجے۔"

یہ سن کر انور کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا پھر چند سیکنڈ کے بعد چونکتے ہوئے بولا۔

"تعجب ہے کہ اُس نے کل رات ہی کو تمہیں اپنے شبے سے کیوں نہیں مطلع کیا۔ وہ آج بجے تک کیا سوچتا رہا۔"

"واقعی یہ چیز قابل غور ہے۔" آصف نے کہا۔ "اچھا میں اُس سے ملنے کی کوشش کروں گا۔"

"شاید اب تم اُس کی گرد کو بھی نہ پا سکو۔"

"کیوں؟"

"اگر ایسا ہوتا تو وہ فون کرنے کے بجائے خود تم سے ملتا۔" انور نے کہا۔

"ارے چھوڑو بھی ان باتوں میں کیا رکھا ہے۔ اُس کے باپ تک کو قبر سے نکال لاؤں گا۔" آصف نے فخریہ انداز میں کہا۔

"کفن گھسوٹی کے علاوہ اور تم لوگوں کو آتا ہی کیا ہے۔" انور نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"خیر.... خیر.... میں تم سے پھر ملوں گا۔" آصف نے دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

"سو روپوں کا اور انتظام کر کے آنا۔" انور نے کہا۔

آصف جا چکا تھا۔ تھوڑی دیر بعد رشیدہ اٹھ کر انور کے پاس آئی۔

"کیا پوچھ رہا تھا؟" رشیدہ نے کہا۔

"کہہ رہا تھا کہ تم رشیدہ سے شادی کیوں نہیں کر لیتے۔"

"پھر تم نے کیا کہا....؟" رشیدہ نے دلچسپی کا اظہار کرتے ہوئے پوچھا۔

"میں نے کہا فی الحال مالی مشکلات میں مبتلا ہوں۔ شادی کا انتظام کہاں سے کروں گا۔ اس پر وہ سو روپے مجھے دے گیا ہے۔ لو انہیں اپنے پاس رکھو۔" انور نے کہا اور نوٹ رشیدہ کو دے دیئے۔

"ٹھیک بتاؤ.... یہ روپے تمہارے پاس کہاں سے آئے؟"

"چور کی گرہ کاٹ لی۔" انور مسکرایا۔

"یعنی....؟"

"آخر اُس کی حرام کی کمائی میں میرا بھی تو حصہ لگنا چاہیئے۔"

"اوہ....!" رشیدہ مسکرا کر بولی۔ "کہیں یہ لوگ تمہیں قتل نہ کرا دیں۔"

"تمہیں اس سے کیا؟" انور نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "اچھا میں اب جا رہا ہوں۔ واپسی پر میرے لئے سگریٹ کا ڈبہ اور دو ایک کتابیں خرید لینا۔"

"کہاں جا رہے ہو۔ میں بھی چلوں گی۔"

"ذرا تتلا کر کہا ہوتا۔" انور طنزیہ انداز میں بولا۔ "گودی میں چلو گی یا انگلی پکڑ کر پاؤں

پاؤں؟"

رشیدہ جھینپ گئی اور انور اُسے گھورتا ہوا باہر چلا گیا۔

وہ آہستہ آہستہ ٹہلتا ہوا شاہد کے دفتر کی طرف جا رہا تھا۔

آفس میں پہنچ کر اُسے معلوم ہوا کہ وہ کل بارہ بجے کے بعد سے آفس نہیں آیا۔ انور نے اُس کے گھر کا پتہ معلوم کیا اور وہاں پہنچا۔ گھر میں اُس کی بیوی اور بوڑھی ماں موجود تھیں۔ انہوں نے بتایا کہ شاہد کل آفس گیا تھا لیکن اس کے بعد سے گھر نہیں آیا۔

"اور آپ لوگوں کو اس سے پریشانی نہیں ہوئی؟" انور نے اُس کی بیوی سے پوچھا۔

"غالباً وہ کسی کاروباری ضرورت سے شہر سے باہر چلے گئے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ وہ بلا اطلاع چلے گئے ہیں۔ اس لئے ہمیں کوئی خاص پریشانی نہیں ہے۔"

وہاں سے واپسی پر انور اس واقعے کے متعلق ایک بالکل ہی نئے زاویے سے سوچ رہا تھا۔

کچھ نئی باتیں

سات بج گئے تھے انور جلدی سے گھر پہنچنا چاہتا تھا۔ اُسے بہت کچھ سوچنا تھا۔ بالکل ہی راستے پر۔ شاہد کے عجیب و غریب رویے نے اُس کے ذہن کو بُری طرح الجھا دیا تھا۔ آخر وہ غائب کیوں ہو گیا۔ دو بجے رات کو اُس کے گھر آ کر رشیدہ کو دھمکیاں دینے کا کیا مطلب تھا۔ اُس نے انسپکٹر آصف سے فون پر کیوں گفتگو کی۔ بذاتِ خود کیوں نہیں ملا۔ انور انہیں خیالات میں ڈوبا بازار سے گزر رہا تھا کہ اُسے رشیدہ ایک بک سٹال سے کتابیں خریدتی ہوئی دکھائی دی۔ انور بک سٹال کے زینوں پر چڑھنے لگا۔ ابھی وہ دروازے ہی میں تھا کہ ایک برقعہ پوش عورت ہاتھ میں کچھ کتابیں دبائے ہوئے اندر سے نکل کر فٹ پاتھ پر اتر گئی۔ انور پلٹ پڑا۔ اُس کی نظریں اُس عورت کے پیروں پر تھیں۔ وہ اُس کے سینڈل دیکھ کر چونک پڑا۔ اندر سے رشیدہ نے اُسے آواز دی لیکن وہ اُس کی پرواہ کئے بغیر زینوں سے اتر کر برقعہ پوش عورت کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔ وہ عورت گھبرائی ہوئی سی نظر آ رہی تھی۔ اُس نے دو ایک بار پلٹ کر انور کی طرف دیکھا اور تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی ایک طرف چلنے لگی۔ انور اُس کا تعاقب کر رہا تھا۔ اُس نے پھر پلٹ کر دیکھا اور انور

بھی اپنے پیچھے دیکھ کر رفتار تیز کر دی اور پھر اچانک وہ سڑک کے کنارے کھڑی ہوئی ایک ٹیکسی کا دروازہ کھول کر قریب قریب اُس کے اندر گر ہی پڑی۔ اُس نے کچھ کہا.... انجن میں ہلکی سی آواز پیدا ہوئی اور ٹیکسی چل پڑی۔ اُس سے کچھ فاصلے پر ایک ٹیکسی اور کھڑی ہوئی تھی۔ انور بے تحاشہ اُس کی طرف بڑھا۔

"اُس ٹیکسی کے پیچھے چلو۔" انور ٹیکسی میں بیٹھتا ہوا بولا۔ وہ دروازہ بند کرنے ہی جا رہا تھا کہ رشیدہ بھی دھنس پڑی۔

"کیا ہے.... کیا ہے؟" انور جھلا کر بولا۔

"کچھ نہیں....!" رشیدہ سیٹ پر بیٹھ کر دروازہ بند کرتی ہوئی پُر اطمینان لہجے میں بولی۔

ٹیکسی چل پڑی۔

انور بیزاری سے سامنے دیکھتا رہا۔ اُس کے ہونٹ کے گوشے ٹھوڑی کی طرف جھک گئے اور رشیدہ ایسے بے نیاز انداز میں بیٹھی تھی جیسے انور سے اُس کی جان پہچان ہی نہ ہو۔

"آخر تم بعض اوقات اتنی احمق کیوں ہو جاتی ہو؟" انور نے کہا۔

"اُس ٹیکسی میں کون ہے؟" رشیدہ ہونٹ بھینچ کر بولی۔

"میری نانی۔"

"تو وہ میری کون ہوئی؟" رشیدہ نے بھولے پن کی ایکٹنگ کرتے ہوئے کہا۔ انور اُسے تیز نظروں سے گھور کر رہ گیا۔

"اب تم لڑکیوں کے پیچھے دوڑنے لگے ہو۔" رشیدہ نے کہا۔ "اور کیوں نہ ہو، وہ تھی بھی خوب صورت۔"

"اچھا....!" انور زہریلے انداز میں بولا۔ "اسی لئے تم میرے پیچھے لگ گئی ہو۔ تم نے ایک بٹھو اور بیوی کو مات کر دیا۔ دیکھو ہم دونوں صرف دوست ہیں اور بس....!"

"تم کمینے ہو۔" رشیدہ اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا کر بولی۔

انور نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اُس کی نگاہیں بدستور سامنے والی ٹیکسی پر جمی ہوئی تھیں۔ وہ ٹیکسی کارپول ہوٹل کے سامنے رک گئی۔ برقعہ پوش لڑکی اتر کر اندر چلی گئی۔ انور نے بھی ٹیکسی رکوائی اور چھپتا ہوا اُس کے تعاقب میں آگے بڑھا۔ رشیدہ اُس کے پیچھے تھی۔ لڑکی کوریڈور میں ہی

میں تھی کہ انور نے اُسے جالیا۔

"زبیدہ۔" وہ آہستہ سے بولا۔ لڑکی سہم کر رک گئی۔ اُس نے پلٹ کر دیکھا اور چہرے
نقاب الٹ دی۔

"کیوں میرے پیچھے پڑ گئے ہو؟"

"اپنے کمرے میں چلو۔" انور تحکمانہ لہجے میں بولا۔

وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھی اور کیل سے کنجی اُتار کر دروازہ کھولا اُس کے پیچھے انور اور
بھی کمرے میں داخل ہوئے۔ لڑکی نے سوئچ آن کر کے دروازہ بند کر دیا اور خوفزدہ نظر
اُن کی طرف دیکھنے لگی۔

"یہاں تمہیں اس ہوٹل میں رضوان نے منتقل کیا ہے۔" انور نے پوچھا۔

"نہیں.... میں خود چلی آئی ہوں۔"

"کیوں....؟"

"نہیں بتاؤں گی۔ تم کون ہوتے ہو پوچھنے والے؟"

"بے وقوف لڑکی.... ابھی پولیس تم سے واقف نہیں ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اس سے
ہی یہ معاملہ ختم ہو جائے، مجھے تم سے ہمدردی ہے۔"

"مجھے ہمدردی سے نفرت ہو گئی ہے۔" زبیدہ جھلا کر بولی۔

"ضد اچھی نہیں ہوتی۔" انور نے کہا۔ "رضوان کو تارجام کی پولیس نے حراست میں
لیا ہے۔"

"لے لیا ہوگا۔ مجھے کسی بات سے دلچسپی نہیں رہ گئی۔"

"شاہد کو جانتی ہو؟" انور نے پوچھا۔

"شاہد کو.... کون شاہد....؟ اوہ کل....!" وہ کچھ اور کہنا چاہتی تھی کہ دفعتاً کسی
دروازے کو دھکا دیا اور ایک کاغذ کا پرزہ دروازے سے اندر آگرا۔ انور نے جھپٹ کر کاغذ
جس پر لکھا تھا۔

"خبردار ایک لفظ بھی منہ سے نکلنے نہ پائے۔"

وہ جلدی میں اس ٹکڑے کو وہیں پھینک کر باہر نکل گیا۔ کوریڈور سنسان پڑا تھا۔ وہ تیزی

کافی دیر تک چھان بین کرتا رہا مگر کوئی سراغ نہ مل سکا۔ آخر تھک ہار کر وہ پھر زبیدہ کے
میں لوٹ آیا۔ یہاں زبیدہ ایک کرسی پر آنکھیں پھاڑے بے حس و حرکت بیٹھی تھی۔
تحیر آمیز نظروں سے گھور رہی تھی۔

"کون تھا....؟" انور نے تند لہجے میں پوچھا۔ زبیدہ چونک کر اُسے خوفزدہ نظروں سے
لگی۔

"میں نہیں جانتی۔" اُس نے تیز سرگوشی میں کہا۔ ایسا معلوم ہوا جیسے وہ خواب میں بول رہی ہو۔

"خیر.... خیر.... اگر تم نہیں بتانا چاہتیں تو میں نہیں پوچھوں گا۔" انور نے کہا۔

"لیکن کم از کم یہ تو بتا ہی دو کہ تم یہاں کیوں چلی آئیں؟"

"میں پھر بتاؤں گی.... اس وقت میرا دماغ ٹھیک نہیں۔"

"اور تم یہاں خطرے میں بھی ہو۔" انور نے کہا۔

"کیوں؟" زبیدہ چونک کر بولی۔

"یہ تم مجھ سے بہتر سمجھ سکتی ہو۔" انور نے کہا۔ زبیدہ بے بسی سے اُس کی طرف دیکھنے لگی۔

"تمہارا یہاں سے ہٹ جانا بہتر ہے۔ چلو میں تمہیں کسی محفوظ جگہ پر پہنچا دوں۔" انور نے کہا۔

"چلو....!" زبیدہ اٹھتی ہوئی بولی۔ "لیکن میں تمہیں کچھ نہ بتاؤں گی چاہے میری کھال
.... چاہے پھانسی پر چڑھا دو۔"

"میں کچھ نہیں پوچھوں گا۔" انور نے سنجیدگی سے کہا۔ نہ جانے کیوں اُس کی آنکھوں میں
اُمڈے آ رہے تھے۔

رشیدہ نے اُسے تحیر آمیز انداز میں دیکھا۔ انور منہ پھیر کر اپنی حالت پر قابو پانے کی کوشش
لگا۔

تھوڑی دیر بعد وہ خاموشی سے نکلے اور ایک ٹیکسی کر کے ایک طرف روانہ ہو گئے۔

انور نے اُس کا انتظام ایک چھوٹے سے غیر معروف ہوٹل میں کر دیا اور گھر لوٹ آیا۔ رشیدہ
دوران میں کچھ بولی نہیں۔ انور کا ذہن خیالات میں الجھا ہوا تھا۔

"آج خلاف توقع تم بہت زیادہ انسان نظر آ رہے ہو۔" رشیدہ نے کہا۔

انور صرف اُس کی طرف دیکھ کر رہ گیا۔

"سچ بتاؤ کیا تمہاری آنکھوں میں آنسو نہیں چھلک آئے تھے؟" رشیدہ مسکرا کر بولی۔

"تو پھر.... مجھے اُس سے ہمدردی ہے، پہلے وہ اپنے ظالم چچا کے ہاتھوں پریشان رہا اُسے دو آوارہ آدمی نکال لائے اور اب وہ ایک قاتل اور سازشی کے ہاتھوں کٹھ پتلی بن کر ہے۔ انسان کتنا مجبور ہے۔ ایک عظیم تاریکی میں رینگتا ہوا یہ حقیر کیڑا کس طرح دوسروں ہے اور دوسرے اس کے پابند ہیں۔ نہ جانے کب یہ بے بسی ختم ہوگی اور یہ تاریکی دور ہوگی

"واقعی تم اس وقت فلسفیوں جیسی باتیں کر رہے ہو۔" رشیدہ مسکرا کر بولی۔

"آخر تمہیں ساجدہ سے کیوں ہمدردی نہیں۔ وہ بے چاری بھی تو بیوہ ہوگئی؟"

"اُسکے پاس اتنے قیمتی زیورات ہیں کہ وہ زندگی بھر کسی کی محتاج نہیں ہو سکتی۔" انور نے

"اونہہ ہوگا۔" رشیدہ منہ بنا کر بولی۔ "مگر تم میرے لئے ہمیشہ وحشی اور درندے بنے رہو گے

"تم بھی آزاد ہو۔ کسی کی پابند نہیں۔ تمہاری قسمت کسی دوسرے سے وابستہ نہیں۔

انور نے کہا اور کچھ سوچنے لگا۔ دفعتاً وہ چونک پڑا۔

"بڑی غلطی ہوئی۔" وہ ہاتھ ملتا ہوا بولا۔

"کیا ہوا....؟"

"میں وہ کاغذ کا پرزہ وہیں چھوڑ آیا۔"

"بڑے عقل مند بنے تھے۔" رشیدہ قہقہہ لگا کر بولی۔

انور اُسے غصہ بھری نظروں سے گھورنے لگا۔

"لو میلے.... گڈے میاں.... لوتے نہیں۔" رشیدہ منہ بنا کر تتلاتی ہوئی بولی اور جیب کاغذ کا ٹکڑا نکال کر انور کے سر پر رکھ دیا۔

انور نے اُسے جیب میں رکھ لیا اور اٹھ کر ٹہلنے لگا۔

"اُف فوہ.... نو بج گئے اور ہم نے ابھی تک کھانا نہیں کھایا۔" رشیدہ نے کہا۔

"میں کھانا نہیں کھاؤں گا۔"

"کیوں؟"

"میری خوشی۔"

"تمہیں کھانا پڑے گا۔"

"ہاہا.... جاؤ یہاں سے، مجھے سوچنے دو۔"

"نہیں سوچنے دوں گی۔" رشیدہ نے کہا اور اُس کی ٹائی پکڑ کر اُسے اٹھا دیا۔

"دیکھو میں نے تمہیں کئی بار سمجھایا۔" انور چڑھ کر بولا۔

"ایک بار اور سمجھا دو۔"

انور نے رشیدہ کے گھونگریالے بال اپنی مٹھی میں جکڑ کر دو تین جھٹکے لگا دیئے۔ رشیدہ کی ہلکی چیخیں نکل گئیں۔ وہ بسور بسور کر انور کو گھورتی رہی اور انور میز پر سر اوندھا کر کے بیٹھ گیا۔

"میں کھانا کھانے جا رہی ہوں۔ اس کے بعد فلم دیکھنے جاؤں گی۔ سنا تم نے.... کمینے.... وحشی.... درندے۔" وہ بڑبڑاتی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئی۔

انور نے اٹھ کر دروازہ اندر سے بند کر لیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ اُس کاغذ کے پرزے کو میز پر رکھے گھور رہا تھا۔ وہ کافی دیر تک خیالات میں ڈوبا رہا۔ اچانک دروازے پر دستک ہوئی۔ انور نے اٹھ کر دروازہ کھول دیا۔ انسپکٹر آصف اندر داخل ہوا۔ وہ آتے ہی نہایت بے تکلفی سے آرام کرسی میں گر گیا۔

"بھئی چائے پلواؤ۔" آصف اپنی ٹائی کی گرہ ڈھیلی کرتے ہوئے بولا۔

"اچھا.... کیا یہ کوئی ہوٹل ہے.... یا....!"

"تمہاری گلہری کہاں گئی.... کیا وہ اس وقت اتنا بھی نہ کر سکے گی؟"

"تو کیا تم اسی طرح اپنے سو روپے وصول کرو گے؟" انور نے کہا۔ "اچھا کل سے کھانا بھی میرے ساتھ ہی کھانا۔"

"یار تم ہمیشہ اوٹ پٹانگ ہانکتے رہتے ہو۔"

"اچھا اب تمہاری شان میں قصیدے پڑھا کروں گا۔"

"معلوم ہوتا ہے کہ تم نے ابھی کھانا نہیں کھایا۔" آصف جھینپی ہوئی ہنسی کے ساتھ بولا۔

"یہ حقیقت ہے۔" انور سنجیدگی سے بولا۔ "رشیدہ تو جھگڑ کر فلم دیکھنے چلی گئی ہے اور روپے اُسی کے پاس ہیں۔"

"تو پھر اب تم کیا کرو گے؟"

"پاؤ بھر شکر پھانک کر ایک گلاس ٹھنڈا پانی پی لونگا۔ اس سے رات کو خاصی اچھی نیند آتی ہے۔"

"چہ چہ.....!" آصف متاسفانہ انداز میں سر ہلا کر بولا۔ "تم نے اپنی زندگی برباد کر لی
اکثر افسوس کرتا ہوں۔ اتنا ذہین اور قابل آدمی ایسی واہیات زندگی بسر کر رہا ہے۔"

"شکریہ..... شکریہ۔ ایسی باتیں کسی دسویں درجہ کے طالب علم کے لئے اٹھا رکھو۔"

"اچھا اچھا اٹھو چلو..... میں نے بھی ابھی کھانا نہیں کھایا۔" آصف نے اٹھنے کا ارادہ
کرتے ہوئے کہا۔

"نہیں شکریہ۔" انور نے بے رخی سے کہا۔ "تم جس کام کے لئے آئے ہو کہہ چلو۔"

"میں ایک دلچسپ خبر لایا ہوں۔"

"وہ یقیناً غیر دلچسپ ہوگی۔"

"خیر ہوگا۔" آصف جلدی سے بولا۔ "اُس ہیرے کی کان کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے"

"فراڈ..... چار سو بیس.....!" انور سگریٹ سلگاتا ہوا بولا۔

"آج میں نے یہیں تین ایسے آدمیوں کا پتہ لگایا جو اُس کان میں اپنا روپیہ لگائے ہوئے
اور اس سے بھی زیادہ دلچسپ بات یہ ہے کہ ارشاد انہیں کچھ تھوڑا بہت منافع بھی دے چکا تھا
یہ بات تو جانتے ہی ہو کہ جو تھوڑے بہت ذرات اس کان سے نکلے تھے اُن کی قیمت ہی کیا ہو
ہے پھر یہ منافع کہاں سے آئے گا۔ اور پھر سیٹھ اطہر کے بیان سے یہ معلوم ہوا کہ اُس کان کے
صرف تین حصے دار تھے۔ ارشاد، دھارا سنگھ اور وہ خود۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ارشاد اُن سب
روپیہ ہضم کرتا رہا۔"

"میرے لئے یہ اطلاع بہت پرانی ہو چکی ہے۔" انور خشک لہجے میں بولا۔

"خیر خیر.....!" آصف جھینپی ہوئی ہنسی کے ساتھ بولا۔ "دوسری اطلاع پر تم یقیناً اچھل پڑو گے۔"

"اچھلنے کی کوشش نہیں کروں گا۔ خیر بیان کرو۔"

آصف نے جیب سے ایک ٹائپ کیا ہوا کاغذ نکال کر انور کی طرف بڑھایا۔ انور اُسے لے کر
پڑھنے لگا۔

"پیارے ارشاد!

اب عزت تمہارے ہاتھ میں ہے۔ میں نے تمہاری ضرورت پر تمہیں بیس ہزار روپے
دیئے تھے۔ میں نے شاہد کو ابھی تک اسی دھوکے میں رکھا کہ روپے میرے پاس محفوظ ہیں۔ مگر

اب شدت سے تقاضا کر رہا ہے جس طرح ممکن ہو روپے مہیا کرو۔ اُسے شاید ہمارے تعلقات
بھی شبہ ہو گیا ہے۔ بدھ کے دن وہ کہیں باہر جا رہا ہے۔ میں تمہیں اُس دن تار جام میں ملوں گی
روپے مہیا کر کے وہاں موجود رہنا اور کیا لکھوں۔ کل میرے ماتھے پر سخت چوٹ آ گئی ہے، بہت
ہے، اچھا تو اب تار جام میں ملاقات ہوگی۔"

نیچے کسی کے دستخط نہیں تھے۔ انور خط ختم کرنے کے بعد آصف کی طرف دیکھنے لگا۔

"کیا سمجھے؟" آصف مسکرا کر بولا۔

"تم شاید یہ کہنا چاہتے ہو کہ یہ خط شاہد کی بیوی کا ہے؟" انور نے کہا۔

"قطعی میں نے اُس کے ماتھے پر آج پٹی بندھی ہوئی دیکھی ہے۔" آصف نے مسکرا کر کہا۔

"لیکن تمہیں یہ خط ملا کہاں سے؟"

"ارشاد کے گھر میں۔ آج صبح میں نے اُس کے گھر کی تلاشی لی تھی۔"

"بڑا احمق تھا کہ ایسے خط کو جس سے اُس کے اور شاہد کی بیوی کے جنسی تعلقات ثابت
ہوتے ہیں اپنی بیوی کو نظر پڑنے کے لئے گھر میں ڈال دیا۔"

"اتفاقات ہیں۔"

"اس کاغذ پر کسی قسم کے نشانات بھی ملے؟" انور نے پوچھا۔

"اگر نہ ملتے تو میں اس خط کو اہمیت ہی کیوں دیتا۔ یہ دیکھو ایک تو یہ نشان کتنا واضح ہے شاید
انگلی میں تیل یا کوئی دوسری چکنی چیز لگی ہوئی تھی۔ یہ نشان شاہد کی بیوی کی انگلی کا ہے۔"

"اس کے علاوہ کوئی اور نشان؟" انور نے پوچھا۔

"نہیں اور کوئی نشان نہیں۔"

"تو اس کا یہ مطلب کہ یہ خط ارشاد کے ہاتھ ہی نہیں لگا ورنہ اُس کی انگلیوں کے نشانات اس
پر ضرور ہوتے اور یہ کاغذ اس قسم کا ہے کہ اس پر ہلکی سی گرفت بھی خاصے اچھے نشانات چھوڑ
سکتی ہے۔ اگر یہ خط ارشاد کے ہاتھ نہیں لگا تو اس کا یہ مطلب کہ وہ اُس کے گھر ہی کے پتہ پر آیا جو
قطعی ناممکن ہے۔ ایک ایسا خط جس میں اس قسم کے تعلقات کا اعتراف ہو، اتنی لاپروائی سے نہیں
بھیجا جا سکتا۔ اچھا ایک دوسری بات..... اور اگر یہ خط ارشاد کے ہاتھوں تک نہیں پہنچا تو وہ
پروگرام کے مطابق تار جام کیسے پہنچ گیا۔ اور دھارا سنگھ وغیرہ سے بیس ہزار کا تقاضا کیا۔"

"یار تم ہمیشہ معاملے کو الجھا دیتے ہو۔" آصف منہ سکوڑ کر بولا۔

"تم معاملہ ہی ایسا لاتے ہو جو خواہ مخواہ الجھ جاتا ہے۔" انور مسکرا کر بولا۔ "غالباً تم نے رائے قائم کی ہے کہ ارشاد اور شاہد کی بیوی کے جنسی تعلقات تھے، ارشاد نے اُس سے کچھ روپے قرض لئے جو اُس نے اپنے شوہر سے چھپا کر ارشاد کو دیئے تھے۔ اس دوران میں شاہد کو ان کے تعلقات کا علم ہو گیا اور دھارا سنگھ کو اس بناء پر قتل کیا گیا کہ اُسے خودکشی میں شبہہ ہی نہیں بلکہ اُس نے کچھ اپنی آنکھوں سے بھی دیکھ لیا تھا۔"

"قطعی.....!" آصف خود اعتمادی کے ساتھ بولا۔ "میں نے یہی رائے قائم کی ہے۔"

"تو اب تم اس خیال کو دل سے نکال دو۔ ورنہ بچوں کی تفریح کے لئے کسی عجائب خانے میں رکھ دیئے جاؤ گے۔" انور مسکرا کر بولا۔

"لیکن یہ خط.....؟" آصف جھنجھلا کر بولا۔

"کوئی ان بے چاروں کو خواہ مخواہ پھنسانا چاہتا ہے۔" انور نے کہا۔ "ایک سادے کاغذ پر اتفاق سے میری انگلیوں کے نشانات پڑ جائیں تو تم اسے حاصل کر کے میری طرف سے ا… ایران کے وزیر اعظم رزم آرا کے قتل کا اقرار نامہ ٹائپ کر ڈالو تو کیا میں محض اس بناء پر رزم آرا کا قاتل قرار دیا جاؤں گا کہ اس کاغذ پر میری انگلیوں کے نشانات موجود ہیں۔ عقل کے ناخن… میاں انسپکٹر مگر اللہ نے تمہیں ناخن دیئے ہی نہیں۔"

آصف جھینپ کر اپنی گنجی کھوپڑی پر ہاتھ پھیرنے لگا۔

"اونہہ ہوگا.....!" آصف اکتائے ہوئے لہجے میں بولا۔ "میں شاہد کی بیوی کا وارنٹ گرفتاری نکلوا رہا ہوں۔"

"شوق سے، لیکن تمہیں صرف مایوسی ہوگی۔"

"تو پھر شاہد غائب کیوں ہو گیا؟" آصف نے کہا۔

"ہو سکتا ہے کہ کسی کام کے لئے باہر چلا گیا ہو۔ وہ اکثر اسی طرح گھر میں اطلاع دیئے بغیر باہر چلا جاتا ہے۔"

"یہ بات کسی طرح حلق سے نہیں اترتی۔" آصف بولا۔

"تو ایک گلاس ٹھنڈا پانی پی کر آرام سے سو رہو۔"

آصف خاموش ہو گیا۔ اُس کے چہرے پر بیزاری کے آثار پھیل گئے تھے۔ وہ تو یہ سمجھ کر آیا تھا کہ آج انور اُس کی عظمت کا ضرور قائل ہو جائے گا۔ مگر اُس نے تو بساط ہی الٹ دی۔

"تار جام کی کوئی نئی اطلاع؟" انور نے پوچھا۔

"رضوان اب واپس آ گیا ہے، وہاں کی پولیس اُس سے مطمئن ہو گئی ہے، اب سیٹھ طاہر حراست میں ہے اور کچھ تعجب نہیں کہ تمہاری طرف بھی حملہ ہو، وہاں پولیس نے تمہ… ساجدہ کے گزشتہ تعلقات کے متعلق معلومات فراہم کر لی ہیں۔"

"جس دن ایسا ہوا اُسی دن تار جام کے کوتوالی انچارج صاحب سر کے بل کھڑے مرغے کی بولی بول رہے ہوں گے۔" انور نے سنجیدگی سے کہا۔

"ہاں آں.....!"

"اور اُس عورت کا کیا ہوا؟ جس کے متعلق وہاں کی پولیس رضوان سے معلومات حاصل کرنا چاہتی تھی؟" انور نے پوچھا۔

"اس پر کچھ زیادہ زور نہیں دیا گیا اور یہ چیز کچھ ایسی بھی نہیں معلوم ہوتی۔" آصف نے کہا۔

"رضوان کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟" انور نے پوچھا۔

"پہلے ضرور مشتبہ تھا مگر اب اس خط کی موجودگی میں" آصف کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

"اس خط کی موجودگی میں تم شاہد اور اُس کی بیوی کو پھانسی پر چڑھوا دو گے؟" انور بیزاری سے بولا۔

"آخر تم شاہد کے حق میں کیوں بول رہے ہو۔ جب کہ اُس نے تمہیں پھنسوانے کی کوشش کی تھی؟" آصف نے کہا۔

"میں اُس کے حق میں نہیں بول رہا ہوں۔ بلکہ اُس معاملے پر ہر پہلو سے غور کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔"

"تم اس کیس میں دلچسپی لے رہے ہو؟" آصف نے کہا۔

"یقیناً.....!"

"کیوں.....؟"

"یہ بھی کوئی سوچنے کی بات ہے۔ میرا پیشہ یہی ہے۔ میں یہاں کے جرائم میں دلچسپی نہ لوں

گا تو کیا اس کے لئے مہاتما بدھ دوبارہ پیدا ہوں گے؟"

"تم انتہائی عیار آدمی ہو۔ میں تمہاری طرف سے مطمئن نہیں۔"

"کیوں....؟" انور نے کہا۔

"تمہارے اور ساجدہ کے گذشتہ تعلقات....!" آصف کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "اور گزشتہ
کیوں؟ ممکن ہے اب بھی قائم ہوں؟"

"بہت ممکن ہے۔" انور اُسکی آنکھوں میں دیکھ کر شرارت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

"تمہاری تہہ تک پہنچنا بہت مشکل ہے۔" آصف نے کہا۔

"یقیناً مشکل ہے۔" انور نے کہا۔ "مگر تم تہہ تک پہنچنے کی کوشش سے باز نہیں آتے۔ جب بھی یہاں کوئی خاص قسم کا کیس ہو جاتا ہے تم میری تہہ تک پہنچنے میں مشغول ہو جاتے ہو اور میں اس جرم کی تہہ تک پہنچ کر کوڑیاں اور گھونگھے بٹور لاتا ہوں۔ کوڑیاں خود رکھ لیتا ہوں اور گھونگھے تم سمیٹ لے جاتے ہو۔ آخر ہو نہ گھونگھے۔"

"کہہ لو برخوردار....!" آصف بزرگانہ انداز میں بولا۔ "تم یہ بھی نہیں دیکھتے کہ میں عمر میں تم سے کتنا بڑا ہوں۔"

انور بُرا سا منہ بنا کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔

اتنے میں رشیدہ آندھی اور طوفان کی طرح کمرے میں داخل ہوئی۔ اُس کے ہاتھ میں ناشتہ دان تھا۔

"تمہارا کھانا۔" اُس نے ناشتہ دان میز پر رکھتے ہوئے کہا اور کمرے سے چلی گئی۔

"تم کہہ رہے تھے کہ فلم دیکھنے گئی ہے؟" آصف بولا۔

"نہ گئی ہوگی۔" انور لاپروائی سے بولا۔

آصف نے اٹھ کر ناشتہ دان کے ڈبے نکالے اور انہیں میز پر پھیلاتا ہوا بولا۔ "آؤ بھئی۔"

"خیر وہ سو روپے حلال کئے بغیر میں خود نہ کھاؤں گا۔" انور نے اپنی کرسی میز کے قریب کھسکاتے ہوئے کہا۔

دونوں کھانے میں مشغول ہوگئے۔

"تم آخر اس سے شادی کیوں نہیں کر لیتے؟" آصف نے کہا۔

انور منہ چلاتے چلاتے رک کر اُسے گھورنے لگا۔ آصف سر جھکائے بولتا رہا۔ "دنیا اس

کے معاملات کو مشکوک نگاہوں سے دیکھتی ہے اور یہ ہے بھی بُری بات، لاکھ تم اسے بہن سمجھتے ہو مگر دنیا....!"

"میں اُسے قطعی بہن نہیں سمجھتا۔" انور بگڑ کر بولا۔ "تم لوگوں کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ اگر وہ رشیدہ کے بجائے رشید ہوتی تو کیا میں اُسے بھائی سمجھتا؟ دنیا.... دنیا.... کیا رٹ رہے ہو۔ میں بھی اس دنیا کا ایک فرد ہوں اور میں نے کبھی خود کو مشکوک نگاہوں سے نہیں دیکھا۔ کھانا کھاؤ کھانا۔ یہ مسائل تصوف نہیں ہیں کہ تم آسانی سے سمجھ لو۔"

"خیر بھئی تمہاری مرضی۔ سمجھانا میرا فرض ہے۔" آصف نے اپنے حلق میں پھنسے ہوئے نوالے کو پانی سے دھکیلتے ہوئے کہا۔

رضوان کی دھمکی

آصف کے چلے جانے کے بعد انور دروازہ بند کرنے کے لئے اٹھ ہی رہا تھا کہ رشیدہ پھر گھس آئی۔

"یہ لو اپنے روپے۔" اُس نے کئی نوٹ انور کے منہ پر پھینک مارے اور جانے کے لئے مڑی۔ انور نے اُس کا بازو پکڑ لیا۔

"کیا بگڑ گئیں؟" اُس نے انتہائی رومانٹک انداز میں پوچھا۔

"چھوڑو....!" وہ بیزاری سے بولی۔ "میں نہیں بات کرتی وحشیوں سے۔"

"تو تم نے یہ روپے کیوں واپس کر دیئے؟"

"میری خوشی.... میں نہیں رکھنا چاہتی۔"

"تو اب مزاج سیدھے نہیں ہوں گے؟" انور تیز لہجے میں بولا۔

"نہیں....!" وہ اُس سے سخت لہجے میں بولی۔

"تم شاید یہ سمجھتی ہو کہ مجھے تم سے عشق ہے؟" انور ہونٹ بھینچ کر بولا۔ "میں ساری رات تڑپ تڑپ کر گزار دوں گا؟"

"نہیں میں یہ سمجھتی ہوں کہ تم خود غلط فہمی میں مبتلا ہو۔ تم یہ سمجھتے ہو کہ میں تم پر کئی ہزار

جان سے عاشق ہوں۔ ذرا اپنی صورت تو دیکھو۔" رشیدہ نے کہا اور ہاتھ چھڑا کر باہر چلی گئی
انور نے اس انداز سے دروازہ بند کر لیا جیسے وہ اُس کی تعریف کر کے گئی ہے۔ اُس کا چہرہ
قسم کے جذبات سے عاری نظر آ رہا تھا۔ وہ پھر میز کے قریب آ کر بیٹھ گیا۔ جیب سے وہی کاغذ
پرزہ نکالا اور اُس پر نظریں جما دیں۔ میز کی دراز کھول کر اُس میں کچھ کاغذات اور نکالے۔ ابھی
انہیں میز پر رکھ بھی نہ پایا تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی۔

"کون ہے؟" انور جھنجھلا کر چیخا۔

"رضوان....!" باہر سے آواز آئی۔ انور نے گھڑی دیکھی گیارہ بج رہے تھے۔ اُس
کاغذات پھر میز کی دراز میں رکھ دیئے اور اٹھ کر دروازہ کھولتے ہوئے کچھ بڑبڑایا۔
رضوان کے ساتھ ساجدہ بھی تھی۔ انور ایک طرف ہٹ گیا۔ وہ دونوں کمرے میں آ
انور انہیں استفہامیہ نظروں سے گھور رہا تھا۔

"تم نے مجھے اُس لڑکی کے بارے میں کیوں نہیں بتایا تھا....؟" ساجدہ نے انور سے پوچھا

"کیوں بتاتا۔" انور بولا۔

ساجدہ خاموش ہو گئی۔ وہ تنفر آمیز انداز میں منہ بنائے کھڑی تھی۔ رضوان ایک کرسی
بیٹھ گیا اور اُس نے ساجدہ کو بھی بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ اُس کے انداز سے معلوم ہو رہا تھا کہ وہ
وقت کسی قسم کے تکلفات کے لئے تیار نہیں۔

"میں زبیدہ کا پتہ پوچھنے کے لئے آیا ہوں۔" رضوان انور کو گھورتا ہوا بولا۔

"اچھا جی۔" انور شانوں کو جنبش دے کر بولا۔

"زبیدہ کہاں ہے؟" رضوان نے پھر پوچھا۔

"اس کوٹ کی جیب میں۔" انور نے کھونٹی پر لٹکے ہوئے کوٹ کی طرف اشارہ کر کے کہا

"اس کا نتیجہ اچھا نہ ہو گا۔" رضوان گرج کر بولا۔

"آہستہ بولو۔ پڑوس کے لوگوں کی نیند میں خلل پڑ جائے گا۔" انور نے کہا اور سگریٹ
سلگانے لگا۔

"میں دوسرا طریقہ بھی استعمال کر سکتا ہوں۔" رضوان سخت لہجے میں بولا۔

"تیسرا چوتھا اور پانچواں بھی استعمال کر سکتے ہو۔" انور نے لاپروائی سے کہا اور دھوئیں کے

ہلکے ہلکے دائرے منہ سے نکالنے لگا۔

"تم آخر بتا کیوں نہیں دیتے؟" ساجدہ بولی۔

"کیوں؟ تمہیں اُس سے کیا دلچسپی....!"

"ارشاد کے کچھ کاروباری کاغذات اُس کے پاس ہیں۔" ساجدہ بولی۔

"خیر میں نہیں جانتا کہ وہ کہاں ہے۔" انور نے کہا۔ "میں خود اُس کی تلاش میں ہوں۔"

"کیوں....؟" رضوان نے چونک کر کہا۔

"اس لئے کہ میں تم پر اغوا کا مقدمہ چلوانا چاہتا ہوں۔" انور پرسکون لہجے میں بولا۔

"بے کار مت بکو۔" رضوان بیزاری سے بولا۔

"اور مجھے یہ بھی دیکھنا ہے کہ تم اُسے ارشاد کے سر کیوں منڈھنا چاہتے تھے جب کہ یہ اچھی
طرح جانتے تھے کہ وہ اُس سے شادی نہیں کرے گا اور دوسری چیز یہ کہ جو بات تم نے پولیس سے
چھپائی تھی ساجدہ پر کیوں ظاہر کر دی اور سب سے زیادہ اہم بات تو یہ ہے کہ ساجدہ کے اور
تمہارے تعلقات اس کے بعد بھی خوشگوار نظر آ رہے ہیں حالانکہ ساجدہ کو تم سے اس بناء پر متنفر
ہونا چاہئے کہ تم اس کے شوہر کو ایک عورت کے پھندے میں پھنسائے ہوئے تھے۔"

"یہ ہمارے نجی معاملات ہیں۔ تمہیں اس سے کیا غرض۔" ساجدہ بگڑ کر بولی۔

"میں بھی تو کبھی تمہارے نجی معاملات میں دخیل رہ چکا ہوں۔" انور مسکرا کر بولا۔

ساجدہ جھینپ کر دوسری طرف دیکھنے لگی اور رضوان کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔ وہ اُسے
کھا جانے والی نظروں سے گھور رہا تھا۔

"دیکھو میں کہتا ہوں کہ اُس کا پتہ بتا دو۔" رضوان نے کہا۔

"تم اس سلسلے میں پولیس کی مدد لے سکتے ہو۔"

"تم آخر اتنے درندے کیوں ہو۔ تمہیں مجھ پر رحم کیوں نہیں آتا....؟" ساجدہ بولی۔

"اسے درندہ بنایا کس نے؟" دروازے کی طرف سے آواز آئی۔ رشیدہ دروازے کے قریب
کھڑی ہانپ رہی تھی۔

"چہ چہ....!" انور منہ بنا کر بولا۔ "تم جا کر سو جاؤ۔"

"نہیں جاتی۔" رشیدہ گرج کر بولی اور ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔

"اہلیہ محترمہ۔ ۔؟" رضوان نے آہستہ سے پوچھا۔

"نہیں۔۔۔۔!" انور بیزاری سے بولا۔ "ہاں اور کیا بات ہے؟"

"اور کوئی بات نہیں۔"

"اچھا۔۔۔۔اچھا۔۔۔۔!" انور جلدی سے بولا۔ وہ جب بھی ملے گی میں تمہیں مطلع کردوں گا۔ اپنا پتہ لکھ دو۔ میں فلیٹ نمبر بھول گیا اور فون نمبر بھی لکھ دینا۔

انور نے اُس کی طرف کاغذ اور قلم بڑھا دیا۔ رضوان ہچکچایا اُسے حیرت تھی کہ یک بیک انور اتنا معصوم کیوں بن گیا۔

"مگر۔۔۔۔ مگر۔۔۔۔!" رضوان نے کچھ کہنا چاہا۔

"واقعی۔۔۔۔! میں خود اُس کی تلاش میں ہوں۔" انور بولا۔

رضوان لکھنے لگا۔

"ٹھہرو۔۔۔۔!" انور ہاتھ اٹھا کر بولا۔

رضوان رک کر اُس کی طرف دیکھنے لگا۔

"تم نے اردو کو علاقائی زبان قرار دیئے جانے والے فارم پر دستخط کیے ہیں یا نہیں؟" انور سنجیدگی سے بولا۔

"ہاں۔۔۔۔ کیوں۔۔۔۔؟"

"اور پھر بھی تمہیں انگریزی میں پتہ لکھتے ہوئے شرم نہیں آتی؟" انور شرارت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

"تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔" رضوان جھلا کر بولا اور کاغذ کے ٹکڑے اُسکی طرف ڈال دیئے۔

انور لاپروائی سے کوئی اثر لئے بغیر سگریٹ پیتا رہا۔

"آؤ چلیں۔۔۔۔!" رضوان ساجدہ کی طرف دیکھ کر بولا۔ ساجدہ کھڑی ہو گئی دونوں دروازے کی طرف بڑھے۔

"تمہارا دیوانہ پن یہی ہاتھ ٹھیک کریں گے۔" رضوان جاتے جاتے مڑ کر انور کو مکا دکھاتا ہوا بولا۔

"سردیوں میں دستانے استعمال کیا کرو۔ تمہارے ہاتھ کانپ رہے ہیں۔" انور مسکرا کر بولا

اور داد طلب نگاہوں سے رشیدہ کی طرف دیکھنے لگا۔

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر رشیدہ اٹھ کر جانے لگی۔

"ٹھہرو۔" انور اپنی آواز کو بارعب بنانے کی کوشش کرتا ہوا بولا۔ رشیدہ رک گئی۔

"بیٹھ جاؤ۔"

وہ بیٹھ گئی۔

"تمہارا منہ کیوں پھولا ہوا ہے؟"

"تم سے مطلب۔۔۔۔؟"

"اب سیدھی ہو جاؤ کھال ادھیڑ دوں گا۔"

"میرے بھی ہاتھ ہیں اور میں نے بھی ایک ہنٹر خریدا ہے۔" رشیدہ نے کہا۔ "میں سچ کہتی ہوں کسی دن مارتے مارتے ادھ مرا کر دوں گی۔"

"شاباش شاباش" انور بچوں کی طرح تالیاں بجاتا ہوا بولا۔ "میں اس وقت تم میں ایک سچی عورت دیکھ رہا ہوں۔ بھلا بتاؤ مردود مجھ سے کہتے ہیں کہ میں تم سے شادی کر لوں۔ اگر تم میری بیوی ہوتیں تو دم دبا کر بیٹھ جاتیں اور میں نفرت کے مارے تمہیں ایک ٹھوکر رسید کر دیتا۔ جاؤ جا کر سو جاؤ۔"

"نہیں جاتی۔" رشیدہ نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔ "تم اُس سے اردو میں پتہ کیوں لکھوا رہے تھے؟ یہ کیا حماقت تھی؟"

"حماقت۔۔۔۔؟" انور چونک کر بولا۔ "کیا تمہیں وہ پرچہ یاد نہیں جو کسی نامعلوم آدمی نے زہرہ کے کمرے میں پھینکا تھا۔۔۔۔؟"

"اوہ۔۔۔۔ تو تمہیں اس پر شبہ تھا اور تم تحریر ملانے کے لئے اُس سے اردو لکھوا رہے تھے؟"

"بہت دیر میں سمجھیں۔" انور نے کہا اور کچھ سوچنے لگا۔ پھر رشیدہ کو غور سے دیکھتا ہوا بولا۔ "زہرہ سے کیا باتیں ہوئیں؟"

"کیا مطلب۔۔۔۔؟" رشیدہ چونک کر بولی۔ "تمہیں کیسے معلوم ہوا۔"

"عورت مرد سے زیادہ کھوجی طبیعت رکھتی ہے۔ تمہیں اُس سے ملے بغیر چین پڑ ہی نہیں سکتا تھا۔ تم کھانا کھانے کے بعد فلم دیکھنے کی بجائے وہاں چلی گئیں۔۔۔۔ خیر۔۔۔۔ لیکن تمہیں اس

وقت وہاں نہ جانا چاہئے تھا۔“

”کیوں؟“

”اس لئے کہ مجرم اُس کی تلاش میں ضرور ہوگا۔“ انور نے کہا۔ ”خیر چھوڑو، اُس سے کیا باتیں ہوئیں؟“

”تمہارے چلے آنے کے بعد اُس نے ارشاد کے متعلق چھان بین کی اور اُسے اصلیت کا علم ہو گیا تو دل شکستہ ہو کر سعید منزل سے بے پول ہوٹل میں منتقل ہو گئی اور پھر دوسرے دن اخبار میں ارشاد کے قتل کے متعلق پڑھا۔ ان سب حادثات نے اُسے تقریباً مخبوط الحواس کر دیا ہے۔“

”تم نے اُس سے یہ نہیں پوچھا کہ وہ پرچہ کس نے پھینکا تھا....؟“

”اُس نے کہا کہ وہ نہیں جانتی۔“

”رشو....!“ اُس نے بڑے پیار سے رشیدہ کو مخاطب کیا۔

”کیا....؟“ رشیدہ نیم باز آنکھوں سے اُسے دیکھنے لگی۔

”تم بالکل گدھی ہو۔ اگر وہ اس طرز تحریر کو پہچانتی نہ ہوتی تو بدحواس کیوں ہو جاتی۔“

”میں بھی اتنا سمجھتی ہوں۔“

”تو پھر تم اُس کے کہنے میں کیوں آگئیں؟“

”وہ اسی پر اڑی رہی میں کیا کرتی۔“

”خیر....اور کچھ؟“ انور سگریٹ سلگاتا ہوا بولا۔

”اور کچھ نہیں۔“ رشیدہ جماہی لیتی ہوئی بولی۔ ”یہ آصف اُس وقت کیوں آیا تھا؟“

”ایک بالکل نئی اطلاع لے کر، اپنی دانست میں اُس نے بڑا تیر مارا تھا۔“ انور نے کہا۔ ”سارے واقعات بتا دیئے۔

”ممکن ہے وہ خط شاہد کی بیوی ہی کا ہو۔“ رشیدہ بولی۔

”بات کوئی جچتی نہیں۔ ایک ٹائپ کیا ہوا کاغذ جس کے نیچے دستخط بھی نہ ہوں محض انگلی کے نشان کی بناء پر اُس کا کیسے قرار دیا جا سکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسا خط محض رازداری ہی کے خیال سے بھیجا جا سکتا ہے۔ اچھا اگر رازداری کے خیال سے بھیجنے والے نے ہاتھ سے لکھنے کی بجائے اُسے ٹائپ کیا اور نیچے اپنے دستخط بھی نہیں کیے تو کیا وہ ایسا احمق ہو سکتا ہے کہ اسی خط میں ایک

غلطی کر جائے جو ایک ناسمجھ بچے کی نظر میں بھی اُسے راز نہ رہنے دے؟“

”میں تمہارا مطلب نہیں سمجھی۔“

”اُس خط میں کھلم کھلا شاہد کا تذکرہ تھا اور وہ بھی اس انداز سے کہ ایک ننھا سا بچہ بھی پڑھ کر اندازہ لگا سکتا ہے کہ وہ شاہد کی بیوی کا خط ہے۔“

”تو تم شاہد کو مجرم نہیں سمجھتے؟“ رشیدہ نے کہا۔ ”میرا خیال ہے کہ زبیدہ کے کمرے میں جس وقت وہ پرچہ گرا تھا شاہد ہی کا تذکرہ ہو رہا تھا اور وہ اس پر کچھ کہے بھی جا رہی تھی۔“

”تمہاری یاد داشت بہت اچھی ہے۔“ انور بولا۔ ”وہ چیز میرے ذہن میں ہے مگر محض اس بناء پر کوئی حتمی فیصلہ نہیں کر سکتا اس صورت میں شاید میں اُسی نتیجے پر پہنچتا۔ اگر درمیان میں یہ شاہد کی بیوی والا خط نہ ٹپک پڑتا۔“

”تو پھر اب رضوان ہی رہ جاتا ہے۔“ رشیدہ نے کہا۔

”کیوں سیٹھ اطہر کیوں نہیں۔ اُسے بھی تو ارشاد کی ذات سے کافی نقصان پہنچا ہے یا اور دوسرے لوگ جن کا سرمایہ اُس ہیرے کی کان میں لگا ہوا تھا۔“

”رضوان کا نام میں ایک خاص مقصد کے تحت لے رہی ہوں۔“ رشیدہ نے کہا۔ ”ساجدہ خطرناک اوباش واقع ہوئی ہے۔ ممکن ہے رضوان سے تعلق ہو گیا ہو اور رضوان نے ارشاد کو اپنے راستے سے ہٹانے کے لئے اُسے ایک عورت کے پھندے میں پھنسا کر خود ساجدہ کے ساتھ گلچھرے اڑانے کی راہ نکال لی ہو۔ پھر مستقل طور پر یہ کانٹا نکالنے کے لئے اُسے قتل ہی کر دیا ہو۔ اگر میرا خیال درست ہے تو ساجدہ بھی قتل کی سازش میں شریک معلوم ہوتی ہے۔ اُس نے شہر کے ایک بہترین ماہر جرائم کی خدمات حاصل کیں۔ تاکہ وہ یہ ثابت کر سکے کہ اُس کے شوہر کی دماغی حالت درست نہیں تھی۔ اس لئے اُس نے خودکشی کر لی لیکن بُرا ہوا اس ماہر جرائم کا کہ اُس نے اس خودکشی کو قتل ثابت کر دیا....!“

انور بڑے سکون سے رشیدہ کی گفتگو سن رہا تھا۔ اُس کے خاموش ہوتے ہی مسکرانے لگا۔

”تم بہت ذہین ہو رشو۔“ وہ پیار بھرے لہجے میں بولا۔ ”لیکن میرا دل چاہتا ہے میں سچ مچ تمہاری کھال اُدھیڑ دوں۔“

”کیوں....؟“

"تم نے مجھے ایک نئی الجھن میں مبتلا کر دیا ہے۔"

"کیسی الجھن؟"

"یہی کہ قاتل نے دونوں فائر چہرے پر کیوں کیے تھے؟" انور کچھ سوچتا ہوا بولا۔

"اس وقت نہ جانے میرا ذہن آئینہ ہو رہا ہے۔" رشیدہ بولی۔

"وہ تبھی میں نے تمہارے بال پکڑ کر جھٹکے جو دیئے تھے۔ اگر کہو تو اور آئینہ کر دوں؟" مسکرا کر بولا۔

"بے تحاشہ باٹا کی چپل سے پیٹنا شروع کر دوں گی۔ ساری وحشت نکل جائے گی۔"

"اور یہ فلکس کے جوتے دیکھے ہیں تم نے؟"

"احتیاط سے رکھوا نہیں جب یہ سو روپے ختم ہو جائیں تو انہیں اُبال کر پینا۔" رشیدہ کر بولی۔ "خیر چھوڑو میں یہ کہہ رہی تھی کہ اس دونالی بندوق میں لگے ہوئے دونوں کار چھوٹے چھروں والے تھے۔ ظاہر تھے کہ اگر وہ جسم کے کسی اور حصے پر چلائے جاتے تو ا فوراً موت واقع ہوتی اور ارشاد میں زخمی ہو جانے کے باوجود بھی جدوجہد کی قوت باقی ر ممکن ہے اس طرح قاتل پکڑ لیا جاتا۔ لہٰذا اُس نے اُس کے چہرے پر فائر کر کے اُسے اندھا اور پھر بہت ممکن ہے کہ اس کے بعد اُس نے اُس کا گلا گھونٹ کر اُسے فوراً ہی ٹھنڈا کر دیا ہو۔ تو پوسٹ مارٹم کی رپورٹ نہیں آئی۔"

"رشو! واقعی تم اس وقت کمال کر رہی ہو۔" انور مسکرا کر بولا۔ "میں تمہاری عزت نہ ہوتا تو یقیناً تم سے شادی کر لیتا۔"

"شادی تو ساجدہ سے کرنا۔ خالی ہو گئی ہے نا۔"

"مگر ساجدہ کو تم جیل خانے بھجوا رہی ہو؟"

"اور کیا تم بچ جاؤ گے، ایک طرح سے تم بھی ارشاد کے قاتل ہو سکتے ہو۔"

"اوہو.... تمہیں نہیں معلوم۔ تارجام کی پولیس میری طرف سے بھی مشکوک ہو ہے۔ آصف بھی کچھ کچھ یہی سوچ رہا ہے۔"

"آصف کی حجامت تو کسی دن بناؤں گی۔"

"اچھا جاؤ۔ تمہیں اب نیند آ رہی ہے۔"

"نہیں جاتی۔"

"اچھا جی....!" انور اٹھتا ہوا بولا۔ "کیا کہا؟"

اُس نے رشیدہ کو کمرے کے باہر دھکیل کر دروازہ بند کر لیا۔

حملہ

دوسرے دن انور بہت زیادہ مشغول رہا۔ آصف کی مدد سے اُس نے ارشاد کے دفتر کے حسابات کی جانچ پڑتال کی۔ اُس کے بہتیرے کاغذ الٹتا پلٹتا رہا۔ پھر وہاں سے ہائی سرکل نائٹ کلب کی طرف چلا گیا۔ منیجر نے اُسے دیکھ کر نفرت سے منہ سکوڑ لیا۔ اُس نے اُسے بیٹھنے تک کو نہ کہا۔

"میں یہ پوچھنے آیا ہوں...."

"میں کچھ نہیں بتا سکتا۔" منیجر دروازہ کی طرف اشارہ کر کے بولا۔

"نتیجے کے تم خود ذمہ دار ہو گے۔" انور ایک کرسی پر بیٹھتا ہوا بولا۔

"مسٹر انور.... میرے پاس فضول وقت نہیں۔" منیجر بیزاری سے بولا۔

"میں ارشاد کے متعلق کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔"

"وہ کیا بتائے گا۔" ایک ادھیڑ عمر کا فیشن ایبل آدمی کمرے میں گھستا ہوا بولا۔ "میں بتاؤں گا۔"

"کرنل صاحب.... جناب والا.... براہِ کرم۔"

"حکومت.... میں تمہاری ہی وجہ سے کنگال ہوا ہوں۔" وہ چیخ کر بولا۔

"مسٹر.... ار.... کرنل صاحب براہِ کرم خاموش رہیے۔"

"خاموش رہو۔" انور منیجر کو گھور کر بولا۔

"مسٹر انور.... میں پولیس۔" منیجر فون کی طرف ہاتھ بڑھاتا ہوا بولا۔

"شوق سے۔" انور لاپرواہی سے بولا۔ "پولیس مجھ سے زیادہ اس کیس میں دلچسپی لے گی۔"

منیجر بے بسی سے کرسی کی پشت سے ٹک گیا۔ اُس کا منہ فق ہو گیا۔ ہونٹ خشک ہو چلے تھے۔

"ہاں جناب.... اوہ.... کرنل صاحب بیٹھ جائیے۔" انور نے کہا۔

"مسٹر انور آخر آپ چاہتے کیا ہیں؟" منیجر ہانپتا ہوا بولا۔

"میں یہ چاہتا ہوں کہ تم خاموش بیٹھے رہو.... ہاں کرنل صاحب؟"

"آپ ارشاد کے متعلق پوچھ رہے ہیں۔ وہ پکا بے ایمان تھا۔ اُس نے مجھے برباد کر دیا،" کرنل نے کہا۔ "اور اُس سے بھی زیادہ یہ میری تباہی کا باعث ہے۔" کرنل منیجر کو گھورتا ہوا بولا۔

"نہیں کرنل صاحب۔ منیجر بھلا آپ کی تباہی کا باعث کیسے ہو سکتا ہے؟" انور نے کہا۔

"آپ یقین کیجئے اس نے مجھے اُس نامراد ہیرے کی کان کا حصہ خریدنے کے لئے مجبور کیا تھا اور اسی کے ہاتھ سے مجھے منافع بھی ملا تھا۔"

"جب آپ کو منافع بھی مل چکا ہے تو پھر اس میں ناراض ہونے کی کیا بات ہے؟"

"ناراض کیوں ہو رہا ہوں؟" کرنل گرج کر بولا۔ "میرے دس ہزار روپے ڈوب گئے۔ اب ان کی چار سو بیس میری سمجھ میں آئی ہے۔ میرے ہی دس ہزار روپوں میں سے ایک ہزار روپے منافع کے نام پر مجھے واپس کر دیئے اور میں مطمئن ہو گیا۔ جو فرم ہر تیسرے مہینہ اپنے حصہ داروں کو منافع بانٹتی ہو اُس کی طرف کون نہ دوڑے گا۔"

"تم اب شوق سے پولیس کو فون کر سکتے ہو۔" انور منیجر کی طرف دیکھ کر بولا اور جیب سے قلم نکال کر ایک سادہ کاغذ میز سے اٹھاتا ہوا کرنل کی طرف مخاطب ہوا۔ "ہاں کرنل صاحب آپ کا نام اور پتہ؟"

وہ کافی دیر تک کرنل سے پوچھ گچھ کرتا رہا۔ پھر منیجر کی طرف مڑا۔

"تم نے ابھی تک پولیس کو فون نہیں کیا؟" انور نے طنزیہ انداز میں پوچھا۔

"مسٹر انور....!" منیجر کی آواز حلق میں رک گئی۔

"پیارے منیجر....!" انور اُسی انداز میں بولا۔

"میں اپنی صفائی پیش کرنا چاہتا ہوں۔"

"بھلا مجھ کو صفائی سے کیا غرض۔ نہ میں حاکم نہ مجسٹریٹ۔" انور مسکرا کر بولا۔

"آپ سب کچھ ہیں، میں آپ کو اچھی طرح جانتا ہوں۔"

"اور اس کے باوجود بھی تم نے انسپکٹر آصف سے میری شکایت کی تھی۔ حالانکہ میں اُسے اپنی بوڑھی اولاد سے زیادہ نہیں سمجھتا۔"

"مسٹر انور مجھے افسوس ہے۔"

"میں تم سے معافی نامہ لکھوانے نہیں آیا۔" انور تیز لہجے میں بولا۔ "تو تم ارشاد کے کمیشن ایجنٹ تھے؟"

"نہیں.... انہوں نے میری محنت کے صلے میں دس ہزار روپے کا حصہ مفت دے دیا تھا۔"

"کیسے یقین آئے گا اس پر جب کہ ہیرے کی کان کا کوئی حساب ہی نہیں ہے۔" انور نے کہا۔

"یہ مجھے آج کے اخبار سے معلوم ہوا ہے۔" منیجر بولا۔

"بلکہ میرا خیال تو یہ ہے کہ تم اس پوری سازش کے سب سے بڑے حصے دار ہو۔" انور نے کہا۔

"کیوں آپ مجھے پھنسانے کی کوشش کر رہے ہیں۔" منیجر بے چارگی سے بولا۔

"تو پھر تم نہ پھنسو گے تو کیا میں پھنسوں گا۔" کرنل نے کہا۔

"کرنل صاحب آپ غالباً پولیس کو اطلاع دے چکے ہوں گے؟"

"ہاں دے چکا ہوں۔"

"تو بس اب تشریف لے جایئے۔" انور نے بے رخی سے کہا۔ کرنل کچھ دیر بیٹھا دونوں کو گھورتا رہا پھر اٹھ کر چلا گیا۔

"ہاں تو پیارے منیجر۔" انور اُس کی طرف دیکھ کر شرارت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

"مسٹر انور میں بڑی مصیبت میں پڑ گیا ہوں۔" منیجر گھبرائے ہوئے انداز میں بولا۔

"سچ سچ بتاؤ۔ پرسوں یہاں ارشاد آیا تھا یا نہیں؟"

"نہیں....!"

"شاہد.... اُس کا پارٹنر....؟"

"وہ کلب میں ممبر نہیں تھے لیکن کبھی اُن کے ساتھ آیا کرتے تھے اور آپ کے جانے کے بعد پرسوں وہ آپ ہی کی طرح ارشاد کے متعلق پوچھنے کے لئے آئے تھے اور کچھ گھبرائے ہوئے بھی تھے۔" منیجر نے کہا۔

"اوہو.... بہت اچھے۔ تو تم بھی پولیس ہی کی طرح ارشاد کا قتل شاہد کے سر تھوپنا چاہتے ہو۔ لیکن تم مجھے بہلا نہیں سکتے۔ رضوان کو جانتے ہو؟"

"نہیں تو.... میں یہ نام پہلی بار سن رہا ہوں۔"

"بہت اچھے تو تم بھی اُس کے قتل کی سازش میں شریک معلوم ہوتے ہو، کیا تمہیں نہیں

معلوم کہ ارشاد یہیں سے اُس کے نام پارسل بھیجا کرتا تھا اچھا خیر تمہارا نام بھی مشتبہ آدمیوں کی فہرست میں شریک کرلیا جائے گا۔" انور اٹھتا ہوا بولا۔

"مسٹر انور میں رضوان کو نہیں جانتا۔" منیجر بے بسی سے بولا۔ "ارے سنئے تو سہی... ارے.... آپ....!"

انور کوئی جواب دیئے بغیر منیجر کے کمرے سے نکل گیا۔ منیجر اس طرح کرسی پر پڑا ہانپ رہا تھا جیسے کوئی غیر مرئی قوت اُس کا گلا گھونٹ رہی ہو۔

انور دن بھر مارا مارا پھرا اُسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ جلد ہی اصل مجرم پر قابو پا جائے گا۔ اُس کا ذہن ایک مخصوص لائن پر سوچ رہا تھا۔ آج وہ ایک بار ساجدہ کے گھر بھی گیا تھا اس بات کی اطلاع دینے کہ ابھی تک زبیدہ کا سراغ نہیں ملا۔ اُسے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ ساجدہ نے گھر کے سارے ملازمین کو برطرف کردیا ہے اور وہ صحیح معنوں میں ایک مفلس بیوہ کی طرح زندگی بسر کرنے کا ارادہ رکھتی ہے۔ اُسے یہ بھی معلوم ہوا کہ ساجدہ نے زیورات اور دوسری قیمتی اشیاء بیچ کر اپنے شوہر کا قرض ادا کرنے کا تہیہ کرلیا ہے اور اس کے بعد بقیہ زندگی بسر کرنے کے لئے کسی متبرک مقام پر چلی جائے گی۔ انور اُس کی اس قربانی پر عش عش کرتا ہوا گھر لوٹ آیا۔ اُس نے تہیہ کرلیا تھا کہ وہ آج اس مسئلے کو سلجھا کر ہی رہے گا۔ اپنے کمرے میں پہنچ کر اُس نے بے شمار کاغذات میز پر پھیلا دیئے۔ وہ ایک ایک کاغذ کا بغور مطالعہ کر رہا تھا۔

"اُف میرے خدا۔" اُس کے منہ سے بے اختیار نکلا اور وہ کرسی کی پشت سے ٹک کر بے حس و حرکت بیٹھا رہا۔ پھر دفعتاً اٹھ کر نشست کے کمرے میں آیا۔ وہ اتنی جلدی میں تھا کہ اُس نے بجلی جلانے کی زحمت گوارا نہ کی اور دیاسلائی کھینچ کر اُسکی روشنی میں ٹیلی فون کے نمبر گھمانے لگا۔

"ہیلو آصف....!" وہ ماؤتھ پیس میں بولا۔ "میں انور بول رہا ہوں۔ رضوان جس عورت کا وجود چھپانے کی کوشش کر رہا تھا اُس کا پتہ لگ گیا ہے وہ پیٹر روڈ کے نفیس ہوٹل کے کمرہ نمبر ۲ میں مقیم ہے۔ اُس سے بہت کچھ معلوم ہو سکتا ہے۔ جلدی کرو۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں اُس کا بھی وہی انجام نہ ہو جو دھارا سنگھ کا ہوا۔ جلدی کرو میں گھر پر ہی ہوں۔"

انور ریسیور رکھ کر جیسے ہی پلٹا کسی نے دروازے پر دستک دی۔ وہ اس طرح خیالات میں کھویا ہوا تھا کہ کمرے میں روشنی کیے بغیر ہی اُس نے بڑھ کر دروازہ کھول دیا۔ دفعتاً ایک ٹارچ کی

روشنی اُس کے چہرے پر پڑی اور اُس کی چندھیائی ہوئی آنکھوں نے ایک اُس سے بھی زیادہ تیز روشنی کی جھلک دیکھی اور پھر وہ ایک چیخ کے ساتھ کمرے کے وسط میں جا گرا۔ اندھیرے کی تہیں اور موٹی ہوگئیں۔

پھر نہ جانے کتنی دیر بعد اُس نے محسوس کیا کہ وہ اپنے پلنگ پر پڑا ہے اور اُسکا داہنا بازو اسطرح جل رہا ہے جیسے ریشے ریشے میں آگ بھر دی گئی ہو اور پھر اُسکے کانوں میں ایک ایسے گیت کی آواز گونجنے لگی جس سے اُسے بے انتہا نفرت تھی۔ کوئی بھاری اور بے ہنگم آواز میں گنگنا رہا تھا۔

"مان میرا احسان ارے نادان کہ میں نے تجھ سے کیا ہے پیار۔"

"یہ کون بدمذاق ہے۔" انور آنکھیں بند ہی کیے ہوئے زور سے بڑبڑایا۔ "خدا کے لئے اس نفرت انگیز گانے کے بجائے کچھ اور گاؤ۔ مجھے قطعی اعتراض نہ ہوگا۔"

"اوہ تمہیں ہوش آگیا؟" کوئی اُس پر جھک کر بولا۔ انور نے آنکھیں کھول دیں۔

آصف غور سے اُس کا چہرہ دیکھ رہا تھا۔ انور نے اٹھنے کی کوشش کی اور اب اُسے تھوڑی دیر قبل کا واقعہ یاد آرہا تھا۔

"کیا میرے سینے میں زخم ہے؟" انور نے آصف سے پوچھا۔

"نہیں لیٹے رہو.... زخم بائیں بازو میں ہے۔" آصف نے کہا۔ "مگر وہ تھا کون؟"

"مجھے افسوس ہے کہ وہ اپنا نام بتانا بھول گیا۔" انور جھلا کر بولا۔

"ارے جنگلی اس حالت میں بھی تمہاری زبان نہیں مانتی۔" آصف مسکرا کر بولا۔

"زبیدہ کہاں ہے؟"

"اُس نے زہر کھالیا۔ میں اُسے پولیس کی گاڑی میں کوتوالی لے جا رہا تھا اُس نے ہماری غفلت سے فائدہ اٹھا کر زہر کھالیا اور وہ زہر بھی اتنا سریع الاثر تھا کہ دیکھتے ہی دیکھتے وہ ختم ہوگئی۔ کچھ ایسے واقعات پیش آ رہے ہیں کہ عقل ہی کام نہیں کرتی.... وہ لڑکی تھی کون؟"

"ایک مظلوم لڑکی۔ میں نے سوچا تھا کہ شاید حوالات میں اُسے پناہ مل سکے۔ خیر اُسے مرنا تو تھا ہی اگر زہر نہ کھاتی تو قتل کر دی جاتی۔ وہ ارشاد کے قتل کے سلسلہ میں بہت کچھ جانتی تھی لیکن بتانے سے پہلے ہی چل بسی۔"

اور پھر انور نے آصف کو زبیدہ کے متعلق سب کچھ بتا دیا۔ لیکن اُس پرچے کے بارے میں

کچھ نہیں بتایا جو زبیدہ کے کمرے میں گرا تھا۔

"یہ تو بہت بُرا ہوا۔" آصف آہستہ سے بڑبڑایا۔ "تمہیں پہلے ہی مجھے اس کی اطلاع د
چاہئے تھی۔"

"سنو آصف! میں اتنا پتھر نہیں ہوں جتنا کہ لوگ مجھے سمجھتے ہیں۔ میں چاہتا تھا کہ زبیدہ
نام منظر عام پر نہ آئے۔ وہ دنیا کی مظلوم ترین ہستی تھی۔ مگر پھر مجھے مجبور ہو جانا پڑا۔ مجھے یہ خو
لاحق ہوا کہ کہیں اُس کا بھی وہی حشر نہ ہوا ہو جو دھارا سنگھ کا ہوا۔"

"تمہاری اسی احتیاط نے اُس کی جان لی۔" آصف نے کہا۔

"نہیں آصف، پولیس جب بھی اُسے حراست میں لینے کی کوشش کرتی، زندہ نہ پاتی۔
سمجھ لو کہ انور جس سے ہار جائے دنیا کی کوئی طاقت اُسے قابو میں نہیں لاسکتی۔ وہ پولیس کو ا
لفظ بھی نہ بتاتی۔"

آصف خاموش ہو گیا۔ اُس کی نگاہیں تفکر آمیز انداز میں انور کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں

"تو کیا اب قاتل کا پتہ نہ لگ سکے گا؟" آصف نے مایوسانہ انداز میں کہا۔

"ایسا تو نہیں۔" انور مسکرا کر بولا۔ "کل تم اُسے مردہ یا زندہ پولیس کی لاری میں لا
کوتوالی لے جاؤ گے۔"

"وہ کون ہے؟" آصف نے بے ساختہ پوچھا۔ انور مسکرانے لگا۔ جس کا مطلب یہ تھا
آصف کی بے چینی قبل از وقت اور فضول ہے۔ وہ ابھی ایک لفظ بھی نہیں بتا سکتا۔

"میں خود نہیں جانتا۔" انور نے کہا۔ "لیکن کل وہ یقیناً میرے قابو میں ہوگا۔ اوہ.... رشی
کہاں ہے؟"

"دوا لینے ڈاکٹر کے ساتھ گئی ہے۔" آصف نے کہا۔

"اوہ تو ڈاکٹر مجھے دیکھ چکا ہے؟"

"ہاں.... لیکن تم یہ کیوں نہیں بتاتے کہ حملہ آور کون تھا؟"

"بھئی میں خود نہیں جانتا۔ اُس نے پہلے میرے چہرے پر ٹارچ کی روشنی ڈال کر مجھے چند
دیا۔ پھر شاید چاقو سے وار کیا تھا۔"

"ہاں زخم چاقو کا ہے۔ مگر زیادہ گہرا نہیں۔" آصف نے کہا۔ "میں زبیدہ کی لاش کو ہسپتا

پہنچا کر سیدھا یہیں آیا۔ کمرے میں اندھیرا تھا۔ ٹارچ جلائی تو تم فرش پر پڑے دکھائی دیئے۔
رشیدہ بھی موجود نہیں تھی لیکن وہ تھوڑی دیر بعد آگئی۔ میں نے فون پر ڈاکٹر کو بلالیا تھا۔ رشیدہ
بہت پریشان تھی۔ واقعی وہ تمہیں بہت زیادہ چاہتی ہے۔"

"دوست چاہتے ہی ہیں۔ وہ میرا دوست ہے میں اُسے لڑکی نہیں سمجھتا۔" انور آنکھیں بند
کر کے بڑبڑایا۔

"کیا تم اس کی رپورٹ پولیس کو دو گے؟" آصف نے پوچھا۔

"یقیناً جو دل چاہے لکھ دینا۔" انور نے کہا۔ "لیکن شبہے میں رضوان کا نام ضرور لکھوا دینا۔ وہ
کل مجھے زبیدہ کے سلسلے میں دھمکی دے کر گیا تھا۔ اُس کا نام اخبار میں بھی آجائے تو اور اچھا ہے
میں وجہ نہیں بتاؤں گا بس۔"

قاتل کون

دوسرے دن پولیس رضوان کی تلاش میں تھی اور وہ کہیں غائب ہو گیا تھا۔ اخبارات میں
زبیدہ کی تصویر اور اُس کی درد بھری کہانی شائع ہوئی تھی۔ اس طرح پبلک ارشاد کے ایک اور سیاہ
کارنامے سے واقف ہوئی۔ لیکن اب اُس کے قاتل کا نام جاننے کے لئے لوگوں کی بے چینی بڑھتی
جا رہی تھی۔ اُسے شاہد نے قتل کیا تھا یا رضوان نے؟ انسپکٹر آصف نے شاہد کی بیوی کو حراست
میں لے لیا تھا۔ ہائی سرکل نائٹ کلب کے منیجر کی گرفتاری زیر غور تھی۔

لوگوں کو توقع تھی کہ اس بار پھر کرائم رپورٹر انور ہی قاتل کی گرفتاری کے سلسلہ میں
پولیس کی رہنمائی کرے گا۔ کیونکہ انور پر اچانک حملے سے تو یہی ثابت ہوتا تھا کہ وہ معاملے کی تہہ
تک پہنچ چکا ہے۔ اس لئے قاتل نے اُسے بھی اپنے راستے سے ہٹانے کی کوشش کی۔

انور آج آفس نہیں گیا۔ حالانکہ زخم زیادہ گہرا نہیں تھا اور نہ وہ کوئی خاص تکلیف ہی محسوس
کر رہا تھا۔ لیکن پھر بھی وہ باہر نہیں نکلا۔ انسپکٹر آصف نے اُس کے گھر کے کئی چکر لگائے لیکن اُس
سے کوئی کام کی بات نہ معلوم کر سکا۔ وہ اُسے بچوں کی طرح بہلاتا رہا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی
ساتھ وہ اپنے اس وعدے پر قائم تھا کہ آج وہ قاتل کو پولیس کے حوالے کر دے گا۔ اُس نے

رشیدہ کو بھی کچھ نہیں بتایا۔ حسب معمول رشیدہ دفتر چلی گئی اور جب وہ شام کو واپس آئی تو انور کو پہلے ہی کی طرح کتابوں میں ڈوبا ہوا پایا۔

"کیا وہ قاتل ان کتابوں کے کسی صفحے سے چپکا ہوا ہے؟" رشیدہ بولی۔

"نہیں وہ تمہاری کٹیلی آنکھوں سے جھانک رہا ہے۔" انور نے کہا اور کتاب بند کر کے میز پر رکھ دی۔ وہ تھوڑی دیر تک تفکر آمیز انداز میں رشیدہ کی طرف دیکھتا رہا پھر کرسی سے اٹھتا ہوا بولا۔ "اچھا میرے دوست! اب اس ڈرامے کے آخری سین کے لئے تیار ہو جاؤ۔"

"کیا مطلب....؟"

"غالباً ہمارے دونوں پستول ٹھیک حالت میں ہوں گے؟" انور نے کہا۔

"ہاں ہیں تو لیکن تمہارا ارادہ کیا ہے؟"

"ایک گیدڑ کی بھٹ میں گھسنا ہے جسے لوگ خواہ مخواہ بھیڑیا سمجھے بیٹھے ہیں۔"

"تمہارا اشارہ قاتل کی طرف ہے؟" رشیدہ نے کہا۔

"ہاں۔"

"لیکن وہ ہے کون؟"

"بہت جلد معلوم ہو جائے گا۔ ذرا اندھیرا پھیلنے دو۔" انور نے کہا۔ "ہاں رشو، اُن پستولوں کو ایک بار پھر دیکھ لیا جائے۔"

رشیدہ اپنے کمرے سے دونوں پستول لے آئی۔ انور آنکھیں گھما پھرا کر دیکھنے لگا۔

"تو کیا پولیس کی مدد نہ لو گے؟" رشیدہ نے کہا۔

"پولیس بعد کی چیز ہے۔ اگر اُس نے مجھ پر حملہ نہ کیا ہوتا تو میں خواہ مخواہ کی دردسری مول نہ لیتا۔ مگر اب ضروری ہو گیا ہے۔"

"تو پھر میں اس غرارے اور دوپٹے کو تہہ کر کے بکس میں رکھ دوں؟" رشیدہ نے کہا۔

"قطعی....!" انور نے کہا اور سگریٹ سلگا کر کمرے میں ٹہلنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد رشیدہ لباس تبدیل کر کے آ گئی۔ اُس نے کتھئی رنگ کے چمڑے کی جیکٹ اور خاکی گیبرڈین کی پتلون پہن رکھی تھی۔

اس وقت انور سچ مچ اُسے پیار بھری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

"شاباش.... اب تم اس وقت ایک جوان عورت نہیں مرد معلوم ہو رہی ہو۔" انور بے اختیار بولا۔

"اور یہ گھونسا....؟" رشیدہ مٹھی باندھ کر انور کے چہرے کے سامنے نچاتی ہوئی بولی۔

"بہت لذیذ.... لیکن ابھی اس کے استعمال کا وقت نہیں۔"

تھوڑی دیر بعد اُس کی موٹر سائیکل شہر کی متعدد سڑکوں پر فراٹے بھرتی پھر رہی تھی۔ انور نے اس دوران میں رشیدہ کو اپنی پوری اسکیم سے آگاہ کر دیا تھا۔ موٹر سائیکل کی رفتار آسکر اسٹریٹ میں پہنچ کر کم ہو گئی اور پھر وہ دونوں اُتر پڑے۔ موٹر سائیکل ایک سڑک کے کنارے کھڑی کر کے وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگے۔ آسکر اسٹریٹ پرسکون سڑک تھی جس کے دونوں اطراف عالی شان کوٹھیاں تھیں۔ یہاں زیادہ تر متمول لوگ رہتے تھے۔

تقریباً نو بج گئے تھے۔ سردیوں کی رات تھی اور جلد ہی چاروں طرف سناٹا چھا گیا تھا۔ اکثر کوٹھیوں کی جالیوں، کھڑکیوں اور روشندانوں سے روشنی چھن کر سڑک پر آ رہی تھی۔ وہ دونوں ساجدہ کی کوٹھی کے سامنے رک گئے۔ انور نے آہستہ سے سلاخوں دار پھاٹک کھولا اور دونوں کمپاؤنڈ میں داخل ہو گئے۔ یہاں بھی چاروں طرف سناٹے اور تاریکی کا راج تھا۔ رشیدہ کوٹھی کا چکر لگاتی ہوئی پچھواڑے کی طرف چلی گئی اور انور برآمدے کی طرف بڑھا۔ پے بہ پے گھنٹی بجانے کے بعد ایک دروازہ کھلا اور برآمدے میں روشنی پھیل گئی۔

"کون ہے؟"

"اوہ ساجدہ....!" انور آگے بڑھ کر بولا۔

"انور.... کیوں.... کیا ہے؟" ساجدہ اونچی آواز میں بولی۔

"میں بہرہ نہیں ہوں۔" انور نے کہا۔

"کیوں....؟"

"رضوان کے متعلق کچھ پوچھنا ہے۔ کیا تم نے آج کا اخبار نہیں پڑھا....؟" انور کمرے میں گھستا ہوا بولا۔

"کیوں تم میرے پیچھے پڑ گئے ہو۔" ساجدہ بے بسی سے بولی۔

"رضوان نے تمہارے سامنے مجھے دھمکی دی تھی۔ کیا تم میری طرف سے گواہی دو گی؟"

انور ایک صوفے میں دھنستا ہوا بولا۔

"مجھے کسی چیز سے کوئی دلچسپی نہیں رہ گئی۔" ساجدہ بیزاری سے بولی۔

"ایسا نہ کہو۔" انور انتہائی جذباتی لہجے میں بولا۔ "مجھے اب بھی تم سے محبت ہے۔"

ساجدہ غم انگیز نظروں سے اُسکی طرف دیکھنے لگی۔ شاید اُس کی آنکھوں میں آنسو بھی آ گئے

"انور اب اس قصے کو مت چھیڑو۔ میرا دل دنیا سے اچاٹ ہو گیا ہے۔" ساجدہ ایک لمبا سانس لے کر بولی۔

"غالباً اسی لئے تم ارشاد کی ڈاڑھی بڑھنے کا انتظار کر رہی ہو تاکہ اُسے ایک مولوی کے بھیس میں حج کا بہانہ کر کے یہاں سے نکال لے جاؤ۔" انور نے اپنا ایک ہاتھ جیب میں ڈالتے ہوئے اطمینان سے کہا۔ ساجدہ بے اختیار اچھل پڑی۔ وہ انور کو خوفزدہ نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔ دفعتاً سامنے والے کمرے سے ایک فائر ہوا۔ اگر انور پہلے ہی سے غیر ارادی طور پر ایک طرف نہ جھک گیا ہوتا تو اُس کا شکار ہو جانا یقینی تھا۔ دفعتاً وہ اچھل کر ساجدہ پر آ رہا اور اُسے ڈھال بنا کر پستول نکالے ہوئے کھڑا ہو گیا۔

"ارشاد تمہاری دوسری گولی ساجدہ کے لگے گی۔" انور چیخ کر بولا۔ "تم یہاں سے بھاگ نہیں سکتے۔ چاروں طرف پولیس لگی ہوئی ہے۔"

ساجدہ اُس کی گرفت سے نکلنے کی جدوجہد کر رہی تھی۔

"تم ایک اچھی اداکارہ ہو۔" انور آہستہ سے بولا۔ "اور ہندوستانی صنعت فلم سازی کا روشن مستقبل....!"

ساجدہ اُسے بے تحاشا گالیاں دے رہی تھی۔

دفعتاً سامنے والے کمرے کا دروازہ کھلا اور ارشاد اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھائے ہوئے باہر آیا اُس کے پیچھے رشیدہ تھی جس کے پستول کی نالی ارشاد کی کمر میں چبھی ہوئی تھی۔

"بہت اچھے۔" انور بچوں کی طرح چیخا۔

رشیدہ داد طلب نگاہوں سے انور کی طرف دیکھنے لگی اور ارشاد نے پھرتی سے پلٹ کر ایک ہاتھ اُس کے پستول پر مارا اور دوسرے ہاتھ سے اُسے پیچھے دھکیل دیا۔ دوسرے لمحے میں وہ جست لگا کر دروازے کے قریب پہنچ چکا تھا۔ لیکن انور کے پستول سے ایک شعلہ نکلا اور ارشاد برآمدے

میں پہنچتے پہنچتے چیخ مار کر گر پڑا۔ انور ساجدہ کو چھوڑ کر اُس کی طرف لپکا۔ رشیدہ جو زمین سے اٹھ گئی تھی ساجدہ پر جھپٹ پڑی۔

گولی ارشاد کے پیر میں لگی تھی۔ وہ ایک زخمی کتے کی طرح زمین پر پڑا غرا رہا تھا۔ انور اُسے بے دردی سے کھینچتا ہوا پھر کمرے میں لے آیا۔ رشیدہ اور ساجدہ ابھی تک گتھی ہوئی تھیں۔

انور نے زمین پر پڑا ہوا پستول اٹھا کر اپنی جیب میں ڈال لیا۔

"رشو.... اب یہ سلسلہ ختم بھی کرو۔" انور اکتائے ہوئے لہجے میں بولا اور رشیدہ نے ساجدہ کا سر دیوار سے ٹکرا دیا۔ وہ لہرا کر زمین پر آ رہی اور بے ہوش ہو گئی۔

"اگر تم کل رات کو مجھ پر حملہ نہ کرتے تو شاید میں یہ تکلیف گوارا نہ کرتا۔" انور ارشاد کی طرف دیکھ کر بولا۔ "شاہد، دھارا سنگھ اور زبیدہ کا خون ناحق تمہاری گردن پر تھا اور تم حج کرنے جا رہے تھے۔ اس میں شک نہیں کہ تمہاری بیوی بڑی ہوشیار ہے مگر اس نے اس معاملہ میں مجھ سے مدد لے کر غلطی کی.... مگر نہیں، وہ تمہیں شاہد کی لاش تو اپنی لاش ثابت کرنی تھی۔ شاہد کو اپنا مفرور قاتل بھی ثابت کرانا تھا اور اسی لئے تم نے اُس کے قتل کا وہ طریقہ اختیار کیا تھا کہ اُس کی شکل ہی بگڑ جائے۔ ظاہر ہے جب تمہاری بیوی ہی شاہد کی لاش کو تمہاری لاش تسلیم کر لیتی تو کسی کو کیا اعتراض ہوتا۔ مگر تم نے اس سلسلے میں دو اہم غلطیاں کیں۔ ایک تو شاہد کی بیوی کو جعلی خط اور دوسرے وہ پرچہ جو تم نے پنسل سے گھسیٹ کر زبیدہ کے کمرے میں ڈالا تھا۔ تم نے اپنا جرم چھپانے کے لئے اتنی حماقتیں کیں کہ خدا کی پناہ۔"

انور ٹیلی فون کی طرف بڑھا۔

"ہیلو آصف.... میں ۱۳۔ آسکر اسٹریٹ سے بول رہا ہوں۔ وعدے کے مطابق تمہارا شکار میرے قابو میں ہے.... نہیں.... نہیں زیادہ انتظام کی ضرورت نہیں۔ وہ ایک خارش زدہ گیدڑ کی طرح بے بس پڑا ہے۔"

آصف نام پوچھتا ہی رہ گیا مگر انور نے ریسیور رکھ کر کمرے میں ٹہلنا شروع کر دیا۔

"ساری پرانی دشمنی تم آج ہی نکال لو گے؟" ارشاد نے آہستہ سے کہا۔

"میں نے صرف کل رات کے حملے کا انتقام لیا ہے۔" انور نے لاپروائی سے کہا۔

"اس کا مطلب کچھ اور ہے۔" رشیدہ نے مسکرا کر کہا۔ انور کو اُس کی مسکراہٹ بڑی سفاک

معلوم ہوئی۔ اُسے یہ سوچ کر خوشی ہوئی کہ وہ ایسے ماحول میں بھی مسکرا سکتی ہے۔

"ساجدہ بے قصور ہے قطعی بے قصور۔ دیوالیہ ہو جانے کے بعد اور یہ محسوس کرنے پر کہ اب ہیرے کی کان کا اسٹنٹ زیادہ نہیں چل سکتا۔ میں نے یہ پروگرام بنایا تھا۔" ارشاد نے کہا پھر درد کی شدت کی وجہ سے کراہنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد وہ پھر بولا۔ "میں نے ساجدہ کو اپنی پوزیشن بتا کر اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ میرے پاگل پن کی فرضی داستان لے کر تمہارے پاس جائے اور میں کسی دوسرے ملک کو فرار ہو جاؤں۔ اگر میں اُس سے یہ بتا دیتا کہ میں اپنی فرضی خودکشی کو منظر عام پر لانے والا ہوں تو وہ کبھی اس پر تیار نہ ہوتی۔ پھر میں نے شاہد کو تار جام لے جا کر قتل کر دیا۔ دھارا سنگھ نے شاید کچھ دیکھ لیا تھا۔ اس لئے مجھے اُسے بھی قتل کر دینا پڑا۔ بہر حال ساجدہ بے قصور ہے۔ تم اسے بچانے کی کوشش کرنا۔"

"کیا تم اُس دن شاہد کے ساتھ زبیدہ کے پاس گئے تھے؟"

"ہاں.... اور میں نے یہی سب سے بڑی غلطی کی تھی۔"

"تم نے دیکھا کہ وہ کس طرح تم پر قربان ہو گئی؟" انور نے نفرت سے منہ سکوڑ کر کہا۔ "تم جیسے ناپاک آدمی کے لئے اُس نے جان دے دی۔"

ارشاد نے اپنا منہ بازوؤں میں چھپا لیا۔

تھوڑی دیر بعد آصف کچھ کانسٹیبلوں کے ساتھ کمرے میں داخل ہوا۔ ارشاد کو دیکھ کر اُس کے منہ سے بے ساختہ چیخ نکل گئی۔

انور ہنسنے لگا۔

"میں جھوٹے وعدے نہیں کرتا۔" انور بولا۔

"مگر.... مگر....!" آصف ہکلایا۔

"ہاں ہاں یہ ارشاد ہے۔ اُس کا بھوت نہیں۔ جس کا قتل ہوا وہ شاہد تھا.... رضوان کا معاملے میں کوئی ہاتھ نہیں۔ وہ صرف زبیدہ والے حادثے کے سلسلے میں روپوش ہو گیا تھا۔ معمہ اب ایسا نہیں رہ گیا کہ جسے تم نہ حل کر سکو۔ اچھا گڈ نائٹ۔ آؤ رشو چلیں۔ ہم نے ابھی بھی نہیں کھایا ہے۔"

"مگر سنو تو سہی۔"

"اور جو کچھ پوچھنا ہو گھر آ کر پوچھنا۔ ان دونوں کو فی الحال لے جاؤ۔" انور دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے بولا۔

"مگر میں حکم دیتا ہوں۔" آصف بلند آواز میں بولا۔

"اچھا جی۔" انور پلٹ کر بولا۔ "پھر اڑنے لگے۔ تمہارے لئے یہی کیا کم ہے کہ اس کامیابی کا سہرا تمہارے سر باندھ رہا ہوں۔ مجھے تو اپنے اخبار کی رپورٹ سے مطلب ہے۔ مگر ہاں کچھ کھانے کا انتظام کر سکتے ہو؟"

تھوڑی دیر بعد انور اور رشیدہ ایک ریستوران میں بیٹھے کھانا کھا رہے تھے۔ "اگر وہ پرچہ میرے ہاتھ نہ لگتا تو میں کبھی اس نتیجہ پر نہ پہنچ سکتا۔" انور نے کہا۔ "خیر چھوڑو ہٹاؤ۔ کوئی اور بات کرو۔ زبیدہ مفت میں ماری گئی۔ اُس کے اس جذبے کی میں قدر کرتا ہوں۔ کسی قاتل کا ساتھ دینے کے لئے بڑی ہمت چاہئے اور یہ معلوم ہو جانے کے باوجود بھی وہ حتی الامکان اُسے بچانے کی کوشش کرتی رہی کہ اُس کا تعلق دوسری عورتوں سے تھا۔"

"مجھے تو اُس سے قطعی ہمدردی نہیں۔" رشیدہ نے کہا۔

"اور مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں۔" انور بولا۔

"بہر حال ساجدہ جیل ضرور جائے گی۔"

"اونہہ چھوڑو بھی۔ اس وقت رومانی گفتگو کرنے کو دل چاہ رہا ہے۔" انور سنجیدگی سے بولا۔ "دیکھو فضا کتنی خوشگوار ہے۔ رات گیسوؤں کی طرح تاریک ہے اور تمہارے گیسو، تمہاری آنکھیں کتنی حسین ہیں۔ ان میں آسمان سے ستارے اتر آئے ہیں۔ رشو فوراً آنکھیں بند کر لو۔ کہیں پھوٹ نہ جائیں۔ ستارے بہت وزنی ہوتے ہیں۔ سنا ہے کہ بعض ہماری زمین سے بڑے ہوتے ہیں۔" رشیدہ بے اختیار ہنس پڑی۔

ختم شد

جاسوسی دنیا نمبر14

تجوری کا گیت

(مکمل ناول)

تعاقب

شہر کے باہر سنسان اور تاریک سڑک پر ایک شاندار اور قیمتی کار اندھیرے کا سینہ چیرتی ہوئی کسی نامعلوم منزل کی طرف جا رہی تھی۔ گیارہ بج چکے تھے۔ آسمان پر گرد و غبار نہ ہونے کی وجہ سے ستاروں کی مدھم روشنی اور اندھیرے کے امتزاج نے ایک پُر اسرار فضا پیدا کر دی تھی۔ دفعتاً کار ایک جگہ رک گئی۔ پھر اسے سڑک کے کنارے اُگی ہوئی قدِ آدم جھاڑیوں میں اتار دیا گیا اور دوسرے ہی لمحے میں دو آدمی کار سے اتر کر سڑک کے کنارے آ کھڑے ہوئے ان میں سے ایک اپنے کاندھے پر ایک موٹی سی رسی کا بنڈل لادے ہوئے تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے انہوں نے سڑک کے آر پار دو درختوں میں اس طرح رسی باندھ دی جیسے وہ کسی کا راستہ روکنا چاہتے ہوں۔ اس کام میں فراغت پانے کے بعد وہ پھر جھاڑیوں میں آ بیٹھے۔

"آخر یہ اتنی دردسری کیوں!" اُن میں سے ایک بولا۔

"اسے دردسری نہ کہو، وہ بڑا خطرناک آدمی ہے۔" دوسرے نے جواب دیا۔

"یہ تم اسی لونڈے کے لئے کہہ رہے ہو نا، جسے تم نے کل دکھایا تھا۔"

"اتنی لاپروائی سے اس کا تذکرہ نہ کرو۔"

"چھوڑو بھی تم نے خواہ مخواہ اسے ہوا بنا رکھا ہے۔"

"خیر بھئی! مجھے تو اس وقت بھی یقین نہیں کہ ہم اُسے پکڑ ہی لیں گے۔"

"یار تم خواہ مخواہ مجھے تاؤ نہ دلاؤ۔ وہ بھی ہماری طرح آدمی ہے۔ بھوت نہیں۔"

"میں اسے بھوت ہی سمجھتا ہوں۔"

"تم بزدل ہو۔"

"کیا کہا!" دوسرا تلخ لہجے میں بولا۔

"خیر.... خیر.... اس وقت ہمیں آپس میں تکرار نہ کرنی چاہئے۔"

دوسرے نے کوئی جواب نہ دیا۔ تھوڑی دیر تک خاموشی رہی۔

"اب تک اسے یہاں پہنچ جانا چاہئے تھا۔ وہ ہمارے سامنے ہی روانہ ہو چکا تھا۔" دوسرے نے کہا۔

"ممکن ہے راستے میں کہیں رک گیا ہو۔ ایک بات سمجھ میں نہیں آئی کہ آخر اُسے اہمیت کیوں دی جا رہی ہے۔"

"ہم جانتے ہیں کہ وہ اس معاملے میں ٹانگ ضرور اڑائے گا اور یہی نہیں ہمیں یہاں بہت کرنا ہے پولیس کی طرف سے تو اطمینان ہے وہ ہمارا کچھ نہ بگاڑ سکے گی۔ لیکن وہ بڑا ذہین ہے سب سے بڑی مصیبت تو یہ ہے کہ وہ ایک اخبار کا رپورٹر بھی ہے۔ بس ذرا سا اشارہ مل جانا چاہئے اس کے بعد تو وہ ہماری پوری پوری اسکیمیں اتنی وضاحت کے ساتھ چھاپ دیتا ہے جیسے وہ مشوروں میں شریک رہا ہو۔"

"تو اس کا خاتمہ ہی کیوں نہ کر دیا جائے۔"

"آج تک اس کا موقعہ ہی نصیب نہیں ہوا۔"

"کیا حماقت کی باتیں کر رہے ہو۔ کیا ہم اس وقت اسے ٹھکانے نہیں لگا سکتے۔"

"مگر ہمیں اس کا حکم کہاں ملا ہے ہمیں تو پکڑ کر لے جانا ہے۔"

"اس میں نہ جانے کون سی مصلحت ہے جب وہ ایسا آدمی ہے تو اسے ختم ہی کر دینا چاہئے۔"

"بات یہ نہیں! اُسے پولیس سے ہمدردی نہیں ہے وہ محض روپیہ اینٹھنے کے لئے شریف آدمیوں کے کام میں روڑے اٹکایا کرتا ہے۔ یعنی ادھر سے بھی ہاتھ گرم کرتا ہے اور ادھر سے بھی میرا خیال ہے کہ اس سے معاملے کے متعلق کسی قسم کا سمجھوتہ کیا جائے گا۔"

"تو کیا تمہیں یقین ہے کہ وہ راضی ہو جائے گا۔"

"چھوڑو بھی ہمیں اس سے کیا غرض۔ ہمارے ذمے جو کام ہے ہمیں اسے کرنا چاہئے۔"

اس کے بعد پھر خاموشی چھا گئی۔ جنگل کے سناٹے میں جھینگروں کی آوازیں ایسی معلوم ہو رہی تھیں جیسے وقت نے اپنی عظیم تنہائی سے اکتا کر کوئی گیت چھیڑ دیا ہو۔

"لیکن انور پولیس والوں سے کس طرح روپیہ اینٹھتا ہے۔" ایک نے تھوڑی دیر بعد پوچھا۔

"ان کے راز افشاء کر دینے کی دھمکی دے کر وہ یہاں کے سارے پولیس آفیسروں کی کمزوریوں سے اچھی طرح واقف ہے۔"

"اس کے ساتھ کوئی لڑکی بھی تو رہتی ہے۔"

"ہاں اس کا نام رشیدہ ہے وہ بھی کم نہیں۔ بس یہ سمجھ لو کہ یہ دونوں ہم جیسے شریف آدمیوں کے لئے ہمیشہ دردِ سر بنے رہتے ہیں۔"

"وہ لڑکی خوبصورت بھی کافی ہے۔"

"اوہ تو کیا اس پر عاشق ہونے کا ارادہ ہے۔"

"میں عاشق نہیں ہوا کرتا۔ میرا اصول تو تم جانتے ہی ہو۔"

دونوں معنی خیز انداز میں ہنسنے لگے۔

"مگر یار اتنا یاد رکھو کہ وہ بھڑوں کا چھتہ ہے۔"

"ہونہہ.... بہت دیکھی ہیں۔ صوبیدار میجر صاحب کی لڑکی سے زیادہ خطرناک نہ ہو گی۔"

"خیر ہٹاؤ میں بحث کرنا نہیں چاہتا۔"

"اوہ سنو! آواز آ رہی ہے۔ موٹر سائیکل کی آواز۔ تم دوسری طرف چلے جاؤ۔"

ایک اُٹھ کر سڑک کے دوسرے کنارے پر چلا گیا۔

دور موٹر سائیکل کی ہیڈ لائٹس دکھائی دے رہی تھی اور جنگل مشین کی کرخت آواز سے گونج رہا تھا۔ روشنی سڑک پر پھیل رہی تھی۔ اچانک موٹر سائیکل رک گئی۔ شاید انور نے سڑک پر تنی ہوئی رسی دیکھ لی تھی۔ قبل اسکے کہ وہ موٹر سائیکل کو موڑتا یہ دونوں اسکے قریب پہنچ گئے۔

"خبردار.... مشین بند کر دو۔" ایک نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

انور نے مشین بند کر دی اور دونوں پیر ٹیکے موٹر سائیکل پر ہی بیٹھا رہا۔

"اگر تم نے ذرہ برابر بھی حرکت کی تو گولی تمہارا بھیجا اڑا دے گی۔" دوسرا بولا۔

انور بچوں کی طرح کھل کھلا کر ہنس پڑا۔

"یار کیوں ڈراتے ہو اس اندھیرے جنگل میں۔" انور نے کہا۔ "میرے جیب میں ڈھائی روپے اور نرگس کی تصویر کے علاوہ کچھ اور نہیں چاہو تو روپے لے لو۔ لیکن نرگس کی تصویر ہرگز

نہ دوں گا۔ کیونکہ وہ والد صاحب کو بہت پسند ہے۔"

ان میں سے ایک بے ساختہ ہنس پڑا۔ لیکن دوسرا غرا کر بولا۔ "بکواس بند کرو۔ ہمارے ساتھ چلو۔"

"میں اس چھوٹی سی گاڑی پر دو آدمیوں کو کس طرح لاد سکوں گا۔ اگر چالان ہو گیا تو" انور تشویش ظاہر کرتا ہوا بولا۔

"گاڑی چھوڑ کر ہٹ آؤ۔"

انور نے موٹر سائیکل کنارے کھڑی کر دی اور ان کے قریب آگیا۔

"اس کے ہاتھ پیر باندھ دو....!" ایک نے دوسرے سے کہا۔

"ٹھہرو....!" انور بولا۔ "آخر تم چاہتے کیا ہو۔"

"تمہیں ہمارے ساتھ چلنا ہو گا۔"

"تو پھر ہاتھ پیر باندھنے کی کیا ضرورت ہے۔ میں نے تمہارے ساتھ چلنے سے انکار تو نہیں کیا۔" انور نہایت سنجیدگی سے بولا۔

"تم بڑے مکار ہو۔"

"بد تمیز....!" انور تلخ لہجے میں بولا۔ "تمہیں بات کرنے کا بھی سلیقہ نہیں۔"

"باندھ لو اسے۔" وہ گرج کر بولا۔

ایک آدمی جیب سے ایک پتلی سی ڈور نکال کر انور کی طرف بڑھا۔ انور نے دونوں ہاتھ آگے بڑھا دیئے۔ "اتنا یاد رکھو کہ میں گن گن کر بدلہ چکانے کا عادی ہوں۔" انور نے آہستہ سے کہا۔ اس شخص نے جو اس کے ہاتھ باندھنے جا رہا تھا اس کے اس جملے پر طنز آمیز مسکراہٹ کے ساتھ قہقہہ لگایا جیسے ہی وہ ڈوری لے کر آگے کی طرف جھکا انور نے اپنے داہنے پیر کا گھٹنا اٹھا دیا۔ دوسرے ہی لمحے میں وہ چیخ کر پیچھے کھڑے ہوئے ساتھی پر جا پڑا۔ انور ایک ہی جست میں جھاڑیوں کے پیچھے غائب ہو چکا تھا۔

دونوں اٹھ کر اس کے پیچھے لپکے۔

"دیکھ لیا تم نے۔" ان میں سے ایک نے جھلا کر کہا۔

"خدا کی قسم زندہ نہ چھوڑوں گا۔" چوٹ کھائے ہوئے آدمی نے غصیلی آواز میں کہا اور لنگڑاتا ہوا جھاڑیوں میں دوڑنے لگا۔ لیکن شاید ابھی اس کی شامت اچھی طرح نہیں آئی تھی۔ بے تحاشا جھاڑیوں میں گھستا پھر رہا تھا۔ اس کا ساتھی اُس کے پیچھے تھا۔

"میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔" وہ ایک بار پھر اپنے غصے کا اظہار کر ہی رہا تھا کہ دفعتاً ایک بڑا سا پتھر اس کی پیشانی پر پڑا اور وہ چیخ مار کر الٹ گیا۔ اس کا ساتھی پہلے تو اس کی طرف جھپٹا لیکن پھر خوفزدہ ہو کر اسی کے ساتھ زمین پر لیٹ گیا۔ وہ اپنی سانس روکے آہٹ لے رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد موٹر سائیکل اسٹارٹ ہونے کی آواز آئی اور پھر سناٹا چھا گیا۔

وہ اپنی جگہ سے اٹھا۔ تھوڑی دیر تک خوفزدہ نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھتا رہا پھر اپنے بے ہوش ساتھی کی طرف متوجہ ہوا جس کی پیشانی سے خون بہہ بہہ کر چہرے پر پھیل گیا تھا۔ اس نے اسے کاندھے پر اٹھایا اور جھاڑیوں سے نکل کر سڑک پر آگیا۔ چاروں طرف لامتناہی سناٹا جاری تھا وہ کسی نہ کسی طرح اپنے بے ہوش ساتھی کو کار تک لے آیا۔ جھاڑیوں سے کار سڑک پر نکالی۔ کار کا رخ شہر کی بجائے دیہی علاقے کی طرف تھا، جیسے ہی کار سڑک پر مڑی انور جھاڑیوں سے نکل کر پیچھے لگیج کیریئر پر بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر بعد کار فراٹے بھرنے لگی۔

تقریباً پانچ یا چھ میل کا فاصلہ طے کرنے کے بعد کار ایک احاطے کے پھاٹک پر رک گئی۔ کار ڈرائیو کرنے والے نے اپنے بیہوش ساتھی کو پھر کاندھے پر لادا اور احاطے کا پھاٹک کھول کر اندر چلا گیا۔

انور آہستہ سے لگیج کیریئر سے اترا اور کار میں بیٹھا.... اس نے بڑی پھرتی سے انجن اسٹارٹ کر کے گاڑی شہر کی طرف گھما دی اور دیکھتے ہی دیکھتے احاطہ میلوں پیچھے رہ گیا۔ وہ اتنی سنجیدگی سے بیٹھا کار ڈرائیو کر رہا تھا جیسے وہ خود اس کی اپنی کار ہو۔ اس کے ہونٹوں پر شرارت آمیز مسکراہٹ رقص کر رہی تھی۔

انور کے کردار میں یہ عجیب و غریب بات تھی کہ وہ کسی کو معاف کرنا تو جانتا ہی نہیں تھا۔ اس کا فلسفہ حیات انتقام تھا۔ اس کا قول تھا کہ زندگی کا انحصار صرف انتقام پر ہے۔ نظامِ فطرت کی اصل بنیاد انتقام ہی ہے جسے دنیا والوں نے مختلف نام دے رکھے ہیں۔ بہر حال اس وقت اس نے محض اپنی انتقامی اسپرٹ کے تحت یہ دیکھنے اور سمجھنے کی زحمت گوارا نہ کی کہ اس پر حملہ کرنے والے کون تھے اور وہ اسے کہاں اور کیوں لے جانا چاہتے تھے بس وہ ان کی قیمتی کار لے بھاگا اور ٹھیک اسی جگہ پہنچ کر جہاں ان لوگوں نے اُسے روکنے کے لئے سڑک پر رسی تانی تھی کار کھڑی کر دی اور نیچے اتر کر اس نے ایک بڑا سا پتھر اٹھایا اور ہیڈ لائیٹ کے شیشے چکنا چور کر دیئے اور واپس لوٹنے کی تیاری کرنے لگا۔ لیکن وہ اپنی اس انتقامی کاروائی سے مطمئن نہیں تھا اچانک اسے ایک اور تدبیر سوجھی اس نے پٹرول کی ٹینکی کھول کر اس میں دیا سلائی دکھا دی اور دیکھتے ہی دیکھتے آگ کی لپٹوں نے پوری کار کو

اپنے نرغے میں لے لیا۔ انور کے ہونٹوں پر فاتحانہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

پھر وہ تیزی سے جھاڑیوں میں گھس گیا۔ اس کی موٹر سائیکل ایک طرف کھڑی تھی۔ چنانچہ چند لمحوں میں وہ تیزی سے شہر کی طرف جارہا تھا۔ اس نے وہ رسی بھی نہیں کھولی تھی۔ اس نے سوچا کہ اگر وہ رسی کھولے دیتا ہے تو پولیس والے کافی دردسری سے بچ جائیں گے۔ وہ دل ہی دل میں ہنس رہا تھا کیونکہ اس نے سراغ رسانی والوں کے لئے ایک اچھا خاصا معمہ مہیا کردیا تھا۔ کا انسپکٹر آصف کی بوکھلاہٹ قابل دید ہوگی۔ پھر اچانک وہ چونک پڑا۔ آخر وہ لوگ تھے کون اور اسے کہاں لے جانا چاہتے تھے۔ لیکن اب اس کے متعلق سوچنا ہی بیکار تھا اور پھر وہ اس واقعے کو ہر طرح اپنے ذہن سے نکال دینے کی کوشش کرنے لگا جیسے اس کی کوئی اہمیت ہی نہ ہو۔

وہ بہت زیادہ دوراندیشی کا قائل نہیں تھا۔ اس کا خیال تھا کہ دنیا کے بڑے سے بڑے حادثے کا مقابلہ صرف حاضر دماغی سے کیا جاسکتا ہے۔ منطقی دلائل اور دوراندیشی قطعی فضول چیزیں ہیں۔ دوراندیشی غلط راستے پر بھی لے جاسکتی ہے کیونکہ دوراندیشی کا تعلق مستقبل سے ہے اور مستقبل اندھیرے میں گم ہے۔ منطقی دلائل میں تفہیم کی بنیادی غلطی کے امکانات بھی ہوتے ہیں۔ لہٰذا جب بنیاد ہی غلط ہوگی تو اس کیلئے دلائل اور جواز کیلئے سرمارنا دیوانگی کے علاوہ کچھ نہیں۔

اسی نظریئے کے تحت وہ ذہن کی ایسی تربیت کا حامی تھا جو انسان کو پیش آنے والے حادثات سے بجا طور پر نجات دلا سکے۔ اس تربیت کو اس نے حاضر دماغی کا نام دے رکھا تھا۔

وہ اکثر کہا کرتا تھا کہ وہ شخص جو حاضر دماغ نہ ہو اسے زندہ رہنے کا کوئی حق حاصل نہیں۔ وہ اسی طرح زندہ رہتا ہے جیسے تپ دق کا مریض ناکارہ اور بے کار۔

اس کے خیال کے مطابق پوری زندگی عظیم الشان مقابلہ تھی جس میں انسان آگے بھی بڑھ سکتا ہے اور دوڑنے والوں کے پیروں تلے روندا بھی جاسکتا ہے۔

تقریباً ڈیڑھ بجے وہ گھر پہنچا۔ فلیٹ کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ کمرے کی روشنی بازجے پر پھیلی ہوئی تھی۔ انور کو تعجب ہوا کہ اس وقت اس کے کمرے میں اس کی عدم موجودگی میں کون بیٹھا ہوا تھا۔ پہلے اُسے خیال آیا کہ ممکن ہے رشیدہ ہو۔ لیکن پھر اس نے سوچا کہ وہ کب کی سوگئی ہوگی اور پھر فلیٹ کی کنجی خود اس کے پاس تھی۔ رشیدہ نے کمرہ کیسے کھول لیا۔ اس نے برابر والے فلیٹ کی کھڑکی سے جھانک کر دیکھا تو اندر نیلی روشنی دکھائی دی، جو اس بات پر دلالت کررہی تھی کہ رشیدہ سو رہی ہے.... وہ بہت احتیاط سے اپنے فلیٹ میں داخل ہوا۔ اس کے لکھنے کی میز پر.... اس کی طرف پشت کئے ہوئے کوئی بیٹھا نہایت انہماک سے کچھ پڑھ رہا تھا۔ انور کے داخل ہوتے

ہی وہ مڑا اور اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی اس کا انداز کچھ اتنا پُر اطمینان تھا جیسے وہ اپنے کمرے میں کسی مہمان کا استقبال کررہا ہو۔ انور نے بھی اپنی عادت کے مطابق ذرہ برابر حیرت کا اظہار نہیں کیا۔

یہ ایک طویل القامت اور جاذب توجہ شخصیت کا آدمی تھا۔ چہرے پر سیاہ رنگ کی گھنی ڈاڑھی تھی جس کے متعلق انور نے فوراً ہی اندازہ لگالیا تھا کہ وہ مصنوعی ہے۔ آنکھوں پر سرمئی رنگ کے شیشوں کا چشمہ تھا جس سے آنکھیں تقریباً چھپ گئی تھیں۔

"غالباً میں انور صاحب سے ملنے کا شرف حاصل کررہا ہوں۔" اس نے انتہائی خوش اخلاقی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔

"کیا مطلب....!" انور ایک قدم پیچھے ہٹ کر گھبرائے ہوئے لہجے میں بولا۔ "تو کیا آپ.... میں خود انور صاحب کی تلاش میں آیا ہوں۔ کیا یہ ان کا مکان نہیں معاف کیجئے گا۔" انور واپس جانے کے لئے مڑا۔

"ٹھہرو....!" اجنبی درشت لہجے میں بولا۔

انور رک کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"میں جانتا ہوں کہ تم بہت نڈر آدمی ہو۔" اجنبی اٹھتا ہوا بولا۔ "لیکن تم ہر ایک کو بے وقوف نہیں بنا سکتے۔"

"میں تم سے ہرگز نہیں پوچھوں گا کہ تم کون ہو۔" انور بے پروائی سے بولا۔ "خیریت اسی میں ہے کہ تم چپ چاپ یہاں سے چلے جاؤ۔ میں یہ بھی نہیں پوچھنا چاہتا کہ تم نے میرے فلیٹ کا تالا کیوں توڑا۔"

"یہ غلط ہے۔ میں نے فلیٹ کا تالا ہرگز نہیں توڑا۔" اجنبی نے ناخوش گوار لہجے میں کہا۔ "تمہاری دوست رشیدہ مجھے یہاں بٹھا کر چلی گئی ہے۔ غالباً وہ سوتے سوتے اٹھی تھی۔"

"خیر.... خیر....!" انور بیٹھتا ہوا بولا۔ "یہ شریف آدمیوں کے ملنے کا وقت نہیں۔"

"اچھا تو تم خود کو شریف سمجھتے ہو۔" اجنبی مسکرا کر بولا۔

"نہیں میں تمہاری شان میں قصیدہ پڑھ رہا تھا۔" انور بیزاری سے بولا۔

"خیر.... ہٹاؤ ہٹاؤ.... ان باتوں کو.... تم نے ہماری ایک اچھی خاصی کار برباد کردی۔"

"اور جو میرا اچھا خاصا وقت برباد کیا تھا۔" انور نے کہا۔ "لیکن میں تم سے ہرگز یہ نہیں پوچھوں گا کہ تم کون ہو اور مجھے کیوں پکڑوانا چاہتے تھے۔"

"تم اتنے دلیر نہیں ہو جتنا ظاہر کرتے ہو۔" اجنبی نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"میں تم سے اس کے لئے کوئی سرٹیفکیٹ نہیں چاہتا۔" انور خشک لہجے میں بولا۔

"پھر فضول باتیں چھڑ گئیں۔" اجنبی نے کہا۔ "میں تم سے ایک سمجھوتہ کرنا چاہتا ہوں۔"

"کیا اسی وقت....!" انور نے کہا۔ "نہیں اب مجھے سو جانا چاہئے۔"

"تو کیا میں اس وقت یہاں جھک مارنے آیا ہوں۔" اجنبی جھلا کر بولا۔

"میں خود یہی سوچ رہا تھا۔"

"دیکھو انور...!" وہ تیز لہجے میں بولا۔ "یہ داراب کی خواہش ہے کہ تم اس سے سمجھوتہ کر لو۔"

"کون داراب....!" انور طنزیہ لہجے میں بولا۔ "وہی بزدل، جو کسی جاسوسی ناول کے ڈا
طرح اپنی شخصیت کو پُر اسرار بنا کر لوگوں کے سامنے پیش کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ میں سچ
ہوں کہ مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں وہ کوئی بہت ہی معمولی آدمی ہے جو جاسوسی ناولیں پڑھ پڑھ
ڈاکو بنا ہے! میں اسے اتنی اہمیت نہیں دیتا کہ اس سے کسی قسم کا سمجھوتہ کروں۔ پولیس اس
سمجھتی رہے گی۔ میں شیر کی کھال میں چھپی ہوئی لومڑیوں کو خوب پہچانتا ہوں۔"

اجنبی مسکراتا رہا۔ وہ شرارت آمیز نظروں سے انور کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"تم داراب کو اچھی طرح سمجھ نہیں سکے۔"

"میں نے خوب اچھی طرح سمجھ لیا۔" انور بیزاری سے منہ بناتا ہوا بولا۔ "اگر وہ واقعی
ہوتا تو ایسے ناکارہ آدمیوں کو میرے پکڑنے کے لئے نہ بھیجتا۔"

"لیکن اتنا یاد رکھو کہ وہ خود بہت خطرناک ہے۔"

"ہوگا! مجھے اس سے کیا؟"

"خیر چھوڑو۔ ہم پھر بہک گئے۔" اجنبی مسکرا کر بولا۔ "داراب دراصل یہ چاہتا ہے کہ
اس کے معاملات میں دخل نہ دو۔"

"میں خواہ مخواہ کسی کے معاملات میں دخل نہیں دیتا۔"

"لیکن تم ایک معاملے میں دخل دینے پر مجبور ہو جاؤ گے۔"

"اگر یہ بات ہے تو پھر دنیا کی کوئی قوت مجھے اس سے باز نہ رکھ سکے گی۔"

"اس سمجھوتے کے سلسلے میں تم جتنی رقم چاہو طلب کر سکتے ہو۔" اجنبی اُس کی بات
دھیان دیئے بغیر بولا۔

"شش....!" انور سنجیدگی سے بولا۔ "اس قسم کی رقمیں صرف ان مجرموں سے د

کرتا ہوں جو خود کو قانون کا محافظ کہتے ہیں۔"

"جانتے ہو تمہاری ضد کا کیا انجام ہوگا۔" وہ انور کو تیز نظروں سے گھورتا ہوا بولا۔

"موت....!" انور مسکرا کر بولا۔ "اور میں عرصے سے اس کی تلاش میں ہوں۔"

"تم ابھی بچے ہو۔" اجنبی بزرگانہ انداز میں بولا۔ "تم جیسے لوگوں کے لئے داراب اچانک
موت نہیں پسند کرے گا۔ لیکن یہ ضرور ہے کہ تمہاری زندگی کو جہنم ضرور بنا دے گا۔"

"تو میں زندگی کو جنت کب سمجھتا ہوں۔"

اجنبی خاموش ہو کر اُسے گھورنے لگا۔

"تو بہر حال تم انکار کر رہے ہو۔" وہ تھوڑی دیر بعد بولا۔

"قطعی....!"

"تم شاید سچ مچ داراب کو معمولی سمجھتے ہو۔" اجنبی اٹھتا ہوا بولا۔ "خیر اگر تم داراب کی قوت
کا اندازہ لگانا چاہتے ہو تو کل شام کو پلازا تھیٹر ضرور جانا۔"

"اگر تم چیلنج کر رہے ہو تو ضرور آؤں گا۔" انور مسکرا کر بولا۔

"یہ چیلنج نہیں بلکہ دعوت ہے۔" اجنبی نے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

اس کے جانے کے بعد انور روشنی گل کر کے سونے کے کمرے میں چلا گیا۔

نئی مصیبت

دوسرے دن صبح انور اپنے نشست کے کمرے میں کوئی چیز تلاش کر رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد
اس نے رشیدہ کو پے در پے آوازیں دینا شروع کیں۔

"کیا ہے۔" رشیدہ کمرے میں داخل ہو کر جھلائے ہوئے لہجے میں بولی۔

"میری ڈائری۔"

"میں کیا جانوں۔"

"یہیں تو تھی۔"

"رہی ہوگی۔ میں کوئی ٹھیکیدار ہوں۔" رشیدہ تنک کر بولی۔

"اے رشیدہ۔"

"اے انور....!"

"میں تمہارے کان اکھاڑ دوں گا۔"

"میں تمہاری ناک اکھاڑ دوں گی۔"

انور خاموش ہو کر اُسے گھورنے لگا۔

"تم نے رات میرا کمرہ کیسے کھولا تھا۔" انور نے تھوڑی دیر بعد پوچھا۔

"کنجی سے۔"

"مگر کنجی تو میرے پاس تھی۔"

"میں ہمیشہ تمہارے فلیٹ کی ایک کنجی اپنے پاس رکھتی ہوں۔"

"لیکن تم نے رات کمرہ کھولا ہی کیوں تھا۔"

"نہ کھولتی تو کیا اپنی نیند خراب کرتی۔ وہ اڑیل ٹٹو تھا کون۔"

"تمہارے سالے زاد نانا کا چچا۔" انور ہونٹ بھینچ کر بولا۔ "میں پوچھتا ہوں تم نے کمرہ کیوں کھولا تھا۔"

"وہ کہہ رہا تھا کہ میں بار جے پر بیٹھ کر انتظار کروں گا۔ میں سمجھی کہ کوئی خاص آدمی ہے اس لئے میں نے کمرہ کھول دیا۔"

"میرے صندوق سے پانچ ہزار روپے غائب ہو گئے ہیں۔ اس کی ذمہ دار تم ہو۔"

"پانچ ہزار....!" رشیدہ قہقہہ لگا کر بولی۔ کبھی خواب میں بھی دیکھے تھے۔

"چپ رہو۔" انور تیز لہجے میں بولا۔ "معلوم ہوتا ہے کہ کسی دن تمہاری ہی وجہ سے میری گردن کٹ جائے گی۔"

"مجھے اس دن بڑی خوشی ہو گی۔ آخر بتاتے کیوں نہیں کہ کیا بات ہوئی۔"

"بیٹھ جاؤ" انور کرسی کی طرف اشارہ کرتا ہوا بولا۔

رشیدہ بیٹھ گئی۔ انور کسی سوچ میں ڈوب گیا۔

"بھئی ابھی دفتر بھی جانا ہے۔" رشیدہ اکتا کر بولی۔

"ہوں....!" انور اُسے غور سے دیکھتا ہوا بولا۔ "میں کسی نئے حادثے کے لئے تیار رہنا چاہیئے۔ میری ڈائری کا اس طرح غائب ہو جانا کسی نئی مصیبت کا پیش خیمہ معلوم ہوتا ہے۔"

"پھر انور نے اُسے گذشتہ رات کے سارے واقعات بتا دیئے۔"

"اور تم نے وہ کار سچ مچ جلا دی۔" رشیدہ نے حیرت سے کہا۔

"ہاں....اور مجھے افسوس ہے کہ میں اس کے دوسرے ساتھی کو بھی زخمی نہ کر سکا۔"

"تم بعض اوقات سچ مچ بالکل جنگلی ہو جاتے ہو۔" رشیدہ نے کہا۔

"میں نے تمہیں یہ واقعہ اس لئے نہیں بتایا کہ تم اخلاقیات پر ایک لیکچر دے ڈالو۔"

انور نے بیزاری سے کہا۔ "کہنے کا یہ مطلب ہے کہ ذرا ہوشیاری سے رہنا۔"

"تو کیا سچ مچ تم داراب سے الجھنے کا ارادہ رکھتے ہو۔"

"ہاں میں نے اس کا تہیہ کر لیا ہے اگر میری ڈائری غائب نہ ہوئی ہوتی....!"

"تو کیا ڈائری وہی لے گیا ہے، جو کل رات کو آیا تھا؟" رشیدہ نے پوچھا۔

"میں یہی سوچنے پر مجبور ہوں۔"

"میری رائے ہے کہ تم اس جھگڑے میں مت پڑو۔" رشیدہ نے کہا۔

"میں تم سے رائے نہیں طلب کر رہا ہوں۔" انور خشک لہجے میں بولا۔

"اچھا یہ بتاؤ کہ داراب وہی تھا جو کل رات کو آیا تھا۔"

"میں وثوق کے ساتھ نہیں کہہ سکتا۔" انور کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "اس نے نہایت عجیب و غریب طریقوں سے شہر میں وارداتیں کی ہیں۔ محکمہ سراغ رسانی والوں کے پاس اس کا کوئی ریکارڈ نہیں۔ میرا خیال ہے کہ خود اس کے گروہ سے تعلق رکھنے والوں کو بھی اس کا علم نہ ہو گا کہ داراب کون ہے۔"

"آدمی خطرناک معلوم ہوتا ہے۔" رشیدہ کچھ سوچتی ہوئی بولی۔ "اخباروں میں بھی اس کا ذکر رہتا ہے۔"

"اتنا خطرناک بھی نہیں جتنا ظاہر کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ وہ اس طرح اپنی پبلسٹی کرا رہا ہے....خود کو ہوا بنانے کی کوشش میں مشغول ہے۔ یہ طریقہ بہت دلچسپ ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کچھ دنوں کے بعد پولیس والے اس سے خوف کھانے لگیں گے۔"

"لیکن وہ تمہیں خواہ مخواہ کیوں چھیڑ رہا ہے۔"

"یہ بھی اس کی ایک چال ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ میں بھی اس کا سراغ نہ لگا سکوں گا۔ اس لئے اس نے مجھے اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس کی دانست میں اگر میں بھی ناکام رہا تو اس کی دھاک بیٹھ جائے گی۔ اگر اُسے مجھے اپنے راستے سے ہٹانا ہی ہوتا تو وہ مجھے قتل کرا دیتا۔"

"کیوں قتل کیسے کرا دیتا۔"

"ارے یہ بھی کوئی مشکل کام ہے۔ اگر وہ دونوں چاہتے تو کل رات ہی کو مجھے ختم کر دیتے۔"

ظاہر ہے کہ وہ قتل سے ہچکچاتا نہیں ہے کیونکہ اسی شہر میں کئی ایسے قتل ہوئے ہیں جو اسی کی ذات
سے منسوب کئے جاتے ہیں۔ لہٰذا یہ قطعی غلط ہے کہ وہ مجھ سے کسی قسم کا سمجھوتہ کرنا چاہتا ہے۔

"واہ یہ بھی عجیب بات ہے۔"

"بہر حال تمہیں ہر طرح ہوشیار رہنا چاہئے۔ میں نے اس خرگوش کو اس کے اصلی روپ
میں ظاہر کرنے کا تہیہ کر لیا ہے۔"

"تم جانو اس معاملے میں تو تمہیں شاید کچھ روپیہ بھی نہ مل سکے۔"

"مجھے اس کی پرواہ نہیں۔ میں تو اسے اس چھیڑ چھاڑ کا مزہ چکھانا چاہتا ہوں۔"

"اب دیکھو اس جلی ہوئی موٹر کا پولیس کیا اسکینڈل بناتی ہے۔" رشیدہ نے کہا۔

"آج انسپکٹر آصف کا حلیہ دیکھنے کے قابل ہوگا۔" انور مسکرا کر بولا۔

"وہ تو سب ٹھیک ہے۔ لیکن درزی آج پھر تقاضا کر رہا تھا آخر تم اس کو بل کب ادا کرو
گے۔" رشیدہ نے کہا۔

"اوہ.... تم واقعی اس وقت بہت حسین معلوم ہو رہی ہو۔"

"میرے پاس اب ایک پائی بھی نہیں ہے۔" رشیدہ منہ بنا کر بولی۔

"اس کے باوجود بھی تم آج اچھی لگ رہی ہو۔"

"میں سچ کہتی ہوں کہ ایک پیکٹ سگریٹ کے دام بھی نہ نکال سکوں گی۔"

"تب تو پھر مجھے اپنے ہی حسن کی تعریف کرنی پڑے گی۔" انور بے بسی کا اظہار کرتا ہوا بولا۔
رشیدہ بُرا سا منہ بنا کر دوسری طرف دیکھنے لگی۔

"خیر یہ لو۔" اس نے کنجیوں کا گچھا رشیدہ کی گود میں پھینک دیا۔ "جا کر نیلے صندوق سے
روپے نکال لو۔ درزی کا بل بھی ادا کر دینا اور میرے لئے سگریٹ بھی لیتی آنا۔"

"میں نہیں جاتی۔"

"دوڑ جاؤ.... شاباش....!" انور نے کہا اور میز پر سے ایک کتاب اٹھا کر پڑھنے لگا۔

رشیدہ منہ بناتی ہوئی چلی گئی۔ انور نے کتاب رکھ کر اخبار کے لئے جاسوسی ناول کی قسط لکھنی
شروع کر دی۔ چند لمحوں کے بعد وہ یہ بھی بھول گیا کہ وہ تھوڑی دیر قبل اپنی ڈائری ڈھونڈ رہا تھا۔
وہ تقریباً ایک گھنٹے تک لکھتا رہا۔ اس دوران میں رشیدہ اس کی میز پر سگریٹ کا پیکٹ رکھ کر چلی گئی
لیکن اسے خبر نہ ہوئی۔

تقریباً [illegible] بجے وہ پھر آئی۔

"ارے بھئی دفتر چلنا ہے یا نہیں۔"

"اوں....!" انور چونک کر بولا۔ "ضرور ضرور.... ارے آج میں نے ناشتہ بھی نہیں
کیا.... تم کر چکیں کیا؟"

"دیکھو خواہ مخواہ مجھے غصہ نہ دلاؤ۔ میں کبھی تنہا ناشتہ کرتی ہوں کہ آج ہی کر لیتی۔"

"چہ چہ.... تمہیں مجھ سے کہنا چاہئے تھا۔"

"میں تم سے کیا کہا کروں....!" رشیدہ جھلا کر بولی۔ "مجھے ڈر ہے کہ کسی دن مجھے تم سے یہ
بھی نہ کہنا پڑے کہ دیکھو گڈے میاں تمہارے منہ سے رال بہہ رہی ہے۔"

"میں سچ کہتا ہوں رشیدہ نہ جانے کیوں تمہارے سامنے بچہ بن جانے کو دل چاہا کرتا ہے۔"
انور نے کہا۔

"اچھا بس بس بیکار باتیں بند۔" رشیدہ نے تیز لہجے میں کہا۔ "اٹھ کر کپڑے پہنو۔"

انور نے پنسل میز پر پٹخ دی اور اٹھ کھڑا ہوا۔

"آج تم نے شیو بھی نہیں کیا۔"

"ٹالو بھئی، روزانہ شیو کرنے سے ہاضمہ خراب ہو جاتا ہے۔" انور نے کہا۔

"پھر وہی فضول باتیں، تمہیں شیو کرنا ہی پڑے گا۔"

"ارے تم تو جان کو آ جاتی ہو۔"

"چلو شیو کرو۔" رشیدہ تحکمانہ لہجے میں بولی۔

انور منہ سکوڑتا ہوا غسل خانے میں چلا گیا۔ رشیدہ میز پر بکھری ہوئی کتابیں درست کرنے لگی۔

گھر سے نکل کر دونوں نے ایک ریستوران میں ناشتہ کیا اور دفتر کی طرف روانہ ہو گئے۔

تقریباً دو بجے وہ دونوں لنچ کیلئے دفتر سے نکل رہے تھے کہ سامنے انسپکٹر آصف آتا دکھائی دیا۔

"دیکھا تم نے۔" انور رشیدہ کی طرف معنی خیز انداز میں دیکھ کر بولا۔

آصف ان دونوں کے قریب آ کر رک گیا۔ وہ ضرورت سے زیادہ سنجیدہ نظر آ رہا تھا۔ وہ چند
لمحوں تک انور کو خاموشی سے گھورتا رہا پھر اچانک بولا۔

"تم کل رات کہاں تھے۔"

"ایک یتیم خانے کے لئے چندہ اکٹھا کرتا پھر رہا تھا۔" انور نے جواب دیا۔

"اڑنے کی کوشش نہ کرو۔ اس بار تم بُری طرح پھنس گئے۔"

"اور میں اچھی طرح کب پھنستا ہوں۔"

"یہ تمہاری ڈائری ہے۔" آصف نے جیب سے ایک چھوٹی سی نوٹ بک نکالتے ہوئے کہا

"دیکھوں....!" انور نے ہاتھ بڑھا کر ڈائری اس کے ہاتھ سے لے لی اور اس کے اوراق الٹ پلٹ کر دیکھنے لگا۔

"ہاں ہے تو میری ہی۔" انور نے کہا اور ڈائری کو اپنے کوٹ کی اندرونی جیب میں رکھ لیا۔

"لاؤ لاؤ ڈائری مجھے واپس کر دو۔" آصف جلدی سے بولا۔

"کیوں....!"

"اس کا تعلق ایک کیس سے ہے۔"

"معلوم ہوتا ہے تم آج زیادہ پی گئے ہو۔" انور نے کہا۔ "ایک تو تم نے یہی جرم کیا کہ ا میرے کمرے سے چرا لائے اور پھر اب خواہ مخواہ دھونس جمانے آئے ہو۔"

"دیکھو میں کہتا ہوں، ڈائری واپس کر دو۔"

"کیسی ڈائری۔" انور سنجیدگی سے بولا۔ "تم نے اس ماہ میں ابھی تک میرا حق نہیں ادا مجھے سو روپیوں کی سخت ضرورت ہے۔"

"فضول بکواس مت کرو اب مجھ پر اس قسم کی دھونس نہیں پڑ سکتی۔ میں نے وہ قمار خانہ بند کرا دیا جس کی دھمکی دے کر تم مجھ سے روپے وصول کر لیا کرتے تھے۔"

"سنو بھائی انسپکٹر صاحب.... اگر تم ایک در بند کرتے ہو تو میں ہزار در کھول لیتا ہوا میرے پاس اس کا کافی ثبوت موجود ہے کہ سیٹھ داؤد بھائی تمہاری دانست میں ہزاروں روپے لوہے کی چور بازاری کر رہا ہے تم نے ابھی حال ہی میں ایک ماخوذ مجرم کو امریکہ کا ویزا دلا کر یہ سے نکال دیا ہے۔ اس موقعے کی تصویر تک پیش کر سکتا ہوں جب تم ایک دیہاتی لڑکی کو خرید کے لئے ٹھونک بجا کر دیکھ رہے تھے۔"

آصف گھبرائے ہوئے انداز میں انور کی طرف دیکھنے لگا۔

"اگر کہو تو دو ایک باتیں اور گنوا دوں۔" انور مسکرا کر بولا۔

"تم زیادہ دیر تک اپنی ان حرکتوں کو جاری نہ رکھ سکو گے۔" آصف تنفر آمیز انداز میں بولا۔

"مستقبل کی تو میں جوتے کی نوک کے برابر بھی پرواہ نہیں کرتا۔ مجھے تو آج سو روپیوں ضرورت ہے۔"

"تم مجھ سے اب ایک پائی بھی نہیں لے سکتے۔" آصف بگڑ کر بولا۔

"عجیب احمق آدمی ہو یہاں شور مت مچاؤ۔ چلو کسی ریستوران میں بیٹھ کر معاملہ طے کر لیں

گے۔" انور نے شرارت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

انور، آصف اور رشیدہ ایک ریستوران میں آ بیٹھے۔

"تو تم دوپہر کا کھانا کھا ہی چکے ہو گے۔" انور شرارت آمیز لہجے میں بولا۔

آصف نے کوئی جواب نہ دیا۔ لیکن وہ اسے غصہ بھری نگاہوں سے گھور رہا تھا۔

"خیر چائے تو پیئو گے۔" انور نے کہا اور بیرے کو بلا کر کھانے اور چائے کا آرڈر دیا۔

"جانتے ہو مجھے تمہاری ڈائری کہاں سے ملی تھی۔" آصف نے کہا۔

"جانتا ہوں کہ تم کوئی حیرت انگیز جھوٹ بولنے والے ہو۔" انور نے کہا۔

"جھوٹ....!" آصف اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"نہیں بھئی سچ....!" انور اکتا کر بولا۔ "کچھ کہو گے بھی۔"

"جھریالی کے سنسان علاقے میں رات ایک کار میں آگ لگ گئی۔" آصف اُسے تیز نظروں سے دیکھتا ہوا بولا۔

"ارے....!" انور چونک کر بولا۔ "اچھا اب میں اپنی ڈائری کو منع کر دوں گا۔ اس قسم کی حرکتیں نہ کیا کرے۔"

"انور....!" آصف کے لہجے میں سختی آ گئی۔

انور سنجیدگی سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"کار کو راستے میں رسی حائل کر کے روکا گیا تھا اور پھر اسے توڑ پھوڑ کر اسمیں آگ لگا دی گئی۔"

"لیکن پھر میں کیا کروں۔" انور بولا۔

"اور اُس جلی ہوئی کار میں ایک لاش....!"

"لاش....!" انور چونک کر بولا۔

"ہاں! اور موٹر کے قریب تمہاری ڈائری پڑی پائی گئی ہے۔"

انور ہنسنے لگا اور رشیدہ فکر آمیز انداز میں اس کی طرف دیکھنے لگی۔ بھلا یہ بھی کوئی ہنسنے کا موقع تھا۔ ایسی حالت میں تو انور کو ضرورت سے زیادہ سنجیدہ ہو جانا چاہئے تھا۔ رشیدہ سوچنے لگی کہ آخر انور نے اُس لاش کے متعلق کیوں نہیں بتایا تھا اور سچ مچ یہ بڑی الجھن کی بات ہو گئی کہ وہیں پر انور کی ڈائری بھی پائی گئی۔

"اور کچھ....!" انور معنی خیز انداز میں مسکراتا ہوا بولا۔ "میری پتلون کا پائنچہ اور جوتے کا سول بھی وہیں ملا ہو گا۔"

"مجھے تمہیں حراست میں لینا پڑے گا۔" آصف بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

"تمہارے انداز سے سچ مچ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے تم نے یہ ساری باتیں انتہائی سنجیدگی سے کی ہوں۔" انور نے کہا۔

آصف اُسے قہر بھری نگاہوں سے گھورنے لگا۔

"اگر تم واقعی یہ سب کچھ سنجیدگی سے کہہ رہے ہو تو پھر وہاں میری ڈائری کا پایا جانا بھی حیرت انگیز ہے۔" انور کچھ سوچتا ہوا بولا۔

"ڈائری خود بخود تو وہاں پہنچ نہیں سکتی۔" آصف تلخ لہجے میں بولا۔

"یہی میں بھی سوچ رہا ہوں۔" انور آہستہ سے بولا۔ "تو میرا خیال ہے کہ میری ڈائری رات ہی کو کسی نے گھر سے غائب کر دی تھی۔ میں آج صبح اسے تلاش کر رہا تھا۔"

"تو گویا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ کوئی تمہیں پھنسانے کی کوشش کر رہا ہے۔" آصف نے کہا۔

"اس کے علاوہ میں اور سوچ ہی کیا سکتا ہوں۔"

"کوئی مجرم آسانی سے اقبالِ جرم نہیں کر لیتا۔"

"مجرم....!" انور سنجیدگی سے بولا۔ "انور کو اتنی آسانی سے مجرم بنا دینا ہنسی کھیل نہیں ہے انسپکٹر صاحب۔"

"میں سچ کہتا ہوں کہ اس بار تمہاری دھمکیاں کارگر نہ ہو سکیں گی۔" آصف نے کہا "مجھے تم سے ہمدردی ہے تمہاری شرارت پسند طبیعت کے باوجود بھی مجھے تم سے اُنس تھا۔ مگر اس بار میں مجبور ہوں۔"

انور نے ایک طنز میں ڈوبا ہوا قہقہہ لگایا۔

آصف دانت پیس رہا تھا۔ اگر اس کا بس چلتا تو وہ اسے خود ہی پھانسی دے دیتا۔

"لاؤ وہ ڈائری مجھے واپس کر دو۔" آصف کڑوے لہجے میں بولا۔

"کیسی ڈائری.... کون سی ڈائری؟ خواب تو نہیں دیکھ رہے ہو۔" انور نے سنجیدگی سے کہا۔

"ان سب باتوں سے کام نہیں چلے گا۔ اس کا اندراج کاغذات میں ہو چکا ہے۔"

"ہوا میں اڑ رہے ہو شاید....!" انور مسکرا کر بولا۔

"اب مجھے سختی کرنی پڑے گی۔" آصف جھنجھلا کر بولا۔

"میں پولیس والوں سے ہاتھا پائی کرنے کو کمینہ پن سمجھتا ہوں۔" انور نے سنجیدگی سے کہا۔

"اگر تم سیدھی طرح نہ دو گے تو میں یہیں سب کے سامنے تمہاری جامہ تلاشی لوں گا۔"

آصف بولا۔

"شوق سے۔" انور نے مسکرا کر کہا۔ "میں سرکاری آدمیوں کے کام میں حارج ہونے کو جرم سمجھتا ہوں۔"

انور اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر کھڑا ہو گیا۔ آصف نے اس کی جامہ تلاشی لی اور نڈھال ہو کر کرسی پر بیٹھ گیا۔ اسکے چہرے پر ندامت، غصے اور نفرت نے عجیب طرح کے آثار پیدا کر دیئے تھے۔

"بس....!" انور اُسے گھورتا ہوا بولا۔ "تم نے بھرے مجمعے میں خواہ مخواہ میری توہین کی ہے۔ اسے اچھی طرح یاد رکھنا۔"

"میں کہتا ہوں ڈائری....!"

"ڈائری نہیں ڈیری۔ روزانہ تازہ اور خالص دودھ پیا کرو۔ اس سے دماغی توازن درست رہتا ہے۔" انور نے سنجیدگی سے کہا۔

"بیکار.... فضول.... تم بچ نہیں سکو گے۔" آصف بے بسی سے بولا۔

"تم جیسا احسان فراموش بھی میں نے آج تک نہیں دیکھا۔ تمہارے لئے میں نے کتنے پاپڑ بیلے ہیں۔" انور نے کہا۔

"وہ اپنی جگہ پر.... اس وقت میں اپنے فرائض کی انجام دہی پر مجبور ہوں۔"

"تو میں نے تمہیں کب روکا ہے۔ تم شوق سے مجھے گرفتار کر سکتے ہو۔ مگر میرا جرم....!"

"قتل اور آتش زنی....!" آصف اُسے گھورتا ہوا بولا۔

"یعنی میں نے ایک آدمی کو قتل کر کے اس کی کار میں آگ لگا دی۔"

"اب یہ مجھ سے پوچھ رہے ہو۔" آصف بیزاری سے بولا۔

"اور پھر میں اس لئے وہاں اپنی ڈائری چھوڑ آیا کہ مرنے والا تنہائی کا احساس کم کرنے کے لئے اس کا مطالعہ کرے۔"

"نہیں وہ جلدی اور گھبراہٹ میں تمہاری جیب سے گر گئی تھی۔"

"خیر.... خیر.... اس بے چارے کی لاش تو جل بھن گئی ہو گی۔ شاید صورت بھی نہ پہچانی جا سکے۔" انور نے کہا۔

"نہیں یہی تو حیرت کی بات ہے کہ اسکے کپڑے تک نہیں جلے۔" آصف جلدی سے بولا۔

انور نے قہقہہ لگایا اور حقارت آمیز انداز میں آصف کی طرف دیکھنے لگا۔

آصف پھر اس کی حرکت پر جھنجھلا اٹھا۔

"تو بہر حال یہ انور کی حرکت ہے۔" انور نے کہا۔

"قطعی....!" آصف خود اعتمادی کے ساتھ سر ہلا کر بولا۔

"بھلا میں نے اُسے قتل کس طرح کیا اور کار میں آگ لگانے کا کیا مقصد ہو سکتا ہے۔ جب کہ لاش ہی نہ جل سکی۔ آگ لگانے کا مقصد یہی ہو سکتا ہے کہ لاش پہچانی نہ جا سکے۔ لیکن تم کہتے ہو کہ مقتول کے کپڑے تک نہیں جلے۔ اس کا یہ مطلب ہوا کہ کار کے جل جانے کے بعد لاش اس میں ڈالی گئی۔"

"تم آخر کہنا کیا چاہتے ہو۔" آصف نے کہا۔

"یہی کہ تم خواہ مخواہ میرے پیچھے پڑ کر اپنا وقت برباد کرو گے۔"

"یہ تمہارا اپنا خیال ہے۔" آصف بیزاری سے ہونٹ سکوڑ کر بولا۔

انور اور رشیدہ کھانا کھا چکے تھے۔ اس کے بعد چائے کا دور شروع ہوا جس میں طوعاً و کرہاً آصف کو بھی شریک ہونا پڑا۔

"لاش کس کی ہے۔" انور نے پوچھا۔

"یہ تم مجھ سے بہتر جان سکتے ہو۔" آصف نے کہا۔

"آپ کیوں خواہ مخواہ انور کو پھانسنے کی کوشش کر رہے ہیں۔" رشیدہ جھلا کر بولی۔

"تم انور کو اتنا شریف کیوں سمجھتی ہو۔" آصف مسکرا کر بولا۔

"اس لئے کہ وہ شریفوں کی بخیہ ادھیڑتا رہتا ہے۔" رشیدہ منہ بنا کر بولی۔

"تم مت بولو بھئی۔" انور رشیدہ کو پیار بھری آنکھوں سے دیکھتا ہوا بولا۔ پھر آصف کو مخاطب کر کے کہا۔ "آخر وہ آدمی ہے کون۔"

آصف نے ایک تصویر نکال کر میز پر ڈال دی۔ انور کو اگر اپنی طبیعت پر قابو نہ ہوتا تو وہ شدت سے چونک پڑا ہوتا۔ رشیدہ بھی انور کی حالت میں کوئی تبدیلی نہ دیکھ کر سنبھل گئی۔ اُسے آصف کے سر کے بل کھڑے ہو جانے پر اتنی حیرت نہ ہوتی جتنی کہ اس تصویر کو دیکھ کر ہوئی۔

"مجھے افسوس ہے کہ میں نے اسے پہلے کبھی نہیں دیکھا۔" انور نے کہا۔

"وہ تو تمہیں بہت جلد معلوم ہو جائے گا۔" آصف نے تصویر کو جیب میں رکھتے ہوئے کہا۔ "میں پھر کہتا ہوں کہ ڈائری مجھے واپس دے دو۔ ورنہ اچھا نہ ہو گا۔"

"تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔" انور جھلا کر بولا۔ "جامہ تلاشی لے چکنے پر بھی تمہاری تشفی نہیں ہوئی۔"

"خیر خیر۔" آصف اٹھتا ہوا بولا۔ "تمہیں جلد ہی اس کے لئے جواب دہ ہونا پڑے گا۔"

انور کے جواب کا انتظار کئے بغیر وہ ریستوران سے چلا گیا۔

رشیدہ حیرت سے انور کی طرف دیکھ رہی تھی۔ وہ کچھ کہنا چاہتی تھی کہ انور نے آنکھ کے اشارے سے اُسے روک دیا۔

پھر وہ دونوں ریستوران سے نکل کر آفس کی طرف روانہ ہو گئے۔ راستے بھر خاموشی رہی۔ انور محسوس کر رہا تھا کہ اس کا تعاقب کیا جا رہا ہے۔

آفس پہنچ کر اس نے رشیدہ کو اپنے کمرے میں چلنے کے لئے کہا۔ رشیدہ بہت زیادہ بے چین نظر آ رہی تھی۔

"وہ تصویر.... یعنی.... کہ وہ....!" رشیدہ اٹک اٹک کر بولی۔

"اسی آدمی کی تھی جو کل رات کو مجھ سے ملنے آیا تھا۔" انور نے جملہ پورا کر دیا۔

"اور وہی میری ڈائری بھی لے گیا تھا۔"

"اور ڈائری کیا ہوئی۔"

"وہ میں نے اُسی وقت ایک زمین دوز گندے نالے میں ڈال دی تھی جب آصف کے ساتھ ریستوران جا رہے تھے۔" انور بولا۔

"ارے....!"

"ہاں اور اب تک پانی کے بہاؤ نے اس کے پرخچے اڑا دیئے ہوں۔"

اسٹیج کی واردات

"سنو انور....!" رشیدہ سنجیدگی سے بولی۔ "مجھے ایسی زندگی سے پیار ضرور ہے لیکن میں یہ بھی نہیں چاہتی کہ ہم لوگ قانون کی نظروں میں مجرم بنیں۔"

"وہ تو زبردستی بننا پڑا۔ بھلا اس میں میرا کیا قصور....!"

"تم سب کچھ آصف سے بتا کیوں نہیں دیتے۔"

"عورت ہمیشہ عورت ہی رہے گی۔ خواہ وہ کتنی ہی ترقی کیوں نہ کر جائے۔ جانتی ہو کہ اس کا کیا انجام ہو گا وہ مستقل طور پر میرے پیچھے پڑ جائے گا۔ لیکن رشیدہ میں نے تمہیں کبھی اس بات پر

مجبور نہیں کیا کہ تم ہر معاملے میں میرا ساتھ دیا کرو۔"

"تم غلط سمجھے ہو۔ تمہاری بھلائی کے لئے کہہ رہی تھی۔"

"میں اپنی بھلائی کو عرصہ ہوا دفن کر چکا ہوں۔" انور سنجیدگی سے بولا۔ "میں مریضوں کی
طرح زندہ نہیں رہنا چاہتا۔ دنیا کی بہتی ہوئی دولت میں میرا بھی حصہ ہے۔"

رشیدہ نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ خاموشی سے انور کے چہرے کی طرف دیکھتی رہی۔

"میں سمجھتا ہوں کہ تم زندگی کی یکسانیت سے اکتا گئی ہو۔ تمہارا عورت پن جاگ اٹھا ہے
اپنی جنس کی فطرت کے مطابق تمہیں زندگی میں ہر لحظہ تبدیلی بھی چاہئے اور سکون بھی۔ میں
اچھی طرح جانتا ہوں کہ تم اپنی پچھلی زندگی کی یکسانیت سے اکتا کر میری طرف بھٹک آئیں تم
اور اب پھر اس زندگی میں لوٹ جانا چاہتی ہو۔ مجھے ذرہ برابر بھی اس کا افسوس نہ ہوگا۔"

"تم نہ جانے کیسی بہکی بہکی باتیں کر رہے ہو۔" رشیدہ نے منہ بنا کر کہا۔

"میں وہی کہہ رہا ہوں جو تمہارے دل میں ہے۔ ہم دونوں ایک دوسرے کے دوست
اور رہیں گے لیکن اب ہم دونوں کی راہیں مختلف ہو جانی چاہئیں۔"

"کیوں....؟"

"میں نہیں چاہتا کہ تمہیں کسی قسم کا نقصان پہنچے۔"

"میں نہیں سمجھی۔"

"داراب بہت ہی اوچھی طبیعت کا آدمی معلوم ہوتا ہے۔" انور نے کہا۔ "بہر حال اس
بھرنا بھی پڑے گا۔"

"میں تمہیں اس کی رائے نہیں دوں گی۔"

"تو میں نے تم سے مشورہ کب مانگا ہے۔"

"جو میں کہوں گی تمہیں وہی کرنا پڑے گا۔" رشیدہ تیز لہجے میں بولی۔

"فضول بکواس نہیں، جاؤ اپنا کام کرو۔"

"اگر تم نے میرا کہنا نہ مانا تو....!"

"تم مجھ سے شادی کر لو گی۔" انور نے جملہ پورا کر دیا۔

رشیدہ اسے کھا جانے والی نظروں سے گھورنے لگی۔

"میں آصف کو سب کچھ بتا دوں گی۔"

"بتادو....! میں اُسے ایک بوڑھا بچہ سمجھتا ہوں۔ اگر میں ۱۸۵۷ء میں پیدا ہوا ہوتا تو؟

پہلی اولاد آصف ہی کے برابر ہوتی۔"

"دیکھو اس سلسلے کو مذاق میں مت ڈالو۔" رشیدہ نے کہا۔

"تم یہاں سے جاتی ہو یا کان پکڑ کر نکال دوں۔"

"دیکھو انور میں کسی دن تمہاری کھال اتار دوں گی۔" رشیدہ نے کہا اور پیر پٹختی ہوئی باہر چلی گئی۔

انور دوسرے دن کے اخبار کے لئے اپنی رپورٹیں مکمل کرنے لگا۔ رات والے حادثے کو اس
نے آصف کے بیان کے مطابق لکھا۔

تھوڑی دیر بعد ایک چپڑاسی اندر آ کر اس کی میز پر ایک لفافہ رکھ گیا۔ انور لکھنے میں مشغول
تھا۔ کام ختم کرنے کے بعد اس نے لفافہ اٹھا کر کھولا.... اس میں پلازا تھیٹر کے آرکسٹرا کے دو
ٹکٹ تھے۔ انور کو رات والے پُر اسرار اجنبی کی دعوت یاد آگئی۔ اس نے اُسے آج پلازا تھیٹر کے
شو کی دعوت دی تھی۔ مگر آصف کے بیان کے مطابق وہ قتل کر دیا گیا تھا۔ پھر یہ کیا معمہ ہے۔

انور نے گھنٹی بجا کر چپڑاسی کو اندر بلایا۔

"یہ لفافہ کون لایا تھا۔"

"میں انہیں پہچانتا نہیں۔"

"کوئی قاعدے کا آدمی تھا۔"

"جی ہاں ایک بہت نفیس کار پر آئے تھے۔"

"حلیہ کیا تھا۔"

"سیاہ ڈاڑھی۔ رنگ گورا ناک کے نتھنے کے پاس بڑا سا ابھرا ہوا تل تھا۔ سرمئی رنگ کا
سوٹ پہنے ہوئے تھے۔"

"ہوں....!" انور نے اسے جانے کا اشارہ کیا اور کرسی کی پشت سے ٹک گیا۔

چپڑاسی نے جو حلیہ بتایا تھا وہ اسی آدمی کا تھا جس کی تصویر آصف نے اسے دکھائی تھی اور جو
پچھلی رات کو انور سے اس کے گھر پر ملا تھا۔ انور سوچتا رہا۔ پھر تھوڑی دیر بعد اس کے چہرے پر
مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے گھڑی کی طرف دیکھا۔ چار بج رہے تھے۔ اس نے سب کاغذات
ایڈیٹر کے کمرے میں بھجوا دیئے اور خود اپنے کمرے سے نکل آیا۔ دوسرے کمرے میں رشیدہ بیٹھی
ٹائپ کر رہی تھی۔ وہ اس کی پشت پر جھک گیا۔

"اب ختم بھی کرو یہ سلسلہ، کیا گھر نہیں چلنا ہے۔" انور نے آہستہ سے کہا۔

"نہیں میرا راستہ الگ ہے۔" رشیدہ نے سر اٹھائے بغیر کہا۔

"یعنی آج دوسرے راستے سے گھر جاؤ گی۔"

"تم سے مطلب۔۔۔۔!"

"نہیں مجھ سے کوئی مطلب نہیں۔" انور منہ سکوڑ کر بولا۔ "میں تو اس لئے کہہ رہا تھا کہ تمہیں خواہ مخواہ کوئی سواری کرنی پڑے گی۔"

اور پھر انور اس کے جواب کا انتظار کئے بغیر آفس سے چلا آیا۔ اپنی موٹر سائیکل نکالی اور سیدھا کوتوالی کی طرف روانہ ہو گیا۔ لیکن اُسے اس بات پر حیرت ہوئی کہ کوتوالی میں کسی نے اس کی طرف کوئی خاص توجہ نہ دی۔

آصف کوتوالی ہی میں موجود تھا۔ انور کو دیکھتے ہی جھلا گیا۔

"کیا! یہاں کیوں آئے ہو۔"

"تمہیں مجھ سے یہ پوچھنے کا حق نہیں، میں ایک اخبار کا کرائم رپورٹر ہوں اور اس کے باقاعدہ لائسنس رکھتا ہوں۔" انور مسکرا کر بولا۔

"بہت اچھا! یہاں یہ مشورہ ہی ہو رہا تھا کہ تمہیں شبہے میں گرفتار کر لیا جائے۔" آصف نے کہا۔

"میں گرفتار ہی ہونے کے لئے آیا ہوں۔" انور نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "میں ذرا وہ صورتیں دیکھنا چاہتا ہوں جو میری گرفتاری کے متعلق مشورہ کر رہی تھیں۔"

"دیکھو برخوردار یہ انگلینڈ کی پولیس نہیں ہے۔ یہاں اقبال جرم کرانے کا جو طریقہ برتا جاتا ہے اس سے تم واقف ہو۔" آصف نے کہا۔

"میں اچھی طرح جانتا ہوں آصف صاحب! ذرا وہ طریقہ اختیار کر کے دیکھئے۔"

"صاحبزادے ہو۔" آصف مسکرا کر بولا۔ "یہ کہو میں نے اس ڈائری کو اپنے ہی تک محدود رکھا ورنہ آٹے دال کا بھاؤ معلوم ہو جاتا۔"

"تم نے یہ کہہ کر میرا دل جیت لیا میرے پیارے محبوب۔" انور رومانٹک انداز میں بولا۔

آصف نے نفرت سے منہ پھیر لیا اور انور کے ہونٹوں پر شرارت آمیز مسکراہٹ پھیل گئی۔

"پلازا تھیٹر چل رہے ہو۔" انور نے پوچھا۔

دفعتاً آصف چونک پڑا۔

"کیا مطلب! تمہیں کیسے معلوم ہوا۔" آصف اسے تحیر آمیز نظروں سے دیکھتا ہوا بولا۔ انور سوچ میں پڑ گیا کہ آصف کے اس رویے کا کیا مطلب ہو سکتا ہے۔

"دنیا کی کونسی ایسی بات ہو سکتی ہے جس سے مجھے واقفیت نہ ہو۔"

آصف اُسے گھورنے لگا۔

"پلازا کے منیجر سے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ ٹکٹ اس نے نہیں بھیجے۔ لیکن وہ آج ہی خریدے گئے ہیں۔" آصف کچھ سوچتا ہوا بولا۔

"صرف تمہارے ہی پاس آئے ہیں۔" انور نے پوچھا۔

"نہیں دو تین افسروں کو بھی کسی نے آج کے شو کے لئے مدعو کیا ہے۔" آصف بولا۔

"تمہیں اس کی اطلاع کس طرح ہوئی۔"

"ایک کرائم رپورٹر کا فرض ہے کہ وہ اس قسم کی اطلاعات بہم پہنچاتا رہے۔"

آصف کچھ دیر خاموش رہا پھر بولا۔

"سچ بتاؤ تمہاری ڈائری وہاں کس طرح پہنچی تھی۔" آصف نے کہا۔ "میں تم سے اس قسم کے جرم کی توقع نہیں رکھتا۔"

"اب آئے سیدھی راہ پر۔۔۔۔!" انور ہنس کر بولا۔ "کوئی مجھے پھنسانے کی کوشش کر رہا ہے۔ اس شہر میں کوئی بڑی واردات ہونے والی ہے۔۔۔۔ بہت بڑی۔۔۔۔ اسے لکھ لو۔"

"میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا۔"

"مطلب! بہت جلد واضح ہو جائے گا۔" انور نے کہا۔ "لاش کے متعلق معلوم ہوا ہے کہ کس کی ہے۔"

"نہیں اور ایک دلچسپ اطلاع۔ اس کی ڈاڑھی نقلی ثابت ہوئی۔"

انور نے قہقہہ لگایا اور شرارت آمیز نظروں سے آصف کی طرف دیکھنے لگا۔

"تمہارے انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ تم اس کے متعلق کچھ نہ کچھ ضرور جانتے ہو۔"

"بھلا میں کیا جان سکتا ہوں۔" انور نے سنجیدگی سے کہا۔

"تم شیطان ہو۔" آصف بزرگانہ شفقت کا اظہار کرتا ہوا بولا۔

"بے کار! بالکل بے کار! اس قسم کے پیار بھرے حربے میرے لئے قطعی بیکار ہیں۔ اگر میں کچھ جانتا ہوتا تو ویسے ہی بتا دیتا۔"

"خیر خیر۔۔۔۔!" آصف مسکراتا ہوا بولا۔ "تم تو میرے ساتھ پلازا چل رہے ہو۔"

"تمہارے ساتھ کیوں! کیا میں اس شہر کی اہم شخصیت نہیں ہوں۔"

"کیا مطلب۔۔۔۔!" آصف چونک کر بولا۔

"ظاہر ہے کہ مدعو کرنے والے نے مجھے بھی مدعو کیا ہوگا۔" انور لاپروائی سے بولا۔

"اور تم مدعو کرنے والے کو نہیں جانتے۔" آصف نے پوچھا۔

"جب یہاں کا اتنا بڑا سراغ رساں نہیں جانتا تو بھلا میں بے چارہ کیا جان سکتا ہوں۔" انور طنزیہ انداز میں بولا۔

"انور تم بعض اوقات سخت تکلیف دہ ہو جاتے ہو۔"

انور ہنسنے لگا اور آصف اُسے برآمدے میں چھوڑ کر دفتر میں چلا گیا۔

تھوڑی دیر بعد انور کی موٹر سائیکل پلازا تھیٹر کی طرف جا رہی تھی۔ ساڑھے پانچ بج چکے تھے۔ ڈرامہ شروع ہونے میں آدھا گھنٹہ باقی تھا لیکن بھیڑ کا یہ عالم تھا کہ کمپاؤنڈ میں شانے سے شانہ چھل رہا تھا۔ اس دوران میں جب کہ فلم اتنی مقبولیت حاصل کر چکا ہے۔ اسٹیج کی کوئی اہمیت نہیں رہ گئی، لیکن پھر بھی پلازا تھیٹر کا ہال تماشائیوں سے بھرا رہتا تھا۔ جس کی سب سے بڑی وجہ ایک رقاصہ شیلا رانی تھی۔ حال ہی میں وہ فرانس، جرمنی، انگلینڈ اور اطالیہ میں اپنے فن کے مظاہرے کر کے واپس آئی تھی۔ دورے کے درمیان میں اس نے غیر ملکی طرز رقص سے بھی خاصا استفادہ کیا تھا اور اس طرح اس کے آرٹ کو ایک نئی زندگی بخش دی تھی۔ حالانکہ ہمارے ملک میں فن کے پرکھنے والے کم ہیں لیکن شیلا رانی جوان بھی تھی اور پھر کیا چاہئے اس کے جسم کا لوچ ہی لوگوں کو اسی طرف متوجہ کر لینے کے لئے کافی تھا۔

انور ہال میں جا کر بیٹھ گیا۔ آرکسٹرا کی چند نشستوں کے علاوہ سارا ہال بھرا ہوا تھا۔ انور نے سوچا کہ یہ خالی جگہیں وہی مخصوص نشستیں ہو سکتی ہیں جن کے ٹکٹ کسی نامعلوم آدمی نے پولیس کے چند آفیسروں کے پاس بھجوائے ہیں۔

تھوڑی دیر کے بعد انسپکٹر آصف چار دوسرے پولیس آفیسروں کے ساتھ ہال میں داخل ہوا۔ انور کی سیٹ کے بعد پانچ نشستیں خالی تھیں.... وہ پانچوں آکر بیٹھ گئے۔ آصف انور کے برابر ہی بیٹھا۔

"تو کیا واقعی تمہیں بھی ٹکٹ موصول ہوا تھا۔" آصف نے پوچھا۔

"شاید تم اب مجھ سے حلف اٹھوانا چاہتے ہو۔" انور نے کہا۔ "مجھے دو ٹکٹ موصول ہوئے تھے اسی لئے میرے برابر کی سیٹ ابھی تک خالی ہے۔"

"دو ٹکٹ کیوں۔"

"شائد ایک رشیدہ کے لئے تھا۔"

"تو اسے کیوں نہیں لائے۔"

"وہ خود نہیں آئی۔"

اس کے بعد خاموشی چھا گئی۔

تھوڑی دیر بعد ہال آرکسٹرا کی دھنوں سے گونجنے لگا۔ ہال کی روشنی گل ہو گئی اور اسٹیج جگمگانے لگا۔ پردہ اٹھا اور ڈرامہ شروع ہو گیا۔ ڈرامہ زیادہ دلچسپ نہ تھا۔

"بھئی یہاں تو کوئی خاص بات نہیں...." آخر آصف کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

"افسوس کیوں کر رہے ہو۔ مفت ہاتھ آئے تو بُرا کیا ہے۔" انور مسکرا کر بولا۔

سین پر سین بدلتے رہے۔ آخر کار وہ موقع آیا جب ڈرامے کی ہیروئن شیلا رانی اپنے پائیں باغ میں رقص کر رہی تھی۔ قریب ہی سے سٹیج پر ایک ڈاکو نمودار ہوا جس نے اپنا چہرہ سیاہ نقاب سے چھپا رکھا تھا۔ ہیروئن اس کی آمد سے بے خبر تھی۔ وہ اپنے فن میں ڈوبی ہوئی رقص کرتی رہی۔ دفعتاً ڈاکو نے جیب سے پستول نکالا ایک زوردار دھماکہ ہوا اور ہیروئن چیخ مار کر گر پڑی۔ پردہ کھینچ دیا گیا۔

"کتنی سچی اداکاری تھی۔ کتنی سچی چیخ۔" آصف بولا۔

"اداکاری نہیں حقیقت۔" انور تیزی سے اٹھتا ہوا بولا۔ وہ سچ مچ ختم ہو گئی ہے اور پھر پردے کے پیچھے شور مچ گیا انور اسٹیج کی طرف جھپٹا۔

"ارے ارے کیا دماغ خراب ہو گیا ہے۔" آصف چیخا۔

"جلدی آؤ.... جلدی آؤ....!" انور ہاتھ ہلاتا ہوا بولا۔ دوسرے لمحے میں وہ اسٹیج پر تھا۔ شیلا رانی اسٹیج پر مردہ پڑی تھی اور چند ایکٹرس اس کے گرد کھڑے بُری طرح چیخ رہے تھے۔ ان میں وہ ڈاکو بھی تھا اس کے ہاتھ میں ابھی تک پستول دبا ہوا تھا۔ گولی شیلا رانی کے سر پر لگی تھی۔

انور نے پلٹ کر دیکھا آصف بھی اپنے ساتھیوں کے ساتھ اسٹیج پر آ گیا تھا اور حیرت سے آنکھیں پھاڑے اُس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"جلدی کرو۔" انور بولا۔ "کوئی باہر نکل کر نہ جانے پائے۔"

آصف پردے کے باہر آ گیا۔ ہال میں بیٹھے ہوئے لوگ شور مچا رہے تھے۔ ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یک بیک یہ کیسی بھاگ دوڑ شروع ہو گئی۔

"حضرات....!" آصف تماشائیوں سے مخاطب ہو کر بولا۔ "میں محکمہ سراغ رسانی کا انسپکٹر آپ سے استدعا کرتا ہوں کہ آپ میں سے کوئی ہال کے باہر نہ جائے۔ رقاصہ سچ مچ قتل ہو گئی ہے۔"

تماشائیوں میں ہیجان پھیل گیا۔ تھوڑی دیر بعد سب دروازے مقفل کر دیئے گئے۔ آصف

پھر اسٹیج پر لوٹ آیا۔ پستول چلانے والا سر پکڑے بیٹھا تھا اور اس کا پستول انور کے ہاتھ میں تھا۔

"آپ ان سے پوچھ سکتے ہیں۔" ریوالور والا دوسرے ایکٹروں کی طرف اشارہ کر کے بولا۔ "میں یہاں سے ہٹ کر کہیں نہیں گیا۔"

ایکٹروں نے اس کے بیان کی تائید کی۔

"عجیب بات ہے۔" انور سر ہلا کر بولا۔ "پولیس آفیسروں نے ریوالور والے کو اپنے نرغے میں لے رکھا تھا۔"

"یہ ٹھیک ہے کہ پستول خالی تھا۔" منیجر نے آگے بڑھ کر کہا۔ "عین موقعے پر یہ معلوم ہوا تھا کہ بغیر گولیوں والے کارتوس ختم ہو گئے۔ اس لئے مجبوراً یہ انتظام کیا گیا تھا کہ جیسے ہی یہ ریوالور نکالے پردے کے پیچھے پٹاخہ داغ کر پستول کی مصنوعی آواز پیدا کی جائے۔ آپ نے خود دیکھا ہو گا کہ ریوالور سے دھواں یا شعلہ نہیں نکلا تھا۔"

"تو پھر یہ گولی آئی کہاں سے۔" آصف نے کڑے لہجے میں پوچھا۔

"اب بھلا بتایئے میں کیا بتاؤں۔" منیجر نے کہا۔ "کیا میں یہ نہیں جانتا کہ یہ حادثہ میرے لئے ایک بڑی مصیبت کا پیش خیمہ ثابت ہو سکتا ہے۔"

تھوڑی دیر بعد تھیٹر کا ایک ایک کونہ دیکھ ڈالا گیا لیکن یہ نہ معلوم ہو سکا کہ گولی کہاں سے آئی اور وہ کس کی حرکت تھی۔ آخر کار تھک ہار کر ہال کے دروازے کھلوا دینے پڑے۔ منیجر بُری طرح بدحواس تھا۔

"اب کیا کیا جائے۔" آصف بے بسی سے بولا۔

"مدعو کرنے والا دراصل ہماری بے بسی کا تماشہ دیکھنا چاہتا تھا۔" انور نے کہا۔

"تو کیا.... تو کیا....!"

"جی ہاں....!" انور طنزیہ لہجے میں بولا۔ "کبھی پہلے بھی اس قسم کے پُر اسرار دعوت نامے موصول ہوئے تھے۔"

آصف غور سے اُسے دیکھنے لگا۔

انور نے پستول کی نال کو ناک سے لگا کر سونگھا۔

"اس پستول سے تو واقعی گولی نہیں چلی۔" انور نے کہا۔

"ممکن ہے بدل دیا گیا ہو۔" آصف بولا۔

"دوسرے لوگوں کے بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک لمحے کے لئے بھی اسٹیج سے

نہیں ہٹا۔" انور نے کہا۔

"پھر....!"

"بھلا میں کیا جانوں۔" انور منہ بنا کر بولا۔

تھوڑی دیر بعد ہال میں پولیس والوں کے علاوہ کوئی اور نہ رہ گیا۔ حادثے کی اطلاع پا کر کچھ اور ذمے دار آفیسر بھی پہنچ گئے تھے۔ وہ ایکٹر جو ڈاکو کا پارٹ کر رہا تھا حراست میں لے لیا گیا تھا۔ اس وقت اسٹیج پر جو ایکٹر اور پردہ کھینچنے والے موجود تھے پولیس نے ان کو بھی نہیں چھوڑا تھا۔

پولیس والے لوگوں کے بیانات لینے میں الجھے ہوئے تھے اور انور کسی اور ہی فکر میں تھا۔ اس کی نگاہیں پورے اسٹیج کا جائزہ لے رہی تھیں۔ اس سین کے لئے خاص طور سے اسٹیج ترتیب دیا گیا تھا۔ داہنی طرف لکڑی کی ایک دیوار میں اس طرح رنگ کاری کی گئی تھی کہ وہ کسی کوٹھی کے سامنے کا حصہ معلوم ہو رہا تھا اور اپر ایک سائبان بنا ہوا تھا جسے نیچے سے روکنے کے لئے لوہے کے کئی چھڑ لگائے گئے تھے۔ شیلا رانی ٹھیک اسی سائبان کے سامنے ناچ رہی تھی۔ انور اس کی جگہ جا کر کھڑا ہو گیا جہاں سے ابھی ابھی شیلا رانی کی لاش ہٹائی گئی تھی۔ اس کی نگاہیں بار بار سامنے والے سائبان کی طرف اٹھ جاتی تھیں۔

"تو تمہیں اس حادثے کی اطلاع پہلے سے تھی۔" آصف نے انور سے پوچھا۔

"تم عجیب آدمی ہو۔" انور چڑ کر بولا۔ "اپنا کام کرو۔ میرے پیچھے کیوں پڑ گئے۔"

"تمہیں بتانا پڑے گا۔"

"کیا بتانا پڑے گا۔"

"ہم لوگوں کے پاس ٹکٹ کس نے بھجوائے تھے۔" آصف تیز لہجے میں بولا۔

"افراسیاب والی طلسم ہوشربا نے۔"

"ٹھیک ٹھیک بتاؤ۔" آصف دانت پیس کر بولا۔

"تمہارا دماغ تو نہیں خراب ہو گیا۔" انور نے کہا۔

"اب مجبوراً مجھے....!"

"سر پھوڑ لینا پڑے گا۔" انور نے مسکرا کر جملہ پورا کر دیا۔ "تم آدمی ہو یا ڈیوٹ....!"

"ٹھہرو بتاتا ہوں۔" آصف غصے میں پولیس آفیسروں کی طرف مڑتا ہوا بولا۔

"تمہاری مرضی....!" انور نے لاپرواہی سے اپنے شانوں کو جنبش دیتے ہوئے کہا۔ "کل تک تمہارے خلاف پچاسوں درخواستیں گذر جائیں گی۔"

آصف رک کر اُسے گھورنے لگا۔ اگر اس کا بس چلتا تو وہ انور کی بوٹیاں اڑا دیتا۔

"اس سائبان کی طرف دیکھ رہے ہو۔" انور آہستہ سے بولا۔ "اسے تڑوا دو اور پھر کل کے اخبارات تمہاری شان میں لمبے چوڑے قصیدے چھاپ دیں گے۔ اچھا شب بخیر میں چلا۔ اگر مناسب سمجھنا تو نتیجے سے بھی مطلع کر دینا۔۔۔۔ ورنہ میں تو اپنی رپورٹ مکمل کر ہی لوں گا۔"

قتل کا راز

قبل اس کے کہ آصف کچھ کہتا انور ہال سے نکل کر کمپاؤنڈ میں آ گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ اپنی موٹر سائیکل پر گھر کی طرف واپس جا رہا تھا۔ گیارہ بج چکے تھے۔ شہر قریب قریب ویران ہو چکا تھا۔ کہیں کہیں ایک آدھ دوکانیں کھلی نظر آ رہی تھیں۔

انور جیسے ہی اپنے کمرے میں داخل ہوا۔ رشیدہ اس پر جھپٹ پڑی۔

"کہاں تھے۔۔۔۔ کہاں گئے تھے۔"

"تم یہاں کیا کر رہی تھی۔ جاؤ اپنے کمرے میں۔۔۔۔" انور کوٹ اتار کر کرسی پر ڈالتا ہوا بولا۔

"نہیں جاؤں گی۔"

"اوہو۔۔۔۔ اور اگر میں نے کان پکڑ کر نکال دیا تو۔"

"میں تم سے کمزور ہوں کیا۔" رشیدہ بھنا کر بولی۔

انور کوئی جواب دیئے بغیر آرام کرسی پر گر گیا۔ رشیدہ اسے گھور رہی تھی۔

"میں نے ابھی تک کھانا نہیں کھایا۔" وہ تھوڑی دیر بعد بولی۔

"تو میں نے کب کھایا ہے۔" انور نے کہا۔ "آخر تم میرا انتظار کیوں کرتی ہو۔"

"میری خوشی۔"

"دیکھو تمہارا راستہ ادھر ہے۔" انور دروازے کی طرف اشارہ کرتا ہوا بولا۔

دفعتاً دروازے میں ایک صورت دکھائی دی۔ ایسی صورت جسے دیکھ کر دونوں چونک پڑے۔ یہ وہی تھا جو پچھلی رات کو انور سے ملا تھا اور جس کی تصویر آصف نے دکھائی تھی۔ وہ ا[illegible] پُر سکون طریقے سے کمرے میں داخل ہوا جیسے وہ اس کا اپنا ہی کمرہ ہو۔ قبل اس کے کہ انور کچھ کہتا وہ ایک کرسی پر بیٹھ کر مسکرانے لگا۔

"تم اپنے کمرے میں جاؤ۔" انور نے رشیدہ سے کہا۔ رشیدہ انور کو گھورتی ہوئی ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔

"جاؤ اپنے کمرے میں۔" انور نے پھر کہا۔

"بکو مت۔۔۔۔!" رشیدہ نے کہا اور اجنبی کو معنی خیز انداز میں دیکھنے لگی۔

"تم کل رات میری ڈائری کیوں اٹھا لے گئے تھے۔" انور نے اجنبی سے پوچھا۔

"تمہیں ایک معمولی سا سبق دینے کے لئے۔" اجنبی نے مسکرا کر کہا۔

"دیکھو! خواہ مخواہ مجھ سے الجھنے کی کوشش نہ کرو۔" انور نے کہا۔

"میں پھر یہی چاہوں گا کہ تم داراب سے سمجھوتہ کر لو۔"

"کس بات کا سمجھوتہ۔"

"یہی کہ تم اس کے معاملات میں دخل نہ دو گے۔" اجنبی نے کہا۔

"اب یہ چیز میرے امکان سے باہر ہو گئی ہے۔" انور نے کہا۔ "اگر تم نے میری ڈائری چرا کر مجھے پھنسوانے کی کوشش نہ کی ہوتی تو شاید اس کی ضرورت ہی نہ سمجھتا۔"

"دیکھو انور! تمہیں داراب سے سمجھوتہ کرنا ہی پڑے گا۔ کیا تم نے اس وقت تھیٹر میں رقاصہ کی موت نہیں دیکھی۔"

انور خاموشی سے اسے گھور رہا تھا۔ رشیدہ اٹھ کر کمرے سے جانے لگی۔

"آپ یہیں تشریف رکھئے محترمہ۔۔۔۔!" اجنبی بولا۔

"کیوں۔۔۔۔؟" رشیدہ اسے قہر آلود نظروں سے گھورتی ہوئی بولی۔

"میں آپ سے استدعا کرتا ہوں۔" اجنبی مسکرا کر بولا۔

"میں پولیس کو فون کروں گی۔"

"نہیں۔۔۔۔!" انور اسے تیز نظروں سے گھورتا ہوا بولا۔ "چپ چاپ اپنے کمرے میں جاؤ۔"

رشیدہ پھر بیٹھ گئی۔

"تمہارا نام کیا ہے؟" انور نے اجنبی سے پوچھا۔

"میرا نام دو سو تیرہ ہے۔" اجنبی مسکرا کر بولا۔

"اوہ تو مجھ پر اپنے گروہ کا رعب ڈالنا چاہتے ہو۔ یعنی تم اپنے گروہ کے دو سو تیرھویں ممبر ہو۔"

"یہی سمجھ لو۔"

"تم نے کل ایک آدمی کو قتل کر کے اس کی شکل اپنی جیسی بنادی تھی۔" انور نے کہا۔ "تم سمجھتے تھے کہ شاید میں اس وقت تمہیں دیکھ کر گھبرا جاؤں گا۔"

"نہیں تمہیں محض یہ دکھانا تھا کہ تم نے داراب کی طاقت کا غلط اندازہ لگایا ہے۔" اجنبی بولا۔

"مردے گھسیٹنے والے گیدڑوں کو میں طاقت ور نہیں سمجھتا۔" انور نے منہ بنا کر کہا۔ "شخص ہرگز بہادر نہیں ہو سکتا جو عورتوں کو قتل کرتا پھرے۔"

"دیکھو میں پھر تمہیں سمجھاتا ہوں۔" اجنبی نے کہا۔

"میں کچھ سمجھنے کے لئے تیار نہیں۔"

"تو اس کا یہ مطلب ہے کہ ہماری آخری گفتگو ہے۔"

"قطعی....!" انور نے کہا اور میز پر سے کتاب اٹھا کر اس کے ورق الٹنے لگا۔

"خیر....!" اجنبی اٹھتا ہوا بولا۔ "میں پھر تمہیں وقت دیتا ہوں۔"

انور نے کتاب میز پر پٹخ دی اور تن کر کھڑا ہو گیا وہ اس پُر اسرار اجنبی کو عجیب نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

"میں تم سے کہتا ہوں کہ یہ میری اور تمہاری آخری ملاقات ہے۔" انور اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

"ضد اچھی نہیں ہوتی۔"

"تم جا سکتے ہو۔" انور نے دروازے کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

اجنبی اُسے گھورتا ہوا چلا گیا۔ اس کی آنکھوں سے نفرت کی چنگاریاں نکل رہی تھیں۔

"اور تم سنتی ہو رشیدہ۔" انور نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ "تم بھی یہاں سے چلی جاؤ۔"

رشیدہ نے اسے گھور کر دیکھا اور پیر پٹختی ہوئی کمرے سے چلی گئی۔ لیکن اُس کے جانے کے بعد ہی انور کو خیال آ گیا کہ اس نے ابھی کھانا نہیں کھایا۔ وہ اٹھ کر رشیدہ کے کمرے کے سامنے آیا۔ رشیدہ دروازہ بند کر چکی تھی۔ انور آہستہ آہستہ دستک دینے لگا۔

رشیدہ دروازہ کھول کر باہر نکل آئی۔

"اب کیا ہے؟" وہ جھلا کر بولی۔

"چلو کھانا کھائیں گے۔"

رشیدہ ہونٹ بھینچے اُسے گھور رہی تھی۔

"میری بلی....!" انور پیار بھرے لہجے میں بولا اور رشیدہ پگھل گئی۔

دونوں قریب ہی کے ایک ریستوران کی طرف روانہ ہو گئے۔

کھانے کے دوران میں رشیدہ اس اجنبی کا تذکرہ چھیڑ بیٹھی۔ انور نے اسے پلازا تھیٹر کے ملازم کے متعلق بتایا۔ رشیدہ تحیر آمیز انداز میں انور کی طرف دیکھنے لگی۔

"شیلا رانی کو داراب سے کیا تعلق۔" رشیدہ تھوڑی دیر بعد بولی۔

"یہی تو دیکھنا ہے۔" انور نے کہا۔

"شیلا رانی کون تھی۔" دفعتاً رشیدہ نے کہا۔

"ایک رقاصہ....!" انور نے جواب دیا۔

"وہ تو تھی ہی لیکن کس خاندان سے تعلق رکھتی تھی۔"

"یہ میں نہیں جانتا۔"

"میں جانتی ہوں۔"

"تو پھر پہیلیاں بجھوانے سے کیا فائدہ۔" انور نے جھنجھلا کر کہا۔

"میں دراصل یہ دیکھنا چاہتی تھی کہ مشہور کرائم رپورٹر کتنے پانی میں ہے۔" رشیدہ نے ہنس کر کہا۔

انور اُسے گھورنے لگا۔ رشیدہ کی ہنسی میں اضافہ ہو گیا۔

"بس اب چپ بھی رہو ورنہ شوربے کی پلیٹ تمہارے منہ پر ماردوں گا۔"

رشیدہ اور زور سے ہنسنے لگی۔ انور ہاتھ سے نوالہ رکھ کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔

"تو بھئی اس میں بگڑنے کی کیا بات ہے۔" رشیدہ سنجیدگی سے بولی۔ "کھاؤ نا۔"

انور نے سگریٹ سلگا لی اس کے چہرے پر بیزاری پھیل گئی۔ رشیدہ کچھ اور کہنے والی تھی کہ آصف دکھائی دیا۔

"اوہ تو تم یہاں ہو۔ میں واپس جا رہا تھا۔"

"اچھا! اچھا....!" انور اٹھتا ہوا بولا۔ "وہیں چلو....!"

رشیدہ بھی کھانا کھا چکی تھی۔ انور نے بل ادا کیا اور وہ فلیٹ کی طرف لوٹ آئے۔

"انور آخر تم مجھے تنگ کیوں کر رہے ہو۔" آصف نے کہا۔ اس کے لہجے میں عاجزی تھی۔

"بیٹھو.... بیٹھو....!" انور بے صبری سے ہاتھ ہلاتا ہوا بولا۔

"تمہارا خیال بالکل صحیح نکلا۔ گولی اسی سائبان سے چلی تھی۔" آصف نے کہا۔

"ان لوہے کی سلاخوں میں ایک رائفل کی نالی تھی۔" انور مسکرا کر بولا۔

"ہاں اور منیجر اس دریافت پر قریب قریب بیہوش ہو گیا تھا۔" آصف نے کہا۔

رائفل کا کندہ اس لکڑی کی موٹی سی دیوار کے اندر چھپا ہوا تھا اور نال دوسری طرف نکلی ہوئی تھی جس پر چند اور سلاخوں کے ساتھ سائبان ٹکا ہوا تھا۔ اسٹیج کے دوسرے حصے میں سوراخ کر کے ایک پتلی سی ڈوری رائفل کی لمبی نال تک پہنچائی گئی تھی۔ رائفل بھری ہوئی تھی۔ جب شیلا رانی رائفل کی زد پر آ گئی تو کسی نامعلوم آدمی نے وہ ڈوری کھینچ لی اور رائفل چل گئی۔

"اس دریافت کے بعد تم نے کیا کیا....؟"

"منیجر کو حراست میں لے لیا گیا ہے۔" آصف نے کہا۔

"اس ایکٹر کا کیا ہوا جس نے ڈاکو کی اداکاری کی تھی۔"

"وہ بھی حراست میں ہے اور وہ بھی جس نے اسٹیج کے پیچھے پٹاخہ داغا تھا۔"

"اور ڈائریکٹر کا کیا ہوا۔" انور نے پوچھا۔

"وہ اس حادثے سے پہلے ہی کہیں چلا گیا تھا۔" آصف نے کہا۔

"تو وہ نہیں مل سکا۔" انور نے پوچھا۔

"نہیں، لیکن اس کی تلاش جاری ہے۔" آصف نے کہا۔ "منیجر نے اپنے بیان میں بتایا ہے کہ ایک ہفتہ قبل اس نے اس ڈائریکٹر کو ملازم رکھا تھا اور یہ نیا ڈرامہ اسی کا لکھا ہوا تھا۔ اسی نے اسے ڈائریکٹ بھی کیا تھا۔ منیجر نے یہ بھی بتایا کہ آج شام کو جب یہ معلوم ہوا تھا کہ نقلی کارتوس ختم ہو گئے تو اس نے مصنوعی دھماکے کی رائے دی تھی اور اس کے لئے ایک زیادہ آواز والے پٹاخے کا انتخاب کیا تھا۔ حالانکہ منیجر نے اس سے کہا تھا کہ اتنی زیادہ آواز والا پٹاخہ پستول کی آواز پیدا کرنے کے لئے بے تکا ثابت ہوگا۔ مگر اس نے کوئی دھیان نہیں دیا اور دیتا بھی کیسے جب کہ اسے اس دھماکے میں سائبان والی رائفل کی آواز چھپانی تھی۔"

"ڈائریکٹر کا حلیہ۔"

"حلیہ پوچھتے ہو۔" آصف نے کہا۔ "اگر میرے سر پر اس وقت بم گر پڑتا تو بھی مجھے اتنی حیرت نہ ہوتی جتنی کہ اس کا حلیہ معلوم کر کے ہوئی۔"

"یعنی....؟" انور نے ہمہ تن سوالیہ نشان بن کر پوچھا۔

آصف نے اپنی جیب سے ایک تصویر نکال کر انور کے سامنے ڈال دی۔

"یہ تو اسی آدمی کی تصویر ہے جس کی لاش تمہیں جلی ہوئی کار میں ملی تھی۔" انور نے کہا۔

"اور تمہیں بھی بتا چکا ہوں کہ مقتول کی ڈاڑھی مصنوعی تھی۔" آصف بولا۔

"تمہیں یہ تصویر ملی کہاں سے۔"

"منیجر نے دی ہے۔"

"حیرت....!" انور آہستہ سے بڑبڑایا۔

"اور میں اسی لئے تم سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ ان حادثات سے تمہارا کیا تعلق ہے۔" آصف نے بے تابی سے کہا۔

"اور یہی تمہاری زبردست حماقت ہے۔" انور مسکرا کر بولا۔

"دیکھو انور باتوں میں نہ ٹالو۔"

انور کچھ سوچنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد وہ آصف سے مخاطب ہوا۔

"اگر میں یہ کہوں کہ یہ داراب کی حرکت ہے تو تم کس حد تک یقین کرو گے۔"

"داراب....!" آصف اس طرح اچھلا جیسے یک بیک کرسی نے اچھال دیا ہو۔

"ہاں داراب....!"

"میں کس طرح یقین کر لوں۔"

"یقین نہ کرنے کی وجہ....!" انور اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

"ابھی تک اس نے جتنی بھی وارداتیں کی ہیں ان میں خود کو ظاہر کر دیا ہے۔" آصف نے کہا۔ "اور اس کے باوجود بھی پولیس اس کا پتہ لگانے میں ناکام رہی۔"

"کیا محکمہ سراغ رسانی کے پاس داراب کا کوئی ریکارڈ ہے۔" انور نے پوچھا۔

"نہیں....!" آصف موضوع بدل کر بولا۔ "آخر تم کیسے کہہ سکتے ہو کہ ان حادثات کا تعلق داراب سے ہے۔"

"اس نے مجھے چیلنج کیا ہے۔"

"میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا۔"

"وہ مجھے اپنے راستے سے ہٹانا چاہتا ہے۔" انور نے کہا۔

"آخر کیوں؟"

"یہ میں نہیں جانتا۔"

"بھلا تمہیں راستے سے ہٹانے اور ان وارداتوں سے کیا تعلق ہو سکتا ہے۔"

"یار آصف تمہاری عقل آج کل اتنی یتیم کیوں ہو گئی ہے۔" انور مسکرا کر بولا۔ "اس لاش کے ساتھ میری ڈائری کا پایا جانا کیا معنی رکھتا ہے اور پھر تم لوگوں کے ساتھ مجھے بھی تھیٹر کے

لئے مدعو کیا گیا؟ تم خود بتاؤ! اگر میری بجائے کوئی اور ہوتا تو اس وقت وہ کہاں ہوتا۔"

"ٹھیک ہے۔!" آصف کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "لیکن تم اب بھی خود کو محفوظ نہ سمجھو۔"

"اوہو.....!" انور مسکرا کر بولا۔ "تو کیا تم سچ مچ ہتھکڑیاں لائے ہو۔"

"میں لایا تو نہیں لیکن حالات ایسے پیدا ہوگئے ہیں جو سراسر تمہارے خلاف ہیں۔" آصف نے کہا۔ "اور تم کسی وقت بھی سرکاری مہمان خانے کی زینت بنائے جاسکتے ہو۔"

انور ہنسنے لگا اور رشیدہ آصف کو گھورنے لگی۔

"کیوں بھئی تم مجھے اس طرح کیوں گھور رہی ہو۔" آصف نے کہا۔

"میں یہ دیکھ رہی ہوں کہ کیا واقعی آپ عنقریب ترقی کرنے والے ہیں۔"

انور نے زوردار قہقہہ لگایا اور آصف جھینپ گیا۔

"کیوں بھئی شیلا رانی کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے وہ کون تھی کیوں قتل کی گئی۔" انور نے پوچھا۔

"ابھی اتنی جلدی اس کے متعلق کیا معلوم ہو سکتا ہے۔" آصف نے کہا۔

رشیدہ کچھ بولنا ہی چاہتی تھی کہ انور نے اس کی طرف گھور کر دیکھا اور وہ خاموش ہوگئی۔

"واقعی انور تم خطرے میں ہو۔" آصف بولا۔

"ٹھیک ایک طرف قانون شکنی کرنے والے قانون کے محافظ ہیں اور ایک طرف ایک ایسا شخص جو قانون کو کھلونا سمجھتا ہے اور درمیان میں میں۔ لیکن یاد رکھو کہ فتح میری ہی ہوگی۔"

"خیر.....!" آصف اٹھتا ہوا بولا۔ "میں یہ کبھی نہ چاہوں گا کہ تم جیل کی صورت دیکھو۔"

"شکریہ..... شکریہ.....!" انور طنزیہ انداز میں بولا۔

آصف کے چلے جانے کے بعد وہ رشیدہ سے مخاطب ہوا۔

"شیلا رانی کون تھی؟"

"رقاصہ تھی۔" رشیدہ نے بھولے پن سے کہا۔

"پھر وہی.....!"

"یعنی.....!"

"بتاؤ نا وہ کون تھی۔"

"بھلا میں کیا جانوں۔"

انور اُسے تیز نظروں سے گھورنے لگا۔ رشیدہ نے نظریں جھکالیں۔ اس کے ہونٹوں

شرارت آمیز مسکراہٹ پھیل رہی تھی۔

کرنل جاوید

"کرنل جاوید کا نام سنا ہے کبھی۔" رشیدہ تھوڑی دیر بعد بولی۔

"کرنل جاوید۔" انور آہستہ سے بڑبڑایا۔ شاید وہ کچھ یاد کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ پھر اچانک بولا۔ "وہی تو نہیں جس کے گھوڑے ریس میں دوڑتے ہیں۔"

"وہی وہی.....!" رشیدہ دھیرے سے بولی۔ "شیلا رانی اسی کی لڑکی تھی۔"

"کیا مطلب..... تم نے افیون تو نہیں کھائی۔"

"شاید رقاصہ کا نام تمہیں ایسا کرنے پر مجبور کر رہا ہے۔ اس کا اصلی نام شاہدہ تھا۔" رشیدہ بولی۔

"بہت خوب.....!" انور مسکرا کر بولا۔ اس کی آنکھوں سے بے اعتباری جھلک رہی تھی۔ رشیدہ جھنجھلا اٹھی۔

"تم خود کو نہ جانے کیا سمجھتے ہو۔" رشیدہ جھلا کر بولی۔ "جس طرح تم شہر بھر کی باتوں کی اطلاع رکھتے ہو اسی طرح دوسرے بھی رکھ سکتے ہیں اور پھر تم ایسے کہاں کے لال بجھکو نکل پڑے ہو کر غیب دانی کا دعویٰ کر سکو۔"

"غصے میں تم بہت پیاری لگتی ہو۔" انور مسکرا کر بولا۔ "میں اسے محض اس لئے مذاق سمجھا تھا کہ کرنل جاوید لاولد مشہور ہے۔"

"لیکن مجھ سے زیادہ اس کے معاملات کو اور کون جان سکتا ہے۔" رشیدہ خود اعتمادی کے ساتھ بولی۔ "تمہیں شاید نہیں معلوم کہ کرنل جاوید..... مگر نہیں میں نہ بتاؤں گی اس لئے کہ تم نے اپنے متعلق مجھے آج تک کچھ نہیں بتایا۔"

"مجھے تمہارا اور اس کا رشتہ جاننے کی ضرورت نہیں۔" انور نے لاپروائی سے کہا۔

"کرنل جاوید کی شادی ایک قدامت پسند گھرانے میں ہوئی تھی۔ اس کی بیوی کو اس کی بے راہروی ناپسند تھی اور ان دونوں کے درمیان جاوید کی مغرب پسندی باعث تکرار بنی ہوئی تھی جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ ایک دن ان دونوں کو الگ ہو جانا پڑا۔ شاہدہ ننہال میں پیدا ہوئی۔ اسی

دوران میں کرنل جاوید مغربی ممالک کی سیر کے لئے یہاں سے چلا گیا اور اس کی واپسی تقریباً پ
سال کے بعد ہوئی۔ شاہدہ کی ماں اس کی پیدائش کے چند روز بعد ہی مر گئی تھی۔ اس کی پرورش
اس کی نانی نے کی، حالانکہ اس کے ننہال والے قدامت پسند تھے لیکن نہ جانے کس طرح شاہدہ کو
بچپن ہی سے رقص و موسیقی کا چسکا لگ گیا اور وہ انتہائی پابندیوں کے باوجود رقاصہ بنتی گئی۔ اسے
عوام میں اپنے فن کے مظاہرے کا شوق تھا۔ اسکے ننہال والے کرنل جاوید سے اس درجہ ناراض
تھے کہ انہوں نے اس سے کوئی تعلق نہ رکھا شاید اسے اسکی بھی اطلاع نہ تھی کہ اسکے کوئی لڑکی
بھی ہے۔ ننہال والوں نے جب یہ دیکھا کہ شاہدہ ان کیلئے بدنامی کا باعث بن رہی ہے تو انہوں
نے اسے کرنل جاوید کے گھر بھجوا دیا۔ اس دوران میں کرنل جاوید سرد گرم کا تجربہ ہو جانے کے
بعد بہت کچھ بدل گیا تھا اور اس کی مشرقیت پھر سے عود کر آئی تھی۔ اسے یہ جان کر بے حد خوشی
ہوئی کہ وہ صاحب اولاد ہے لیکن ساتھ ہی ساتھ اسے دکھ بھی ہوا۔ وہ شاہدہ کی فن پرستی کے
خلاف تھا۔ شاہدہ نے جب اسٹیج پر جانے کا خیال ظاہر کیا تو کرنل جاوید کانپ اٹھا وہ نہیں چاہتا تھا کہ
اس کی لڑکی مجمع عام میں اپنے فن کا مظاہرہ کرے۔ وہ ایک ضدی آدمی تھا۔ آخر کار دونوں میں
سمجھوتہ ہو گیا۔ کرنل جاوید طوعاً و کرہاً اس بات پر رضا مند ہو گیا کہ وہ اسے مغربی ممالک کا دورہ
کرنے کیلئے مالی امداد دے گا۔ نہیں تو وہ باقاعدہ کسی مقامی تھیٹر میں شاہدہ جاوید کے نام سے نوکری
کرلے گی اور اس چیز کا خاص طور سے پروپیگنڈا کرائے گی کہ وہ کرنل جاوید کی لڑکی ہے۔ اس
طرح وہ شاہد سے شیلا رانی بن گئی۔ آج کل وہ مغربی ممالک سے واپس آنے کے بعد پلازا میں اپنے
فن کا مظاہرہ کر رہی تھی اور پھر ایسی حالت میں تم اس قتل کے بارے میں کیا سوچو گے۔"

"کرنل جاوید تو بہت امیر آدمی ہے۔"

"اور اس کی دولت زیادہ تر جواہر کی شکل میں ہے۔" رشیدہ بولی۔

"اور اب تم حیرت انگیز طریقہ پر اس کی مالک بننے والی ہو۔" انور سنجیدگی سے بولا۔

"کیوں....؟" رشیدہ متحیر ہو کر بولی۔ "مجھ سے مطلب....؟"

"خیر خیر...." انور مسکرا کر بولا۔ "میں سمجھا شاید تم کسی ناول کی پراسرار ہیروئن کی طرح
اس قصے میں داخل ہونے والی ہو۔"

"اس کا ایک وارث موجود ہے۔" رشیدہ انور کی بات پر دھیان نہ دیتی ہوئی بولی۔

"کون....؟"

"اس کا بھتیجا۔"

"مجھے افسوس ہے کہ میں اس سے بھی واقف نہیں ہوں۔" انور نے کہا۔ "لیکن اب میں یہ
پوچھے بغیر نہیں رہ سکتا کہ تم ان لوگوں سے کس طرح واقف ہو۔"

"تمہیں آم کھانے سے غرض ہے یا پیڑ گننے سے۔"

"نہیں میں پیڑ تک کھا جانا چاہتا ہوں۔"

"یہ ناممکن ہے۔" رشیدہ سنجیدگی سے بولی۔ "اس سلسلے میں مجھے بہت کچھ بتانا پڑے گا۔ جس
کے لئے میں فی الحال تیار نہیں۔ لیکن وہ وقت بہت جلد آنے والا ہے۔ جب تم میرے متعلق
سب کچھ جان جاؤ گے، لیکن اتنا ضرور کہہ سکتی ہوں کہ کرنل جاوید یا اس کے معاملات سے میرا
کوئی تعلق نہیں۔"

"خیر.... خیر اب خود کو اتنا زیادہ پُراسرار مت بناؤ۔" انور بیزاری سے بولا۔

"میں تم سے کبھی یہ نہ پوچھوں گا کہ تم کس والئی ریاست کی صاحبزادی ہو۔"

رشیدہ کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔ وہ کچھ کہنے ہی والی تھی کہ سنبھل گئی اور اس کے ہونٹوں
پر مسکراہٹ پھیلنے لگی۔

"تم اس طرح تاؤ دلا کر بھی مجھ سے کچھ نہیں معلوم کر سکتے۔" رشیدہ ہنس کر بولی۔

"تم جاوید کے بھتیجے کے متعلق بتا رہی تھیں۔" انور نے منہ سکوڑ کر کہا۔

"اس کا نام صابر ہے۔ پچھلے سال یورپ سے انجینئری کی اعلیٰ سند لے کر واپس آیا ہے۔"

"وہی صابر تو نہیں جس نے تجوریاں بنانے کا ایک کارخانہ یہاں قائم کیا ہے۔" انور چمک کر بولا۔

"ہاں.... وہی....!" رشیدہ نے کہا۔ "اس نے کئی عجیب و غریب قسم کی تجوریاں ایجاد کی
ہیں اور انہیں یہاں کے سرمایہ داروں کے ہاتھ فروخت بھی کیا ہے۔ ان میں سب سے زیادہ
حیرت انگیز تجوری وہ ہے جو اس نے اپنے چچا کرنل جاوید کو تحفتہً پیش کی ہے۔ اس کا ہینڈل گھماتے
وقت اس میں سے گیت سنائی دینے لگتے ہیں۔ حفاظت کے خیال سے کرنل جاوید غالباً اپنے جواہرات
اسی تجوری میں رکھتا ہے۔"

رشیدہ خاموش ہو گئی اور انور اٹھ کر ٹہلنے لگا۔ پھر اس نے اپنی نگاہیں دیوار میں لگے ہوئے
کلاک پر جما دیں۔ ایک بج چکا تھا۔ انور نے اِدھر اُدھر دیکھا اور کمرے سے نکل گیا۔ رشیدہ اسے
پکارتی رہی وہ چند لمحوں کے بعد نیچے گیرج سے موٹر سائیکل نکال رہا تھا۔

کرنل جاوید کی کوٹھی سرکلر روڈ پر واقع تھی۔ اس سڑک پر اس سے عظیم الشان کوٹھی کوئی
اور نہ تھی۔ یہاں کرنل جاوید اپنے ملازمین کے ساتھ تنہا رہتا تھا۔ شہر کی ممتاز شخصیتوں میں اس کا

شمار تھا۔ لیکن وہ اپنے طبقے میں پسندیدہ نظروں سے نہیں دیکھا جاتا تھا اور اس کی وجہ خود انہیں بھی نہیں معلوم تھی جو اسے ناپسند کرتے تھے۔ وہ بدمزاج بھی نہیں تھا۔ ظاہری اخلاق بھی کسی سے کم نہیں رکھتا تھا۔ لیکن پھر بھی کسی سوسائٹی میں اس کی موجودگی لوگوں کیلئے دردِسر بن جاتی تھی۔

اس وقت کوٹھی پر سکوت طاری تھا۔ بعض کمروں کی کھڑکیوں سے گہری سبز رنگ کی روشنی نظر آ رہی تھی۔ پھاٹک پر چوکیدار بیٹھا اونگھ رہا تھا۔ انور کی موٹر سائیکل جیسے اس کے قریب رکی وہ چونک کر کھڑا ہو گیا۔

"کیا کرنل صاحب گھر پر موجود ہیں۔" انور نے اس سے پوچھا۔

"آپ کون ہیں؟" چوکیدار نے تعجب سے پوچھا۔

"جو کچھ پوچھ رہا ہوں اس کا جواب دو۔"

"جی ہاں وہ غالباً سو گئے ہیں۔"

"انہیں جگا دو.....! میں ان سے ملنا چاہتا ہوں۔"

"آپ آخر ہیں کون....؟"

انور نے جیب سے اپنا ملاقاتی کارڈ نکال کر چوکیدار کو تھما دیا۔

"مگر.... مگر صاحب۔"

"کچھ نہیں....!" انور ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "وہ کارڈ دیکھتے ہی مجھے اندر بلا لیں گے۔"

چوکیدار پائیں باغ سے گزرتا ہوا برآمدے میں چلا گیا۔ شاید وہ برآمدے میں کسی نوکر کو جگا رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد برآمدے میں روشنی ہو گئی۔ انور بار بار بے چینی سے اپنی گھڑی دیکھ رہا تھا۔ پندرہ منٹ گزر گئے، پھر نشست کے کمرے میں بھی روشنی ہو گئی اور چوکیدار واپس آیا۔ اس نے انور کو اندر چلنے کو کہا۔ انور نے موٹر سائیکل وہیں پھاٹک پر چھوڑ دی اور خود برآمدے سے گزرتا ہوا نشست کے کمرے میں آ گیا۔ کمرہ شاندار طریقہ سے سجا ہوا تھا اس میں وہ سب لوازمات موجود تھے جو ایک جدید طرز کے ڈرائنگ روم کے لئے ضروری ہیں۔

چند لمحوں کے بعد ایک ادھیڑ عمر کا طویل القامت آدمی شب خوابی کے لبادے میں ملبوس کمرے میں داخل ہوا۔ چہرے پر روشنی کے آثار تھے۔ جنکے متعلق یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ وقتی ہیں یا مستقل، بہر حال انداز سے یہ ضرور ظاہر ہو رہا تھا کہ انور کی ناوقت آمد اسے ناگوار گزری ہے۔

"میں آپ کے متعلق بہت کچھ سن چکا ہوں۔" وہ ایک صوفے پر بیٹھتا ہوا بولا۔ "لیکن یہاں اس وقت آپ کی موجودگی باعث حیرت ہے۔"

"مجھے افسوس ہے کہ میں نے ناوقت آپ کو تکلیف دی۔"

"خیر.... خیر...." کرنل جاوید بے چینی سے پہلو بدل کر استفہامیہ انداز میں بولا۔

"میں شیلا رانی کے متعلق کچھ جاننا چاہتا تھا۔" انور بے ساختہ بولا۔

کرنل جاوید چونک کر اُسے گھورنے لگا۔ لیکن پھر اس نے اپنی اس کیفیت کو مصنوعی استعجاب اور غصے میں چھپانے کی کوشش شروع کر دی۔

"میں اس بکواس کا مطلب نہیں سمجھا۔" کرنل گرج کر بولا۔ "شاید تم نشے میں بہک کر اِدھر آئے ہو۔"

"میں شراب نہیں پیتا۔" انور منہ سکوڑ کر بولا۔ "اگر آپ شیلا رانی کے متعلق کچھ نہیں بتانا چاہتے تو شاہدہ ہی کے متعلق کچھ بتائیے۔"

کرنل اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ پہلے وہ خوفزدہ نظروں سے انور کو گھورتا رہا پھر دفعتاً اس کی آنکھوں سے نفرت جھانکنے لگی۔

"ہاں اب تو تم مجھے بلیک میل کرنے آئے ہو۔" وہ گرج کر بولا۔ "خیر میرے پاس کتوں کا منہ بند کرنے کے لئے کافی دولت ہے۔ بولو اسے راز رکھنے کے لئے کتنی قیمت طلب کرتے ہو۔"

"اب آپ نشے میں معلوم ہوتے ہیں۔" انور مسکرا کر بولا۔ "میں سوائے پولیس والوں کے اور کسی کو بلیک میل نہیں کرتا۔"

"پھر تم اس وقت یہاں کیوں آئے ہو۔"

"ایک خبر سنانے۔"

کرنل اُسے گھورنے لگا۔

"کسی نے شیلا رانی کو سٹیج پر قتل کر دیا۔"

"ارے....!" کرنل بے اختیار چونک پڑا۔ اس کے تیکھے خدوخال پر آہستہ آہستہ افسردگی پھیلتی جا رہی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اسے سکتہ ہو گیا ہو۔ وہ آہستہ سے ایک صوفے پر بیٹھ کر خلاء میں تاکنے لگا۔

"اور میں یہ بتانے آیا تھا کہ اگر پولیس کو یہ اطلاع ہو گئی تو آپ بہت پریشان کئے جائیں گے۔"

"پولیس....!" کرنل چونک کر انور کی طرف دیکھنے لگا۔ تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد پھر بولا۔ "میں پولیس کو اس کی اطلاع دے دوں گا۔"

"آپ کے بھتیجے صابر صاحب کہاں مل سکیں گے۔" انور نے پوچھا۔

"صابر! کیوں؟ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ اس قتل میں صابر کا ہاتھ ہے۔"

"یہ سب تو پولیس سمجھے گی۔" انور نے کہا۔ "ویسے شبہ تو ان پر بھی کیا جاسکتا ہے۔"

"شبہے کی وجہ.....!"

"شاہدہ کے بعد وہی آپ کی جائیداد کے مالک ہو سکتے ہیں۔"

"بکواس ہے، صابر ایک مہینہ سے شہر میں نہیں ہے۔"

"اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔" انور نے کہا۔ "سازش یہاں سے ہزاروں میل کی دوری سے کی جاسکتی ہے۔"

"خاموش رہو۔" کرنل اٹھتا ہوا بولا۔ "کیا تم یہ چاہتے ہو کہ میں دنیا میں بالکل تنہا رہ جاؤں۔"

انور نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ خاموشی سے کرنل کی بدلتی ہوئی حالتوں کا جائزہ لے رہا تھا۔

"تم مجھے قطعی خوفزدہ نہیں کر سکتے۔" کرنل گرج کر بولا۔ "میں شاہدہ کے اس انجام سے مغموم نہیں ہوں، جو کچھ بھی ہوا بہت اچھا ہوا۔ میں ابھی پولیس کو فون کرتا ہوں۔"

"کرنل صاحب آپ کو غلط فہمی ہے۔" انور مسکرا کر بولا۔ "میرا ہرگز یہ مقصد نہیں تھا۔"

"ہوگا.... ہوگا.....!" کرنل بیزاری سے بولا۔

"ایک تکلیف اور دوں گا۔" انور نے جیب سے ایک تصویر نکالتے ہوئے کہا۔ "کیا آپ نے کبھی اس شخص کو دیکھا ہے۔"

کرنل تصویر دیکھنے لگا۔ دفعتاً اس کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو گیا۔

"آخر تمہارا مطلب کیا ہے۔" وہ گرج کر بولا۔

"آخر اس میں ناراض ہونے کی کیا بات ہے۔" انور نرمی سے بولا۔

"یہ میرا جوانی کا فوٹو ہے۔ جب میں ڈاڑھی رکھے ہوئے تھا۔" کرنل اسے گھورتا ہوا بولا۔

"یہ اسی پراسرار آدمی کی تصویر تھی، جو خود کو داراب کے گروہ کا ایک فرد ظاہر کرتا تھا۔ یہ اس کی تصویر تھی جس کی لاش جلی ہوئی کار میں ملی تھی اور یہی پلازا تھیٹر میں ڈائریکٹر کی حیثیت سے داخل ہوا تھا۔"

حیرت انگیز تجوری

کرنل جاوید کے بے حد اصرار پر بھی انور نے اُسے یہ نہ بتایا کہ وہ تصویر اسے کہاں سے ملی تھی۔ کرنل جاوید کا غصہ بڑھتا ہی جارہا تھا۔ قریب تھا کہ وہ انور کو دھکے مار کر اپنی کوٹھی سے نکال دے۔ انور خود ہی وہاں سے چلا آیا۔ راستہ بھر اس کا ذہن تصویر والے معاملے میں الجھا رہا۔ اب وہ آدمی حد درجہ پُراسرار بنتا جارہا تھا اور انور صحیح معنوں میں داراب کی حیرت انگیز شخصیت کا قائل ہوتا جارہا تھا۔ لیکن اس نے ہمت نہیں ہاری۔ اس کے لئے اس سے زیادہ تحقیر آمیز بات کوئی اور ہو ہی نہیں سکتی تھی کہ وہ اب پیچھے ہٹ جاتا۔

گھر پہنچ کر اس نے کپڑے اتارے اور سو گیا۔ اس کا سونا بھی عجیب تھا۔ گہرے تفکر کے عالم میں اُسے ہمیشہ گہری نیند آتی تھی۔ خیالات کا تسلسل اسے سونے سے باز نہیں رکھ سکتا تھا۔ بہر حال اس نے اپنی پوری زندگی ایک مشینی نظام میں ڈھال کر رکھ دی تھی۔

دوسرے دن صبح اسے رشیدہ نے جگایا۔ انسپکٹر آصف باہر کے کمرے میں اس کا انتظار کر رہا تھا۔ انور نے اٹھ کر کپڑے تبدیل کئے اور نشست کے کمرے میں آیا۔ اس کے ہونٹوں پر وہی زہریلی مسکراہٹ پھیل رہی تھی جسے دیکھ کر آصف خواہ مخواہ اپنی توہین محسوس کرنے لگتا تھا۔

"تم کل رات کرنل جاوید کے یہاں گئے تھے۔" آصف نے بے ساختہ پوچھا۔

"میں کل رات کے سارے واقعات یکسر بھول گیا ہوں۔" انور بیٹھتا ہوا بولا۔ "مجھے سوچنے کی مہلت دو۔"

"کرنل جاوید غائب ہو گیا۔" آصف نے کہا۔

"تم یقین کرو کہ وہ میری جیبوں میں نہیں ہے۔" انور سنجیدگی سے بولا۔

"تو تم اس کے یہاں گئے تھے۔" آصف نے کہا۔

"ہاں....!"

"کیوں....!"

"یہ پوچھنے کے لئے کہ آئندہ ریس میں اس کا کون سا گھوڑا دوڑے گا۔"

"پھر تم نے بکواس شروع کی۔"

"دیکھو مسٹر آصف میں بدتمیزی نہیں پسند کرتا۔" انور منہ سکوڑ کر بولا۔

آصف اسے گھورنے لگا لیکن پھر فوراً ہی اس کے رویے میں تبدیلی واقع ہوگئی۔ اس نے میز پر رکھے ہوئے انور کے سگریٹ کیس سے ایک سگریٹ نکال کر ہونٹوں میں دبالیا۔ دو تین کش لینے کے بعد وہ نیم باز آنکھوں سے انور کی طرف دیکھنے لگا۔

"انور تم جانتے ہو کہ میں تمہیں کیا کہنا چاہتا ہوں۔" آصف بولا۔

"کیوں رشو کیا خیال ہے۔" انور نے رشیدہ کی طرف مڑ کر کہا۔ "میں بھی آصف سے محبت شروع کردوں۔"

"محبت کا جواب محبت ہی سے دینا چاہئے۔" رشیدہ مسکرا کر بولی۔

"اچھا تو سنو میری جان بوڑھے آصف....!" انور آصف کو آنکھ مار کر بولا۔ "میں اسی وقت تم پر ہزار جان سے عاشق ہوگیا ہوں۔ پوچھ۔ کیا پوچھتے ہو؟"

"اب تم دونوں مل کر میرا مضحکہ اڑانا چاہتے ہو۔" آصف بگڑ کر بولا۔

"ارے نہیں نہیں۔" رشیدہ جلدی سے بولی۔ "میں تو آپ کو ہمیشہ چچا سمجھتی ہوں۔"

"میں بھی رشیدہ کا چچا سمجھتا ہوں۔" انور نے سنجیدگی سے کہا۔

"خیر خیر کبھی تم لوگ بھی بوڑھے ہوگے۔"

"تم نے آنے کا مقصد بیان نہیں کیا۔" انور احتجاجاً ہاتھ اٹھا کر بولا۔

"کرنل جاوید کہاں غائب ہوگیا۔"

"عجیب آدمی ہو۔ بھلا میں کیا جانوں۔"

"تم اس سے ملے تھے۔" آصف نے کہا۔

"تو مجھے اس سے کب انکار ہے۔"

"اس نے تقریباً تین بجے رات کو پولیس کو اطلاع دی کہ شیلا رانی اس کی لڑکی تھی اور اس نے یہ بھی بتایا کہ شیلا کے قتل کی خبر تم نے اسے دی تھی اور پھر جب پولیس وہاں پہنچی تو وہ وہاں موجود نہیں تھا۔ نوکروں نے بتایا کہ ڈیڑھ بجے ایک آدمی موٹر سائیکل پر آیا تھا۔ غالباً وہ تم تھے۔ تمہاری واپسی کے بعد کچھ پولیس والے وہاں پہنچے اور کرنل جاوید کو اپنے ساتھ لے گئے۔"

"تو پھر میں اس مسئلے میں کیا روشنی ڈال سکتا ہوں۔" انور نے کہا۔

"تم نہیں سمجھے۔" آصف دوسرا سگریٹ سلگاتا ہوا بولا۔ "پولیس والے اسے نہیں لائے۔"

"یقیناً تم اس وقت نشے میں ہو۔" انور بولا۔

"کہنے کا مطلب یہ ہے کہ پولیس کے بھیس میں کچھ نامعلوم آدمی اسے لے گئے۔"

"اوہ....!" انور کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "ظاہر ہے کہ ان آدمیوں سے میرا کوئی تعلق نہیں۔"

"میں یہ نہیں کہتا۔"

"پھر....!"

"تم جب کرنل کے راز سے واقف تھے تو تم نے مجھے پہلے کیوں نہ بتایا۔"

"اول تو میں اس راز سے تمہارے جانے کے بعد واقف ہوا اور اگر فرض کرو کہ پہلے سے واقف بھی ہوتا تو یہ ضروری نہیں تھا کہ تمہیں اس سے مطلع کردیتا۔"

"تمہیں اس کا علم کس طرح ہوا۔" آصف نے پوچھا۔

"جس طرح عموماً ہوا کرتا ہے۔"

"آخر کس طرح۔"

"سر کے بل کھڑا ہوگیا تھا۔ اسی حالت میں مراقبہ کیا۔ منتیں مانیں پھر الہام ہونے لگا۔ اس کے بعد تین بار مرغ کی بولی بول کر سیدھا کھڑا ہوگیا واللہ اعلم بالثواب....!"

"تو تم نہیں بتانا چاہتے.... خیر....!" آصف نے کہا۔ "اب تک جتنی بھی وارداتیں ہوئی ہیں ان سب سے تمہارا کوئی نہ کوئی تعلق ضرور ہوتا ہے۔"

"اور آئندہ بھی جو وارداتیں ہونے والی ہیں ان میں بھی تم یہی محسوس کروگے۔"

"یعنی....!"

"داراب سے باقاعدہ چھڑ گئی ہے۔"

"پھر تم داراب کو گھسیٹ لائے۔"

"خیر دیکھنا....!" انور نے کہا اور سگریٹ کے گہرے کش لینے لگا۔

"کرنل جاوید کی کوٹھی میں پولیس تعینات ہے۔" آصف نے کہا۔ "میں اس وقت وہیں جارہا ہوں۔"

"تلاشی لینے پر کام کی بات معلوم ہوئی۔" انور نے پوچھا۔

"نہیں میں اُن سے کہہ آیا ہوں کیا تم وہاں چل سکوگے۔"

"ہاں.... ہاں کیوں نہیں۔ بھلا میں تمہارے کام نہ آؤں گا تو پھر کون آئے گا۔" انور اٹھتا ہوا بولا۔ پھر وہ رشیدہ کی طرف مخاطب ہوا۔

"اگر مجھے دیر ہو جائے تو تم آفس چلی جانا۔ میں سیدھا وہیں آؤں گا۔"

انور اور آصف کرنل جاوید کی کوٹھی کی طرف روانہ ہو گئے۔

"ایک بات سمجھ میں نہیں آتی۔" آصف بولا۔

"ایک کیا کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی۔" انور نے کہا۔

"پھر تم نے مجھے غصہ دلانا شروع کیا۔" آصف بگڑ کر بولا۔

"بگڑو مت پیارے، میں جھوٹ نہیں کہتا اگر تم چاہتے تو اب تک جاوید کو ڈھونڈ نکالتے۔"

"وہ کس طرح....!"

"یہ بتاؤ کہ شیلا رانی کے قتل کا کیا مقصد ہو سکتا ہے۔" انور نے پوچھا۔

"کئی مقصد ہو سکتے ہیں۔" آصف نے کہا۔ ہو سکتا ہے کہ یہ کسی کی رقابت کا نتیجہ ہو۔ ہو سکتا ہے کہ خود کرنل جاوید ہی نے اسے قتل کرا دیا ہو! یہ بھی ممکن ہے کہ وہ کسی کے پیشہ وارانہ حسد کا شکار ہوئی ہو۔"

انور مسکرانے لگا۔

"تم نے اس کے علاوہ کسی دوسرے امکان پر غور نہیں کیا۔" انور نے کہا۔

"یعنی....!"

"کرنل جاوید کی دولت کا دوسرا حق دار....!"

"اوہ.... لیکن اس کے متعلق ایسا سوچا بھی نہیں جا سکتا۔"

"کیوں؟"

"تمہاری مراد صابر ہی سے ہے نا....!"

"قطعی....!"

"لیکن وہ کافی باعزت آدمی ہے اور خود بھی کافی دولت مند ہے۔ میں اس سے ایک بار مل چکا ہوں۔"

"آج کل وہ کہاں ہے۔" انور نے پوچھا۔

"کہیں باہر گیا ہوا ہے۔"

"اس کا تجوریوں کا کارخانہ دیکھا ہے۔"

"ہاں....!"

انور خاموش ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ کرنل جاوید کی کوٹھی میں پہنچ گئے۔ پھاٹک پر

سپاہیوں کا پہرہ تھا۔ جن سے ایک خوش پوش نوجوان کھڑا الجھ رہا تھا۔ آصف کو دیکھ کر دونوں سپاہی خاموش ہو گئے اور نوجوان ان کی طرف مڑا۔

"اوہ صابر صاحب....!" آصف اس کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

"آخر یہ معاملہ کیا ہے۔" صابر آصف سے ہاتھ ملاتا ہوا بولا۔ "میں کل رات کو باہر سے واپس آیا ہوں۔ کرنل صاحب کہاں ہیں۔"

"یہ ایک افسوس ناک واقعہ ہے۔ صابر صاحب۔" آصف غم زدہ آواز میں بولا۔ اور انور نے نفرت سے ہونٹ سکوڑ لئے۔ وہ صابر کو تیز نظروں سے گھور رہا تھا۔ آصف صابر کو واقعات بتانے لگا۔ بار بار صابر کا منہ حیرت سے کھل جاتا تھا۔ خصوصاً شیلا رانی والے واقعہ پر تو وہ ہمہ تن استعجاب بن گیا تھا۔

"یہ میرے لئے ایک بالکل نئی اطلاع ہے۔" صابر بے چینی سے ہاتھ ملتا ہوا بولا۔ "آخر کرنل صاحب کہاں غائب ہو گئے۔"

"عام طور پر لوگوں کا خیال ہے کہ شیلا رانی کے قتل میں انہیں کا ہاتھ ہے۔ اسی لئے وہ روپوش ہو گئے ہیں۔" آصف نے کہا۔

"ناممکن قطعی ناممکن، میں اس پر یقین نہیں کر سکتا۔ اگر یہی بات تھی تو انہوں نے خود ہی شیلا رانی کے راز سے پردہ کیوں اٹھایا۔ آخر اس میں بھی ان کی کوئی چال تھی۔ تب بھی روپوش نہیں ہو سکتے تھے۔ اگر یہ بات ہوتی تو وہ پولیس کو اپنی ذات سے مطمئن کرنے کی کوشش کرتے۔"

"لیکن انہوں نے یہ راز ظاہر ہو جانے کے بعد پولیس کو قتل کی اطلاع دی تھی۔" آصف نے کہا۔

"تو پھر انہیں پولیس کو خود اطلاع دیئے بغیر غائب ہو جانا چاہئے تھا۔" صابر نے کہا۔ پھر تھوڑی دیر چپ رہنے کے بعد بولا۔ "یہ کوئی بہت بڑی سازش معلوم ہوتی ہے۔ آپ وثوق کے ساتھ تو کہہ نہیں سکتے کہ پولیس کو فون پر اس کی اطلاع دینے والے کرنل صاحب ہی تھے کوئی اور بھی ایسی حرکت کر سکتا ہے۔ شیلا رانی کے متعلق پولیس کے پاس کیا ثبوت ہے کہ وہ کرنل صاحب کی لڑکی تھی، محض سنی سنائی باتوں پر یقین کر لینا دانش مندی نہیں ہے کیا آپ نے اچھی طرح اطمینان کر لیا ہے کرنل صاحب کل رات یہاں کوٹھی پر موجود تھے۔ ایک یہی اس کے گواہ ہیں۔" آصف انور کی طرف اشارہ کر کے بولا۔ "یہ کل رات کو کرنل صاحب سے ملے تھے جس کی شہادت کوٹھی کے ملازموں نے بھی دی ہے۔ اس کے جانے کے بعد کچھ نامعلوم اشخاص

پولیس کے بھیس میں کرنل صاحب کو کسی نامعلوم جگہ پر لے گئے۔"

"آپ کی تعریف....!" صابر نے انور کی طرف دیکھ کر کہا۔ جو قطعی بے تعلقی کے ساتھ سگریٹ کا دھواں فضا میں منتشر کر رہا تھا۔

"روزنامہ اسٹار کے کرائم رپورٹر مسٹر انور سعید۔" آصف بولا۔

"ہوں...!" صابر نے معنی خیز انداز میں سر ہلا کر کہا۔ "بھلا آپ ان سے کیوں ملنے آئے تھے۔"

"اپنی نئی غزل سنانے کے لئے۔" انور انتہائی خوش اخلاقی سے بولا۔ "اس شہر میں بہت کم ایسے لوگ ملتے ہیں جو میری شاعری کی قدر کر سکیں۔ موصوف مجھے بے حد چاہتے تھے۔"

آصف کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ انور نے اسے گھور کر دیکھا۔

"بہر حال صابر صاحب، بہت اچھا ہوا کہ آپ تشریف لے آئے۔ آپ کی موجودگی میں اطمینان سے تحقیقات کر سکوں گا۔" آصف بولا۔

وہ تینوں کوٹھی میں آئے۔

"میں دراصل اس قسم کا کوئی ثبوت مہیا کرنا چاہتا ہوں کہ شیلا رانی کرنل صاحب کی لڑکی تھی۔" آصف بولا۔

"ضرور مہیا کیجئے۔" صابر نے کہا۔ "لیکن مجھے اس کہانی پر یقین نہیں آتا۔"

"کسی کو نہیں آسکتا۔" انور سنجیدگی سے بولا۔ "انتہائی بے سروپا بات ہے۔"

آصف پھر حیرت زدہ انداز میں انور کی طرف دیکھنے لگا۔

"شیلا رانی کے متعلق آپ کی اپنی تحقیقات کا نتیجہ کیا نکلا۔" آصف سے صابر نے پوچھا۔

"ابھی تک تو کچھ نہیں۔" آصف نے کہا۔ "میں کرنل صاحب کے کاغذات دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"ہاں ہاں.... ضرور.... ضرور....!" صابر نے کہا۔

آصف اور انور متعدد کمروں میں چیزوں اور کاغذات کا جائزہ لیتے رہے تھے۔ صابر بھی ان کے ساتھ تھا۔ ایک کمرے میں پہنچ کر دفعتاً صابر اچھلا اور اس کے منہ سے استعجاب زدہ آوازیں نکلنے لگیں۔

انور اور آصف اس کی طرف مڑے، صابر کی تحیر آمیز نظریں سامنے رکھی ہوئی ایک قد آدم تجوری پر جمی ہوئی تھیں۔

"ڈاکہ.... صریحی ڈاکہ....!" صابر آہستہ سے بڑبڑایا۔

"کیا مطلب....!" آصف چونک کر بولا۔

"آپ اس تجوری کی طرف دیکھ رہے ہیں۔" صابر نے کہا۔

آصف نے سر ہلا دیا۔

"یہ تجوری میں نے خاص طور سے اپنی نگرانی میں تیار کرائی تھی۔" صابر نے کہا۔

"وہ تو سب کچھ ہے۔" آصف اکتا کر بولا۔ "ابھی آپ ڈاکے کا تذکرہ کر رہے تھے۔"

"اس تجوری کو کسی نے غلط طریقے سے کھولا ہے۔" صابر نے کہا۔ "کرنل صاحب ایسا نہیں کر سکتے تھے۔"

"مگر تجوری تو بند ہے۔" آصف نے کہا۔

"یہ دیکھئے ادھر آیئے یہاں آپ ایک ابھری ہوئی سرخ لکیر دیکھ رہے ہیں نا، یہی اس بات کی دلیل ہے کہ اس تجوری کو کسی ایسے آدمی نے کھولنے کی کوشش کی ہے جو اس کے صحیح استعمال سے واقف نہیں تھا اور ادھر یہ تیر کا نشان یہ ظاہر کر رہا ہے کہ اس وقت بھی اس کا تالا بند نہیں ہے اور اس کا تالا کسی اوزار کی مدد سے توڑا گیا ہے۔ کنجی سے نہیں کھولا گیا۔ تجوری کا ہینڈل دیکھئے یہ ڈھکنے کے کنارے سے پینتالیس درجے کے زاویے پر ہے۔ یہ بھی اس بات کا ثبوت ہے کہ تالا بند نہیں ہے، ورنہ یہ نوے درجے کے زاویئے پر ہوتا۔"

"اگر فرض کیجئے کہ اس میں سے کوئی چیز چرائی گئی ہے تو اس کا علم کس طرح ہوگا۔" آصف نے کہا۔ "کیا آپ کو معلوم ہے کہ اس میں کون کون سی چیزیں رکھی جاتی تھیں۔"

"نہیں میں تو نہیں جانتا۔"

"یہ ایک اور دشواری ہوئی۔" آصف متفکرانہ انداز میں بولا۔

اس کے بعد مکمل سکوت چھا گیا۔ ہر شخص اپنی جگہ پر کچھ نہ کچھ سوچ رہا تھا۔

دفعتاً تجوری کے اندر سے گھر گھراہٹ کی آواز سنائی دی اور صابر چونک پڑا۔

گھر گھراہٹ کی آواز ایک منٹ تک جاری رہی۔ پھر ایک قہقہہ سنائی دیا۔ تجوری کے اندر سے کوئی کہہ رہا تھا۔ "کیوں؟ انور دیکھ لیا تم نے داراب کے راستے میں آنا ہنسی کھیل نہیں ہے۔ میں پھر تمہیں مشورہ دیتا ہوں کہ پولیس کو بھٹکنے دو، تم ان معاملات میں دخل نہ دو اور آپ انجینئر صاحب، آپ خود کو بہت بڑا انجینئر سمجھتے ہیں۔ اب اس وقت اس طرح منہ کھولے کیوں کھڑے ہیں بتایئے نا میں کہاں سے بول رہا ہوں۔"

اور پھر ایک قہقہہ سنائی دیا اور آواز آنی بند ہو گئی۔

صابر کے منہ پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ انور نے اس طرح ہونٹ بنا رکھے تھے جیسے سیٹی

بجانے کا ارادہ کر رہا ہو۔ آصف۔ کبھی صابر کیطرف دیکھتا تھا اور کبھی انور کیطرف۔ "خدا کی قسم یہ بالکل نئی چیز ہے۔" صابر تجوری کی طرف جھپٹتا ہوا بولا۔ دوسرے لمحہ میں تجوری کا ہینڈل اسکے ہاتھ میں تھا۔ ہاتھ کو جنبش ہوئی اور تجوری کا پٹ کھل گیا اور ساتھ ہی تجوری سے ایک گیت بلند ہوا کوئی عورت ستار اور طبلہ پر گا رہی تھی۔ صابر تجوری کے پاس سے ہٹ گیا۔ گیت جلد ہی ختم ہو گیا۔

"دیکھ رہے ہیں آپ تجوری بالکل خالی ہے۔" صابر نے آصف سے کہا۔

"قطعی دیکھ رہا ہوں۔" آصف نے کہا۔ "مگر یہ آوازیں۔"

"ابھی آپ نے جو گیت سنا وہ میری ہی کاری گری ہے۔ مگر پہلی آواز کا میں ذمہ دار نہیں۔ قریب آئیے یہ دیکھئے۔ اس ہینڈل کا تعلق اندر لگے ہوئے ایک گراموفون سے ہے جیسے ہی ہینڈل گھمایا جاتا ہے یہ چھوٹا سا ریکارڈ بجنے لگتا ہے۔ یہ میں نے اس لئے بنایا تھا کہ اگر کوئی چور رات کو کھولنے کی کوشش کرے تو گیت کی آواز سے گھر والے جاگ پڑیں.... لیکن وہ پہلی آواز...."

صابر اچھل کر پیچھے ہٹ گیا۔

انور کے چہرے پر ایک پُر اسرار مسکراہٹ پھیل رہی تھی۔ وہ ان سب باتوں کو اتنی لاپرواہی سے سن رہا تھا جیسے کوئی ہوش مند آدمی کسی بچے سے اس کے کھلونے کی آواز سنتا ہے۔ لیکن وہ قطعی خاموش تھا۔

"آصف صاحب....!" صابر مڑ کر بولا۔ "شاید میرا دماغ خراب ہو جائے گا۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کیا سمجھوں۔"

آصف سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"اس تجوری میں ایک چھوٹا سا ٹرانسمیٹر رکھا ہوا ہے۔" صابر نے کہا۔ "جس کا میری ذات سے کوئی تعلق نہیں اور وہ پہلی آوازیں شاید اسی ٹرانسمیٹر سے آئی تھیں.... تجوری کھولنے والے نے شاید یہ ٹرانسمیٹر یہاں رکھا ہے۔"

"یہ آپ کس طرح کہہ سکتے ہیں۔" انور نے کہا۔ "ممکن ہے کہ کرنل صاحب ہی نے رکھا ہو۔"

"یہ بھی ہو سکتا ہے۔" صابر بے چینی سے بولا۔ "لیکن تجوری خالی کیوں ہے۔"

"تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ آپ یہ جانتے ہیں کہ اس تجوری میں کیا رکھا جاتا تھا۔" انور نے کہا۔

"میں وثوق کے ساتھ نہیں کہہ سکتا۔" صابر بولا۔ "لیکن جہاں تک میرا خیال ہے وہ اس میں اپنے جواہرات رکھتے تھے۔"

"جواہرات!" آصف چونک کر بولا۔

"جی ہاں! یہ بات تو کافی مشہور ہے کہ کرنل صاحب کے پاس بعض بیش قیمت جواہرات ہیں۔" صابر نے کہا۔

"خود آپ نے کبھی نہیں دیکھا۔"

"نہیں نہ میں نے کبھی دیکھنے کی خواہش ظاہر کی اور نہ کرنل صاحب نے دکھائے۔"

"قدرتی بات ہے۔ آصف صاحب۔" انور مسکرا کر بولا۔ "ظاہر ہے کہ وہ کرنل صاحب کے بعد صابر صاحب کی ہی ملکیت ہوتے۔ اسلئے صابر صاحب کی سیر چشمی کوئی حیرت انگیز بات نہیں۔"

صابر انور کو گھورنے لگا۔

"تو جناب آصف صاحب یہ معاملہ بالکل صاف ہو گیا کہ ان وارداتوں میں داراب کا ہاتھ ہے۔" انور نے کہا۔ "اب دیکھنا یہ ہے کہ داراب اور کرنل صاحب میں کیا تعلق ہے۔"

"تب تو پولیس کی جدوجہد بالکل بیکار ہے۔ پولیس نے اس کا کیا بنا بگاڑ لیا ہے۔"

"ایسا نہ کہئے صابر صاحب۔" آصف نے کہا۔ "کوئی مجرم ہمیشہ آزاد نہیں رہ سکتا۔"

"ایک نہ ایک دن خداوند تعالیٰ اسے پکڑ کر پولیس کے حوالے کر ہی دیتا ہے۔" انور سنجیدگی سے بولا اور صابر بے اختیار ہنس پڑا۔ آصف نے منہ سکوڑ لیا لیکن وہ کچھ بولا نہیں۔

"اس ٹرانسمیٹر پر مجرم کی انگلیوں کے نشانات ضرور ہوں گے۔" آصف نے کہا۔

سگریٹ کیس

"ضرور ہوں گے۔" انور نے کہا۔ "اچھا اب میں چلا۔"

"کیوں....!"

"ابھی تک کوئی ایسی سنسنی خیز بات نہیں معلوم ہوئی، جو مجھے دلچسپی لینے پر مجبور کر سکے۔"

"یہ ٹرانسمیٹر۔" آصف نے کہا۔

"ہاں ہاں.... ٹرانسمیٹر میں بھی دیکھ رہا ہوں۔ یہ کوئی ایسی بات نہیں، اس سے داراب کو پکڑنے میں کوئی مدد نہیں مل سکتی۔ وہ نہ جانے کہاں سے بولا ہو گا زیادہ سے زیادہ تم اس کے ذریعہ وہ سمت معلوم کر لو گے جدھر سے آواز آئی ہے۔ اس کے علاوہ اور کیا ہو سکتا ہے۔ اچھا اب میں آفس جاؤں گا۔"

انور انہیں وہیں چھوڑ کر آفس کی طرف روانہ ہو گیا۔ راستے میں اسے خیال آیا کہ اس نے ابھی تک ناشتہ نہیں کیا۔ اس نے ایک ریستوران کے سامنے موٹر روک دی۔

چائے کی چسکی لیتے وقت اس نے سگریٹ کے لئے جیب میں ہاتھ ڈالا پھر دوسرے جیب میں۔ پتلون کی جیبیں بھی دیکھیں، لیکن سگریٹ کیس نہ ملا۔ انور نے مسکرا کر ایک طویل سانس لیا اور کسی نئے حادثے کے لئے تیار ہو گیا۔ اس کی ڈائری ایک بار مصیبت کا باعث بن چکی تھی۔ وہ سوچنے لگا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ سگریٹ کیس کس حادثے کی اطلاع ہے۔ لیکن اسے کوئی پریشانی نہ تھی۔ وہ زندگی کو ایک جوئے سے زیادہ وقعت نہ دیتا تھا۔ ہار یا جیت اس کے علاوہ کوئی اور تیسری چیز نہیں ہو سکتی۔ زندگی کی اس عظیم جدوجہد میں اگر ایک بار وہ پس بھی گیا تو اس سے کیا فرق پڑے گا۔ دنیا بدستور اپنے راستے پر چلتی رہے گی۔ اس کے بعد کوئی دوسری گوشت پوست کی مشین اس کی جگہ لے لے گی۔ پھر پریشانی کس بات کی۔

اس نے ویٹر کو آواز دے کر سگریٹ منگائیں اور ایک سلگا کر کرسی کی پشت سے ٹک گیا۔ ریستوران میں کافی بھیڑ تھی۔ شاید ہی کوئی میز خالی رہی ہو۔

"اوہ تو تم یہاں ہو! کسی نے پیچھے سے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ آواز نسوانی تھی۔ انور نے پیچھے مڑے بغیر کنکھیوں سے اس کے ہاتھ کی طرف دیکھا جو اس کے کاندھے پر رکھا ہوا تھا۔ ایک نرم و نازک خوبصورت ہاتھ، انگلیاں خوبصورت اور سبک سی انگوٹھیوں سے مزین تھیں اور پھر ایک نوجوان عورت اس کے برابر کی کرسی پر بیٹھ گئی۔ انور اس کی طرف مڑا اور وہ گھبرا کر کھڑی ہو گئی۔

"اوہ معاف کیجئے گا مجھے غلط فہمی ہوئی۔" وہ ندامت آمیز انداز میں بولی۔

"کوئی بات نہیں ہے تشریف رکھئے۔" انور انتہائی خوش اخلاقی اور شرافت سے بولا۔ ویسے بھی اس وقت کوئی میز خالی نہیں ہے، مجھے آپ سے مل کر مسرت ہو گی۔"

اور اس کی خوش اخلاقی کی ایک وجہ اور بھی تھی۔ اس نے ابھی ابھی اپنے کوٹ کے نچلے جیب میں ایک وزن سا محسوس کیا تھا اور اب بھی محسوس کر رہا تھا۔ بظاہر وہ اس کی طرف سے لاپروائی برت رہا ہو، وہ فوراً ہی یہ نہیں ظاہر کرنا چاہتا تھا کہ اس کا سگریٹ کیس ابھی ابھی حیرت انگیز طریقے پر اس کی جیب میں واپس آگیا ہے۔

انور نے اپنے چہرے پر اور زیادہ شرافت کے آثار پیدا کئے اور وہ کسی دیوتا کی طرح معصوم نظر آنے لگا۔

عورت بیٹھ گئی۔

"میں کیا بتاؤں کہ آپ میرے دوست سے کتنی مشابہت رکھتے ہیں۔" عورت مسکرا کر بولی۔

"اللہ پاک بڑی شان اور قدرت والا ہے۔" انور ٹھیٹ مولویانہ انداز میں بولا۔

"آپ چائے پئیں گی یا کافی۔"

"اوہ شکریہ۔ اس کی زحمت نہ کیجئے۔" عورت نے کہا۔ "میں خود منگوا لوں گی۔"

"آپ میرا دل توڑ رہی ہیں۔ فرض کیجئے میں آپ سے دوستی پیدا کرنا چاہتا ہوں تو....!" انور مسکرا کر بولا۔ "اس کے بعد آپ یقیناً مجھے اپنے گھر پر بلا کر چائے پلائیں گی۔ اس کے بعد میں آپ کو مدعو کروں گا۔ اسی طرح زندگی بھر ہم دونوں ایک دوسرے کو دعوتیں دیتے رہیں گے اور پھر زندگی میں سوائے کھانے پینے کے اور رکھا ہی کیا ہے۔ آپ مجھے پیٹو سمجھیں گی لیکن ایسا نہیں میں صرف چٹورا ہوں۔ پیٹو اور چٹورے میں بڑا فرق ہے۔ پیٹو ہر چیز پیٹ بھر کر کھانے کی کوشش کرتا ہے۔ لیکن چٹورا دنیا کی ساری چیزیں ذرا ذرا سی چاٹ کر چھوڑ دینا چاہتا ہے۔ چاٹ پر مجھے بارہ مصالحے کی چاٹ یاد آگئی۔ مگر شاید یہاں اس ریستوران میں نہ ملے۔ میری باتوں کا بُرا مت مانئے گا۔ میں ذرا کچھ بے وقوف سا آدمی ہوں۔ ویسے دل کا بُرا نہیں۔"

عورت ہنسنے لگی۔

"آپ واقعی دلچسپ معلوم ہوتے ہیں.... ایک اچھے دوست ثابت ہوں گے۔" عورت نے اپنا ہینڈ بیگ میز کے نیچے رکھ کر آرام سے بیٹھتے ہوئے کہا۔

انور نے بیرے کو آواز دے کر چائے اور پیسٹریوں کا آرڈر دیا۔ پھر عورت کی طرف جھک کر رازدارانہ لہجہ میں کہنے لگا۔

"اس ریستوران کے سارے ویٹر مجھے بیوقوف سمجھتے ہیں۔ اچھا آپ ہی ایمانداری سے بتائیے کہ میں صورت سے بھی بیوقوف معلوم ہوتا ہوں۔"

"قطعی نہیں....!" عورت شرارت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔

"سچ مچ ہم اچھے دوست ثابت ہو سکتے ہیں۔" انور اور بھی رازدارانہ انداز میں بولا۔ "میرا خیال ہے کہ میں کافی خوبصورت آدمی ہوں۔ لیکن لوگوں نے بیوقوف مشہور کر دیا۔ جس کا انجام یہ ہوا کہ کوئی لڑکی مجھ سے شادی کرنے پر رضامند نہیں ہوتی۔ خیر میں نے بھی تہیہ کر لیا کہ تمام عمر شادی نہ کروں گا۔ ویسے بہتیری لڑکیاں میری دوست ہیں۔ لوگ کہتے ہیں کہ بے وقوف کے دونوں گال خود بخود پھڑکتے رہتے ہیں۔ ذرا دیکھئے کیا اس وقت میرا بایاں گال پھڑک رہا ہے یا نہیں،

ذرا اور قریب سے دیکھئے۔"

عورت جھک کر دیکھنے لگی۔ سچ مچ انور کا بایاں گال خود بخود پھڑک رہا تھا۔ عورت ہنسنے لگی۔

"یہ دیکھئے.... یہ دیکھئے.... داہنا بھی پھڑکنے لگا۔"

عورت پھر جھک کر دیکھنے لگی۔ اس دوران میں انور نے جیب سے سگریٹ کیس نکالا اور اسے میز کے نیچے رکھے ہوئے ہینڈ بیگ میں ڈال دیا۔ عورت کو خبر تک نہ ہوئی۔ وہ بدستور انور کے گالوں کی پھڑکن دیکھ دیکھ کر ہنستی رہی۔

"ہاں تو یہ ہے میری دکھ بھری داستان۔" انور سیدھا ہو کر بولا۔ "اب بتائیے آپ کو میں بے وقوف لگتا ہوں یا نہیں۔"

"قطعی نہیں۔" عورت سنجیدہ بننے کی کوشش کرتی ہوئی بولی۔

"خدا آپ کو خوش رکھے آپ پہلی عورت ہیں جس نے مجھے بیوقوف نہیں سمجھا۔ چائے پیجئے۔" انور نے اس کے کپ میں چائے انڈیلتے ہوئے کہا۔

عورت اس دوران میں بار بار اپنی گھڑی کی طرف دیکھتی رہی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اُسے وقت کا بڑا خیال ہے۔

"اب ہم دونوں اس طرح ملتے رہیں گے۔" انور نے بچکانے انداز میں کہا۔

"ضرور ضرور....!" عورت مسکرا کر بولی۔ "واقعی آپ بڑے دلچسپ آدمی ہیں۔"

"میں شاعر بھی ہوں۔" انور آگے کی طرف جھک کر بولا۔

"اوہ.... اچھا....؟ تب تو آپ سے مل کر اور بھی خوشی ہوئی۔"

"میرے والد صاحب بھی شاعر تھے۔"

"اچھا....!"

"دادا صاحب بھی اور پردادا بھی۔"

"تب تو آپ واقعی بہت اچھے شاعر ہوں گے۔" عورت نے مسکرا کر کہا۔ "کبھی ہماری طرف بھی آیئے گا۔ ایک سو بیس آسکر سٹریٹ میں رہتی ہوں۔"

"اور آپ کے....!"

"میں ابھی پڑھ رہی ہوں۔" عورت جلدی سے بولی۔

"او ہو ہو۔" انور بچوں کی طرح ہنستا ہوا بولا۔ "تب تو میں ضرور آؤں گا۔ تو آپ واقعی مجھے بیوقوف نہیں سمجھتیں۔"

"نہیں قطعی نہیں۔"

"اگر آپ مجھے بیوقوف نہ سمجھیں تو میں آپ کا نام پوچھنے کی جرأت کروں۔"

"میرا نام نجمہ ہے۔"

"آپ سچ مچ نجمہ ہیں۔ نجم معنی ستارہ آپ کی آنکھیں ستاروں کی طرح چمکدار ہیں.... مگر آپ دمدار ستارہ نہیں، میں نے سنا ہے کہ دمدار ستارہ منحوس ہوتا ہے۔ آپ کا کیا خیال ہے۔"

"آپ ٹھیک کہتے ہیں۔" عورت مسکرا کر بولی۔

"میرا نام انور سعید ہے" انور مسکرا کر بولا۔ "لوگ مجھے کروڑ پتی سمجھتے ہیں، لیکن مجھے تو یقین نہیں آتا۔"

"تو پھر آپ سچ مچ کروڑ پتی ہیں۔"

"پتہ نہیں! ممکن ہے افواہ ہو۔"

"آپ واقعی بہت دلچسپ آدمی ہیں۔ عورت گھڑی دیکھ کر اپنا ہینڈ بیگ میز کے نیچے سے اٹھاتی ہوئی بولی۔

"تو کیا چل دیں۔ میں بہت اداس ہو جاؤں گا۔"

"مجھے جلدی ہے گیارہ بجے میرے ایک عزیز باہر سے آرہے ہیں۔ انہیں لینے کے لئے اسٹیشن جاؤں گی۔"

"خیر....!" انور اداسی سے بولا۔ "پھر کب ملیں گے۔"

"کل کسی وقت ہمارے گھر آیئے۔" عورت نے کہا اور انور سے ہاتھ ملا کر ہینڈ بیگ اٹھاتے ہوئے باہر چلی گئی۔

انور اٹھ کر کھڑکی کے قریب آیا وہ باہر ایک چھوٹی سی خوبصورت کار میں بیٹھ رہی تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے کار اسٹارٹ ہوگئی اور انور اپنی میز پر لوٹ آیا۔ بیرے کو بلا کر جلدی جلدی بل ادا کیا اور باہر نکل آیا۔

اور پھر جس طرف کار گئی تھی اسی طرف اس کی موٹر سائیکل بھی جا رہی تھی۔ انور کی آنکھیں شرارت آمیز انداز میں چمک رہی تھیں، لیکن پھر جلد ہی اُس کے چہرے پر معصومیت پھیل گئی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ ابھی ابھی کسی عبادت گاہ سے لوٹا ہو۔

ابھی تک وہ کار اسے نہیں دکھائی دی تھی۔ غالباً بہت زیادہ رفتار سے روانہ ہوئی تھی لیکن انور اپنی جوابی کاروائی کی طرف سے مطمئن تھا۔

وہ تھوڑی ہی دور گیا ہوگا کہ سامنے سڑک پر بھیڑ دکھائی دی۔ شاید کوئی حادثہ ہوگیا تھا اور پھر اس انبوہ میں اسے وہ کار دکھائی دی جس کے تعاقب میں وہ روانہ ہوا تھا۔ انور کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس مسکراہٹ سے درندگی اور سفاکی جھلک رہی تھی۔ اس کی نظروں میں وہی آسودگی تھی جو ایک درندے کی نظروں میں پائی جاتی ہے۔ اس وقت جب کہ اس کا شاندار شکار بالکل اس کے قابو میں آگیا ہو۔

انور نے موٹر سائیکل فٹ پاتھ کے قریب کھڑی کردی اور خود بھیڑ میں آگیا۔

نجمہ کار کی اگلی سیٹ پر پڑی کراہ رہی تھی۔ اس کی بائیں ران کے پرخچے اڑ گئے تھے۔ ایسا معلوم ہورہا تھا جیسے کسی نے قیمہ کرکے رکھ دیا ہو۔ ہینڈ بیگ کے چیتھڑے سڑک پر پڑے سلگ رہے تھے اور کار کے اندر بارود کی بو پھیلی ہوئی تھی۔

پولیس آگئی تھی۔ سب انسپکٹر نے کہیں سے ایک ایمبولینس منگوائی اور زخمی عورت کو اس پر ڈال کر ہسپتال کی طرف لے جانے لگا۔ کار سڑک کے کنارے کھڑی کردی گئی۔ انور نے کئی آدمیوں سے اس حادثے کے متعلق پوچھنے کی کوشش کی لیکن کسی نے کوئی تسلی بخش جواب نہ دیا۔ کسی کو ٹھیک سے یہ نہ معلوم ہوسکا تھا کہ حادثے کی نوعیت کیا تھی۔ پھر انور چوراہے کے سپاہی کی طرف متوجہ ہوا۔

"کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔" سپاہی بولا۔ "کار یہاں سے گذر رہی تھی کہ دفعتاً ایک دھماکہ سنائی دیا اور پھر ایک چیخ۔ کار رک گئی اور عورت اس حال میں نظر آئی۔ میرا خیال ہے کہ شاید اس کے پاس کسی قسم کا بم تھا جو پھٹ گیا۔"

"اس نے کچھ بتایا بھی....!" انور نے پوچھا۔

"کچھ نہیں، بہرحال ایک ٹانگ تو بے کار ہی ہوگئی یا شاید مرجائے۔"

انور موٹر سائیکل لے کر سیدھا ہسپتال کی طرف روانہ ہوگیا اور اس کمرے میں نہیں گیا جس میں وہ رکھی گئی تھی۔ اندر شاید پولیس اس کا بیان لے رہی تھی۔ انور باہر ہی ٹھہرا رہا۔ وہ اندر بھی جاسکتا تھا لیکن اس نے مناسب نہیں سمجھا۔

تھوڑی دیر بعد ایک سب انسپکٹر اندر سے آیا۔ انور اسے اچھی طرح پہچانتا تھا۔

"کیوں جناب آخر آپ پہنچ ہی گئے۔" اس نے انور سے کہا۔

"ہاں جناب اسی کی روٹی کھاتا ہوں۔" انور بولا۔

"اس نے بیان دیا ہے کہ کسی نے اس کی کار پر بم پھینکا تھا۔" سب انسپکٹر نے کہا۔

"اور آپ نے اس پر یقین کرلیا۔"

"کیوں؟ یقین کیوں نہ کیا جائے۔"

"اگر فرض کیجئے خود اسی کے پاس بم رہا ہو تو۔"

"یہ بھی ہوسکتا ہے۔"

"وہ ہے کون؟"

"ایک معزز آدمی کی بیوی ہے۔"

"یعنی....!"

"نیشنل آئرن ورکس کے منیجر کی بیوی ہے۔"

"اوہ.... اچھا....!" انور نے کہا اور اس کے ذہن میں پے در پے کئی سوال گونج اٹھے۔

"میں نے اسے فون کردیا ہے وہ آہی رہا ہوگا۔" سب انسپکٹر نے کہا اور دوسری طرف چلا گیا۔

انور تھوڑی دیر تک کھڑا سگریٹ پیتا رہا پھر دفعتاً ہسپتال کی کمپاؤنڈ سے باہر چلا گیا۔ پھاٹک کے قریب ہی چائے کی ایک چھوٹی سی دکان تھی۔ انور وہاں جاکر بیٹھ گیا۔ چائے کیلئے کہہ کر دروازے کے قریب کرسی گھسیٹ لایا۔ یہاں سے ہسپتال کے اندر جانے والے صاف دکھائی دے رہے تھے۔

تھوڑی دیر بعد ایک کار پھاٹک میں داخل ہوئی۔ انور نے معنی خیز انداز میں سر ہلایا۔ دوسرے لمحے میں وہ ایک کاغذ کے ٹکڑے پر بائیں ہاتھ سے لکھ رہا تھا۔

داراب کے لئے دوسری چوٹ، لیکن مجھے اپنے قیمتی سگریٹ کیس کے ضائع ہونے کا افسوس ہے۔ آئندہ کسی ملاقات میں اس کی قیمت وصول کرلی جائے گی۔

انور وہ کاغذ مٹھی میں دبائے ہوئے ہسپتال کی کمپاؤنڈ میں آیا۔ تھوڑی دیر قبل جو کار اندر داخل ہوئی تھی پورٹیکو میں کھڑی نظر آئی۔ انور نے وہ پرچہ اس کی اگلی سیٹ پر ڈال دیا اور پھر اسی کرسی پر آکر بیٹھ گیا۔

تقریباً آدھے گھنٹے بعد کار اندر سے واپس آئی اور مشرق کی طرف مڑ گئی۔ انور کی موٹر سائیکل کافی فاصلے سے اس کا تعاقب کررہی تھی۔ کار شہر کے بارونق بازاروں سے گزرتی ہوئی ایک ویران راستے پر ہولی۔ انور کو مجبوراً اپنی موٹر سائیکل کی رفتار کم کردینی پڑی۔ وہ تقریباً چار فرلانگ پیچھے جارہا تھا۔ دفعتاً اُسے خیال آیا کہ وہ سڑک آگے جاکر ختم ہوگئی ہے۔ پھر اس کے بعد ایک دریا ہے۔ وہ اکثر اس طرف تفریحاً نکل آیا کرتا تھا۔ ایک خیال تیزی سے اس کے ذہن میں

گونجا اور اس نے موٹر سائیکل روک کر ایک طرف کھڑی کر دی۔ دوسرے لمحے میں وہ ایک اونچے درخت پر بندر کی سی پھرتی کے ساتھ چڑھ رہا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ سب سے اونچی شاخ پر پہنچ گیا۔ اس کے گردوپیش میلوں تک گھنی جھونپڑیاں اور سرسبز میدان پھیلے ہوئے تھے۔ دریا کے کنارے ایک طرف چھوٹی چھوٹی جھونپڑیاں تھیں جن سے تقریباً ڈیڑھ یا دو فرلانگ کے فاصلے پر ایک بڑی سی پختہ عمارت تھی۔ جنگ کے زمانے میں اس میں کوئی سرکاری کارخانہ تھا اور جنگ کے خاتمہ پر اسے کسی نے کرائے پر لے لیا تھا۔ انور کی نظریں اس کار پر جمی ہوئی تھیں۔ دفعتاً اس نے ایک گہرا سانس لیا اور اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ وہ کار اسی عمارت کی کمپاؤنڈ میں داخل ہو رہی تھی۔

انور درخت سے اتر آیا۔ جیب میں ہاتھ ڈال کر سگریٹ کا پیکٹ نکالا لیکن دوسرے ہی لمحے میں جھنجھلا کر اسے سڑک پر پٹخ دیا کیونکہ وہ نہ جانے کب کا خالی ہو چکا تھا اور پھر اس کی موٹر سائیکل شہر کی طرف واپس جا رہی تھی۔ وہ اس وقت صرف سگریٹوں کے متعلق سوچ رہا تھا۔ جیب میں اتنے پیسے بھی نہ تھے کہ شہر پہنچتے ہی سگریٹ خرید لئے جاتے۔ بہر حال دفتر پہنچنے سے قبل اسے سگریٹ نہیں مل سکتے تھے۔ ایک گھنٹے کے بعد وہ دفتر میں بیٹھا سگریٹ پر سگریٹ پھونک رہا تھا۔ آج کی خبریں مکمل ہو جانے کے بعد اس نے مسودہ ایڈیٹر کے کمرے میں بھجوا دیا اور پھر روزانہ چھپنے والے جاسوسی ناول کی قسط لکھنے لگا۔ آج کے کارناموں تک کی اطلاع اس نے رشیدہ کو دفتر میں آتے ہی دے دی تھی۔ رشیدہ نے اس پر کچھ تبصرہ بھی کرنا چاہا تھا لیکن انور نے یہ کہہ کر اسے روک دیا تھا کہ وہ اپنا کام مکمل کئے بغیر کسی قسم کی گفتگو کرنا پسند نہ کرے گا۔

جاسوسی ناول کی قسط لکھ چکنے کے بعد اس نے ایک طویل انگڑائی لی اور سگریٹ سلگا کر کرسی کی پشت سے ٹک گیا۔ رشیدہ اس دوران میں کئی بار اس کے کمرے میں جھانک کر واپس جا چکی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ اگر کام کرتے وقت وہ اس کے پاس گئی تو وہ اسے بڑی بے مروتی کے ساتھ کمرے سے نکال دے گا۔

وہ پھر آئی اور یہ دیکھ کر انور کام ختم کر چکا ہے کمرے میں چلی آئی۔

"تم سچ مچ بہت خطرناک ہوتے جا رہے ہو۔"

"میں فرشتوں سے زیادہ معصوم ہوں۔" انور کے چہرے پر معصومیت پھیل گئی۔

"اُس بے چاری کا نہ جانے کیا حشر ہوا ہوگا۔"

"بہر حال، مر نہیں سکتی۔" انور نے کہا "البتہ وہ سگریٹ کیس میرے جیب میں پھنستا تو...

میری نئی غزل نامکمل رہ جاتی۔"

"تمہارا دوسرا قدم کیا ہوگا۔"

"میرا دوسرا قدم، دوسرا قدم ہوگا۔ ظاہر ہے کہ وہ تیسرا قدم ہرگز نہیں ہو سکتا۔"

"پھر بدحواس ہوئے تم....!"

"تمہاری آنکھیں بہت حسین ہیں۔"

"اتنی جلدی سارے سگریٹ پی ڈالے۔" رشیدہ منہ بنا کر بولی۔

"گھبراؤ نہیں آج کچھ آمدنی کی توقع ہے۔ میں داراب سے اپنے سگریٹ کیس کی قیمت معہ جرمانہ اور بربادی وقت وصول کروں گا۔"

"کیوں خواہ مخواہ جان گنوار ہے ہو۔" رشیدہ بولی۔

"ڈرپوک نکل جاؤ یہاں سے۔" انور بگڑ کر بولا۔

"میں ڈرپوک نہیں ہوں۔ لیکن میں تمہیں تنہا وہاں نہ جانے دوں گی۔"

"بکومت.... میں تنہا جاؤں گا۔ تم بعد میں آسکتی ہو۔ سنو قریب آؤ۔"

رشیدہ اس کے قریب کرسی کھسکا لائی اور انور آہستہ آہستہ اس سے باتیں کرتا رہا۔ پھر ایک کاغذ پر کچھ لکھ کر اسے دیتا ہوا بولا۔ "یہ ساری چیزیں کسی دوا فروش کے یہاں مل جائیں گی۔"

رشیدہ چلی گئی۔ انور نے کمپوزیٹر کو بلوا کر جاسوسی ناول کی قسط اسی کے حوالے کی اور اٹھ کر کمرے میں ٹہلنے لگا۔

اس کا ذہن رات کی جنگ کا نقشہ مرتب کر رہا تھا۔ اس کے دل میں ذرہ برابر بھی ہچکچاہٹ نہیں تھی۔ اسے اپنی کامیابی پر اس طرح ناز تھا جیسے وہ اپنے ساتھ ایک بہت بڑی فوج لے جانے کا ارادہ رکھتا ہو اور پھر چند لمحوں کے بعد اس نے یہ سارے خیالات اپنے ذہن سے نکال پھینکے اور ان سگریٹوں کے متعلق سوچنے لگا جو رشیدہ اس کے لئے خریدنے گئی تھی۔

تھوڑی دیر بعد رشیدہ واپس آگئی۔ سگریٹوں اور سگریٹ کیس کے ساتھ اس نے چھوٹا سا پیکٹ بھی میز پر رکھ دیا۔

انوکھا پستول

انور نے صفوفوں کی تھوڑی تھوڑی مقدار لے کر انہیں یکجا کیا اور ان میں ایک بوند پانی ڈال کر چھوٹی چھوٹی گولیاں بنائیں۔ پھر چند سگریٹوں کا تمباکو نکال کر میز پر پھیلا دیا۔ تھوڑی دیر محنت کے بعد اس کے چہرے پر آسودگی اور اطمینان کے آثار نظر آنے لگے۔ رشیدہ خاموش بیٹھی یہ سب کچھ دیکھ رہی تھی۔

"آخر اس کا مطلب.....!" رشیدہ بولی۔

"اس ترکیب سے تمباکو ذرا تیز ہو جاتا ہے۔"

رشیدہ نے اس طرح منہ بنایا جیسے اسے یقین نہ آیا ہو۔

"اب گھر بھی چلو گے یا نہیں، پانچ بج رہے ہیں۔" رشیدہ نے کہا۔

"میں نے اسکیم بدل دی ہے تم تنہا گھر جاؤ، موٹر سائیکل لیتی جاؤ اور پھر بارہ بجے کے بعد تمہیں اختیار ہے۔"

"معلوم ہوتا ہے کہ تم سچ مچ زندگی سے بیزار ہو گئے۔"

"نہیں زندگی سے پیار ہے البتہ اس صورت میں ضرور زندگی سے بیزار ہو سکتا ہوں جب اس میں یکسانیت پیدا ہو جائے۔"

"اگر یہی ہے تو پھر زندگی میں نیا پن پیدا کرنے کے لئے دوسرے طریقے بھی ہیں۔" رشیدہ مسکرا کر بولی۔

"وہ کیا.....؟"

"جب زندگی میں یکسانیت محسوس ہونے لگے تو آنکھیں بھینچ کر گدھے کی بولی بولنا شروع کر دیا کرو۔ اگر کوئی قریب ہو تو دولتیاں بھی جھاڑ سکتے ہو۔ اگر اس سے بھی تشفی نہ ہو تو اپنے پتلون میں پیچھے کی طرف سرخ رنگ کا ایک لمبا فیتہ ٹنکوا لو۔"

انور نے قہقہہ لگایا اور رشیدہ بھی ہنسنے لگی۔

"بعض اوقات بہت پیاری لگتی ہو۔"

"پھر تم نے مکھن کا ڈبہ کھولا۔ اب کیا بات ہے۔ سگریٹ بھی تو لا دیجئے۔"

"تم کیا یہ سمجھتی ہو کہ میں فقیر ہوں۔" انور نے بھنا کر اپنا پرس میز پر الٹ دیا۔ اس میں سے ایک دونی گر پڑی۔

رشیدہ بے اختیار ہنس پڑی۔

"آج رات کو میں کافی امیر ہو جاؤں گا۔" انور سنجیدگی سے بولا۔

"یہ لیجئے۔" رشیدہ نے دس دس کے دو نوٹ انور کے سامنے ڈال دیئے۔

"شکریہ..... شکریہ۔" انور نوٹ سمیٹ کر جیب میں رکھتا ہوا بولا۔ "آج رات کو مع سود واپس کر دوں گا۔"

"آج تمہیں شام کی چائے بھی یاد نہیں رہی۔" رشیدہ نے کہا۔

"نہیں منگواؤ" انور نے کہا۔ "آج میں یہاں سے نو بجے سے پہلے نہیں نکلوں گا۔"

"کیوں.....؟"

"کیا تم سچ مچ یہ چاہتی ہو کہ میری غزل نامکمل رہ جائے گی۔"

رشیدہ نے چپراسی کو آواز دے کر چائے لانے کو کہا اور پیار بھری نظروں سے انور کی طرف دیکھنے لگی۔

"کیا کاٹ کھانے کا ارادہ ہے۔" انور سہم کر بولا۔

رشیدہ جھنجھلا گئی اور اس نے اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا لیا۔

"تم انسان نہیں ہو۔" وہ مایوسانہ انداز میں بولی۔ "تم سچ مچ مشین بن کر رہ گئے ہو۔"

"اور یہی آدمیت کی معراج ہے کہ آدمی پر دکھ اور سکھ کا کوئی اثر نہ ہو، خوشی اور رنج دونوں اس کے لئے بے معنی الفاظ ہو کر رہ جائیں۔ اگر دنیا یونان کے قدیم..... فلسفیوں کے نقشِ قدم پر چلی ہوتی تو آج نہ کوئی تپ دق میں مبتلا ہوتا اور نہ خوشی کی زیادتی کی وجہ سے کسی کا ہارٹ فیل ہوتا۔"

"تو پھر آدمی کو آدمی کہنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔"

"مت کہو.....!" انور لاپروائی سے بولا۔ "جو دل چاہے کہہ لو۔"

"مگر دکھ سکھ اختیاری چیز نہیں ہیں۔ کسی احساس کو دبایا تو جاسکتا ہے لیکن یہ ناممکن ہے کہ سرے سے احساس ہی نہ ہو۔"

"میں اثر کی بات کر رہا تھا، احساس کی بات نہیں۔ یہ دونوں نوعیت کے اعتبار سے بالکل مختلف ہیں۔ کسی جذبہ کا ہم پر جو اثر ہوتا ہے وہ داخلی نہیں بلکہ صدہا سال کے خارجی تجربات کا نتیجہ ہے اُسے یوں سمجھ لو کہ......"

"بس بس ختم کرو فلسفہ....!" رشیدہ اکتا کر بولی۔ "میں اپنا دماغ چھلنی نہیں کرانا چاہتی۔ میرا بس چلے تو تمہاری کتابوں کے ڈھیر میں آگ لگا دوں۔"

اتنے میں چپراسی چائے لایا۔

"خیر خیر لو چائے پیو۔" انور نے کہا۔ "یہ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ ایک دن تم بھی میری ہی طرح سوچنے پر مجبور ہو جاؤ گی۔"

رشیدہ نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ سر جھکائے چائے بنانے لگی۔

"آخر تم نے یہ پیشہ کیوں اختیار کر رکھا ہے کسی یونیورسٹی میں پروفیسری کے لئے کیوں نہیں کوشش کرتے۔"

"چائے پیئو....!" انور بُرا سا منہ بنا کر بولا اور دوسری طرف دیکھنے لگا۔

"تم آخر پولیس کو ساتھ لے کر کیوں نہیں حملہ کرتے۔" رشیدہ تھوڑی دیر بعد بولی۔

"نہیں.... آج میں سگریٹ کیس کی قیمت وصول کروں گا اس کے بعد دیکھا جائے گا۔"

"سچ مچ تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔"

"دماغ خراب ہونا کوئی بُری بات نہیں۔ میری طرف دیکھو.... کتنی رسیلی ہیں تمہاری آنکھیں اور تمہارے نچلے ہونٹ کا درمیانی خم تو قیامت ہے اور یہ سلگتے ہوئے گال معلوم ہوتا ہے، شعلے نکل پڑیں گے، تم مسکرا رہی ہو۔ ارے کیا شفق پھولی ہے اور یہ موتی جیسے دانت۔ شفق میں تارے.... رشو کہیں سچ مچ تم سے محبت نہ کرنے لگوں۔ مگر نہیں رشو میں دردِ دل سے بہت گھبراتا ہوں۔ بعض اوقات ریاحی دردِ دل بھی ہونے لگتا ہے، جو معدے کی صفائی کے بعد بالکل ٹھیک ہو جاتا ہے۔ دردِ جگر کا میں قائل نہیں۔ ہاں بعض حالات میں دردِ گردہ ہو سکتا ہے۔ ویسے درد کوئی بھی اچھا نہیں ہوتا۔ محض دردوں کی وجہ سے مجھے اردو شاعری سے نفرت ہو گئی ہے۔ مجھے دردِ دل سے زیادہ دردِ سر اچھا لگتا ہے۔"

"ہاں ہاں.... محض اس لئے کہ ایک بار تمہیں تلخ تجربہ ہو چکا ہے۔" رشیدہ ہنس کر بولی۔

"یہ بات نہیں رشو! میں نے ایک بار تفریحاً محبت کی تھی۔ مگر وہ تفریح نہ ثابت ہوئی۔ اس لئے میں نے دوسری کوشش نہیں کی۔"

"کیا تمہیں مجھ سے محبت نہیں۔"

"مجھے صرف تمہاری مردانگی سے پیار ہے۔" انور نے کہا۔ "اتنی حسین ہونے کے باوجود بھی تم میں نسائیت بہت کم ہے۔"

"تم غلط سمجھتے ہو۔ میں سو فیصد عورت ہوں۔"

"صرف جسمانی ساخت کے اعتبار سے۔"

"خیر چھوڑو! تم پھر آہستہ آہستہ فلسفے اور سائینس کی طرف آ رہے ہو۔" رشیدہ اکتا کر بولی۔

"اچھا رشو! اب تم جاؤ۔" انور گھڑی کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔ "آج کی رات میری لئے ایک حسین رات ہو گی اور ہاں دیکھو مجھے یقین ہے کہ باہر داراب کا آدمی ضرور ہو گا۔ تم باہر فٹ پاتھ پر نکل کر چوکیدار سے میرے متعلق پوچھنا۔ اگر وہ اندر آنے لگے تو اُسے روک دینا۔ اس سے کہنا کہ میں اندر نہیں ہوں۔ پھر تم اس سے کہنا کہ تم میری موٹر سائیکل لئے جا رہی ہو اور وہ مجھے اس کی اطلاع دے دے گا۔"

"یہ ساری گفتگو ذرا اونچی آواز میں ہونی چاہئے سمجھیں! اچھا اب جاؤ۔"

"بھئی تم پولیس کی مدد کیوں نہیں لیتے۔" رشیدہ جھنجھلا کر بولی۔

"کہہ تو دیا کہ مجھے سگریٹ کیس کی قیمت وصول کرنی ہے۔"

"تمہاری ضد تو بڑی خطرناک ہوتی ہے۔"

"رشو اب تم جاؤ ورنہ میں سچ مچ تم سے محبت کرنے لگوں گا۔" انور نے اٹھ کر اسے دروازے کی طرف دھکیلتے ہوئے کہا۔

"رشیدہ سمجھ گئی کہ وہ ایک نہیں سنے گا۔ آخر کار وہ اپنا پرس اٹھا کر چلی گئی۔" انور نے چپراسی کو بلایا۔

"دیکھو یہ چائے کے برتن لے جاؤ۔ میں نو بجے تک یہاں بیٹھوں گا لیکن باہر کسی کو اس کا علم نہ ہونے پائے کہ میں یہاں موجود ہوں اور وہاں اس طرف صحن کا دروازہ باہر سے بند کر کے تالا ڈال دینا تاکہ کوئی ادھر آنے نہ پائے۔ غالباً تم سمجھ گئے ہو گے، میں ادھر کی کھڑکی سے نکل جاؤں

گا۔ بس جاؤ.... انعام کل....!"

پھر اسی چائے کے برتن سمیٹ کر باہر چلا گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد انور نے ایک الماری کھ
کر سنہرے رنگ کے سرخی مائل بال نکالے اور اپنے گالوں پر کوئی سیال شے لگا کر ان میں و
چپکانے شروع کر دیئے۔ پھر اسی طرح مونچھیں بنائیں اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ کوئی خوبصورت تر
جانور معلوم ہونے لگا۔ وہ تھوڑی دیر تک آئینے میں اپنی ڈاڑھی کا جائزہ لیتا رہا۔ اس کے بعد ق
نکالی اور بے ترتیب بالوں کو برابر کرنے لگا۔

تقریباً آدھے گھنٹے کے بعد اس نے آئینے پر الوداعی نظر ڈالی اور اُسے پھر الماری میں رکھ
وہ اب ایک معمر انگریز پادری معلوم ہو رہا تھا۔ گھڑی نے آٹھ بجائے اور انور آرام کرسی پر گر
اونگھنے لگا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ ابھی گہری نیند سو جائے گا۔ ایک گھنٹے تک وہ اس طرح
حس و حرکت پڑا رہا جیسے اس میں ہاتھ پیر ہلانے کی بھی سکت نہ رہ گئی ہو۔ جیسے ہی کلاک
بجائے وہ اٹھ بیٹھا لیکن اب اس میں پہلی سی توانائی نہیں دکھائی دے رہی تھی۔ ایسا معلوم ہو
جیسے وہ برسوں سے بیمار ہو۔ آنکھیں دھندلا گئی تھیں۔ چہرے پر مردنی چھا گئی تھی۔ اس نے آ
سے کھڑکی کھولی اور برآمدے میں سناٹا تھا۔ نیچے پریس کی مشینوں کی گھڑگھڑاہٹ سنائی دے
تھی۔ انور نے سوچا کہ کیوں نہ یہیں اپنے اس بھیس کا امتحان کرے۔ اپنی کمر کو قدرے جھ
آہستہ آہستہ چلتا ہوا اسسٹنٹ ایڈیٹر کے کمرے کی طرف بڑھا۔ اس کی سانس اس طرح پھول
تھی جیسے وہ دمہ کا مریض ہو۔ اسسٹنٹ ایڈیٹر کے کمرے کے سامنے پہنچ کر وہ تین بار کھانس
اس کی سانس اور زیادہ پھولنے لگی۔

"کیا میں اندر آ سکتا ہوں۔" وہ دروازے کے پاس پہنچ کر بھرائی ہوئی آواز میں انگر
میں بولا۔

"ضرور.... ضرور....!" اسسٹنٹ ایڈیٹر اپنی کرسی پر سیدھا ہو کر بولا۔

انور ایک کرسی پر بیٹھ گیا اور ہانپنے لگا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ گفتگو کرنے سے پہلے
الجھی ہوئی سانسوں پر قابو حاصل کرنے کی کوشش کر رہا ہو۔

"مسٹر.... اَن.... ہوف.... انور.... کہاں ملیں گے۔"

"اوہ.... وہ تو گھر چلے گئے ہیں۔ کیا آپ کو اُن کے گھر کا پتہ معلوم ہے۔"

انور نے نفی میں سر ہلا دیا۔ اسسٹنٹ ایڈیٹر نے ایک کاغذ پر انور کا پتہ لکھ کر دے دیا۔

وہ تھوڑی دیر تک بیٹھا ہانپتا رہا پھر ایڈیٹر کا شکریہ ادا کرتا ہوا اُس کے کمرے سے نکل گیا۔

برآمدے سے نکل کر وہ زینے طے کرتا ہوا فٹ پاتھ پر آ گیا۔ اس کا خیال صحیح نکلا۔ ایک
بجلی کے کھمبے کے پاس کھڑا آفس کے صدر دروازے کی طرف تاک رہا تھا اور وہ اسی کے
کھڑا ہو کر کھانسنے لگا۔ اس آدمی نے دو تین بار اُسے گھور کر دیکھا پھر جیب سے سگریٹ
ل کر سلگانے لگا۔

"اب کوئی ٹیکسی بھی نہ دکھائی دے گی۔" انور جھلاہٹ میں بڑبڑانے لگا۔ "اور میں.... یہیں
م ہو جاؤں گا۔"

اس آدمی نے اُسے پھر ایک بار گھور کر دیکھا اور اس کی زہریلی اور جراثیم آمیز سانسوں سے
نے کے لئے دوسری طرف کھسک گیا۔

تھوڑی دیر بعد ایک ٹیکسی دکھائی دی۔ انور نے ہاتھ اٹھا کر اُسے رکوایا۔

"مے پول ہوٹل....!" وہ ٹیکسی میں بیٹھتا ہوا زور سے بولا۔ ٹیکسی چل پڑی۔ انور نے باہر
طرف دیکھا۔ وہ آدمی بدستور وہیں کھڑا تھا۔

"مے پول ہوٹل نہیں.... سیتا گھاٹ....!" انور نے کچھ فاصلہ طے کرنے کے بعد کہا۔

"اچھا صاحب....!" ڈرائیور نے کہا۔ "کیا واپسی بھی ہوگی۔"

"نہیں۔"

"تو صاحب کرایہ دگنا پڑے گا کیونکہ واپسی میں وہاں سے خالی آنا پڑے گا۔"

"پرواہ مت کرو....!" انور نے جھلا کر کہا۔

ٹیکسی ویران راستے پر ہولی۔ سیتا گھاٹ سے تقریباً ایک میل ادھر ہی انور نے ٹیکسی رکوائی
ر کرایہ ادا کر کے نیچے اتر گیا۔ ڈرائیور ویرانے میں اترنے کا مطلب نہ سمجھ سکا۔ وہ کچھ خوف زدہ
ا نظر آنے لگا تھا۔ کرایہ ملتے ہی اس نے ٹیکسی شہر کی طرف موڑ دی اور کافی تیز رفتاری سے چل پڑا۔

انور نے ایک سگریٹ نکال کر سلگائی اور تیز قدموں سے گھاٹ کی طرف روانہ ہو گیا۔

چاروں طرف گہرا اندھیرا تھا۔ سناٹے میں اس کے قدموں کی آہٹ دور تک گونج رہی تھی۔

تھوڑی دیر بعد وہ دریا کے کنارے بنی ہوئی عمارت کے کمپاؤنڈ میں داخل ہو رہا تھا۔ باہر کوئی

نہیں دکھائی دیا۔ اس نے بہ آسانی پھاٹک کھولا اور احاطے میں گھس گیا۔ اب بوڑھوں اور مریضوں کی طرح نہیں چل رہا تھا۔ برآمدے پر پہنچ کر اس نے دروازے پر دستک دی۔ ایک آدمی نے دروازہ کھول کر باہر سر نکالا۔

"کون ہے۔"

"بے وقوف یہ رسمی باتوں کا وقت نہیں ہے۔" انور اُسے دھکا دے کر اندر گھستا ہوا بولا۔

"سردار کہاں ہیں۔"

"اوپر.... لیکن.... لیکن....!"

"اوہ وقت مت برباد کرو۔" انور جھنجھلا کر بولا۔ "مجھے راستہ بتاؤ آگے چلو.... آگے چلو!"

انور نے اُسے جلدی جلدی کہہ کر آگے بڑھانا شروع کر دیا۔ وہ اس کے آگے چلنے لگا۔

"جو کام ہوتا ہے، گڑبڑ ہوتا ہے۔" انور بڑبڑانے لگا۔ "سب سو رہے ہیں۔ کیا تم تیز نہیں چل سکتے۔"

راستے میں دو ایک آدمی اور ملے، جو انور کو تیز نظروں سے گھور رہے تھے۔

"تم سب اسی طرح سوتے رہنا اچھا۔" انور تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا ان سے قہر بھرے انداز میں کہتا گیا۔

پھر وہ دونوں سیڑھیوں پر چڑھنے لگے۔ اوپر ایک ہی قطار میں کئی کمرے تھے۔ آخری سرے پر ایک اور زینہ تھا، جو تیسری منزل کے لئے تھا۔ ایک کمرے میں روشنی ہو رہی تھی۔ اُس آدمی نے اس طرف اشارہ کیا۔

"اچھا اب تم جاؤ۔" انور آہستہ سے بولا۔ "پھاٹک پر نظر رکھنا جو کوئی بھی اندر داخل ہونے کی کوشش کرے اُسے فوراً گولی مار دینا۔ اچھا اب جاؤ۔ جلدی کرو۔ تم سب اُدھر کا خیال رکھنا۔"

وہ آدمی نیچے اتر گیا۔ انور کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ وہ آہستہ آہستہ اس کمرے کی طرف بڑھا۔ دروازے کھلے ہوئے تھے۔ لیکن ایک سیاہ رنگ کا پردہ درمیان میں حائل تھا۔ انور نے جھانک کر دیکھا۔ وہی ڈاڑھی والا اجنبی ایک بڑی سی میز پر بیٹھا کچھ کاغذات دیکھ رہا تھا۔

انور پردہ ہٹا کر کمرے میں داخل ہو گیا۔ اجنبی چونک کر کھڑا ہو گیا۔ اس کا ہاتھ بے اختیار جیب کی طرف گیا لیکن دوسرے ہی لمحے میں انور کا پستول جیب سے نکل آیا تھا۔

"اس کی ضرورت نہیں ہاتھ اوپر اٹھائے رکھو۔" انور نے آہستہ سے کہا۔

"تم کون ہو....!" وہ ہاتھ اوپر اٹھاتا ہوا بولا۔

"کوئی غیر نہیں ہوں۔" انور نے مسکرا کر کہا۔ "میں بھی چہرے پر نقلی ڈاڑھی لگانا جانتا ہوں۔ میں تم سے جھگڑا کرنے نہیں آیا۔ میں اپنے سگریٹ کیس کی قیمت چاہتا ہوں۔"

"اوہ.... انور....!" وہ مسکرا کر بولا۔ "آخر کار تم نے میرے ٹھکانے کا پتہ لگا ہی لیا اور اپنے ساتھ پولیس بھی لائے ہو گے۔ لیکن تم یہاں تک کیسے پہنچے۔ کیا میرے سب آدمی گرفتار ہو گئے۔"

"نہیں قطعی نہیں۔ وہ سب نیچے گل چھرے اڑا رہے ہیں۔ میرے لئے کوئی چیز ناممکن نہیں۔ تمہارا خیال غلط ہے میں بالکل تنہا ہوں۔ اگر مجھے سگریٹ کیس کی قیمت نہ وصول کرنی ہوتی تو یقیناً اپنے ساتھ پولیس لاتا۔"

"اگر یہ بات ہے تو پستول جیب میں رکھ لو۔ میں اب بھی تم سے سمجھوتہ کرنا پسند کروں گا۔"

"حالانکہ آج تمہاری وجہ سے ایک عورت زخمی ہو گئی ہے جسے میں بے حد چاہتا ہوں۔ لیکن میں نے اس کے خلاف پولیس کو کوئی بیان نہیں دیا۔"

"اسی سے تم میری نیت کا اندازہ لگا سکتے ہو۔" انور مسکرا کر بولا۔ "مجھے صرف اپنے سگریٹ کیس کی قیمت چاہئے۔"

"کتنی قیمت چاہتے ہو۔"

"صرف تین سو روپے۔"

"بس....!" وہ مسکرا کر بولا۔

"میں تم سے کوئی سودا کرنے نہیں آیا اور نہ تم ان تین سو روپیوں میں مجھے خرید سکتے ہو۔ میری قیمت تم نہیں ادا کر سکتے اور پھر اس کی ضرورت ہی کیا ہے۔ اگر مجھے یہی کرنا ہوتا تو جب چاہوں گا تمہیں بیچ بازار میں لوٹ لوں گا۔" انور سنجیدگی سے بولا۔

"خیر.... خیر....!" وہ میز کی دراز کھول کر نوٹوں کا بنڈل نکالتا ہوا بولا۔ "یہ لو! میں تم سے جھگڑا کرنا نہیں چاہتا۔"

اس نے کچھ نوٹ گن کر انور کی طرف بڑھا دیئے لیکن دوسرے ہی لمحے میں انور کو ایک زبردست صدمے کا سامنا کرنا پڑا۔ نوٹ تو اس کے ہاتھ میں آ گئے لیکن پستول اس کے ہاتھ سے نکل

کر داراب کے ہاتھوں میں پہنچ چکا تھا۔ اس نے قہقہہ لگایا۔

"داراب سے الجھنا ہنسی کھیل نہیں انور۔ اب میں تمہیں چوہے کی موت مار ڈالوں گا۔"

"خیر میں مرنے کے لئے تو ہر وقت تیار رہتا ہوں۔" انور نوٹوں کو کوٹ کے اندرونی جیب میں رکھتا ہوا بولا اور ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ داراب اس کی اس لاپروائی پر جھلا گیا۔ اس نے نشانہ لے کر پستول کی لبلبی دبادی۔ مگر اُس میں سے گولی کے بجائے ایک سگریٹ نکل کر انور کی گود میں آگرا۔ انور نے قہقہہ لگایا۔

"یہ پستول نہیں بلکہ پستول نما سگریٹ کیس ہے پیارے۔"

داراب نے جھلاہٹ میں پستول انور پر کھینچ مارا جسے اس نے ہاتھوں پر روک کر جیب میں رکھ لیا اور سگار لائٹر سے سگریٹ سلگانے لگا۔

"دیکھو داراب میں اس قسم کے ہتھیار اپنے پاس نہیں رکھتا جن سے شور پیدا ہو۔ میں عموماً گلا گھونٹ کر مارتا ہوں۔" انور منہ سے سگریٹ کا گنجان دھواں نکالتا ہوا بولا۔

"لیکن اب تم یہاں سے بچ کر نہیں جاسکتے۔ میں تمہیں بہت اذیت دے کر ماروں گا۔" داراب گرج کر بولا اور ساتھ ہی اس کا ہاتھ میز پر لگے ہوئے ایک بٹن پر پڑا۔

سارے مکان میں بے شمار گھنٹیاں بجنے لگیں۔ لیکن انور کے اطمینان میں کوئی فرق نہ آیا۔ وہ بدستور بیٹھا سگریٹ پیتا رہا۔

باہر کئی قدموں کی آہٹیں سنائی دیں اور تین چار آدمی کمرے میں گھس آئے۔

"بیٹھ جاؤ.... داراب اب مجھے تم سے بہت سی باتیں کرنی ہیں۔" انور پُر اطمینان لہجے میں بولا۔

"مت بکو....!" داراب چیخا۔

"تم نے شیلا رانی کو کیوں قتل کیا۔"

"میری خوشی....!"

"تم کرنل جاوید کو کیوں اغوا کرلائے۔"

"تم سے مطلب....!"

"مطلب یہ کہ تم مجھے قتل نہیں کرسکتے اور ہاں صابر کو کب ختم کررہے ہو۔ اس کی منگیتر؟ بیوی تو تمہاری محبوبہ نکلی۔"

"تم دیکھنا کہ کس بے دردی سے تم مارے جاتے ہو۔" داراب بڑبڑایا۔

"ایسا نہ کہو پیارے میں تم سے بہت محبت کرتا ہوں۔"

"بکواس بند کرو۔" داراب پھر چیخا۔

"مہمانوں سے ایسا برتاؤ نہیں کیا کرتے اور تم سے سچ کہتا ہوں کہ اس وقت تم سب کی جانیں میری مٹھی میں ہیں۔ تم اس سے زیادہ احمق ثابت ہوئے ہو جتنا میں تمہیں سمجھتا ہوں۔"

"کیا بکتے ہو۔"

"یقین نہ آئے تو اس سگریٹ کے ٹکڑے کی طرف دیکھو۔" انور جلتے ہوئے سگریٹ کا ٹکڑا فرش پر ڈالتے ہوئے بولا اور پھر اپنی آنکھیں بند کرلیں۔ دفعتاً سگریٹ کے ٹکڑے سے ایک چمکدار شعلہ نکلا۔ اس کی روشنی اتنی تیز تھی کہ ان سب کی آنکھیں خیرہ ہوگئیں اور پھر کمرے میں سفید رنگ کا گہرا دھواں بھر گیا۔ اتنا گہرا کہ ایک فٹ دور کی چیزیں بھی نہیں دکھائی دے رہی تھیں۔ انور نے ایک جست لگائی اور کمرے سے صاف نکل گیا۔

خوفناک درندہ

انور باہر نکل کر نیچے کی طرف جھپٹا مگر کچھ اور آدمی اوپر آرہے تھے۔ وہ اوپری منزل کے زینوں کی طرف پلٹ پڑا۔ اوپری منزل بالکل ویران تھی۔ یہاں کمرے نہیں تھے۔ چھت بالکل پاٹ تھی۔ ایک طرف لکڑی اور لوہے کا انبار تھا۔ کچھ بڑے بڑے پیپے بھی رکھے ہوئے تھے۔

"اوپر گیا ہے.... اوپر....!" کچھ آوازیں سنائی دیں اور انور خالی پیپوں کی آڑ میں دبک گیا۔ سامنے ایک بڑا سا پتھر پڑا ہوا تھا۔ انور کے ذہن میں ایک نیا خیال پیدا ہوا۔ اس نے نیچے جھانک کر دیکھا۔ دریا لہریں لے رہا تھا۔ زینوں پر قدموں کی آہٹ سنائی دی اور انور نے وہ پتھر اٹھا کر دریا میں پھینک دیا۔ ایک زبردست چھپاکے کی آواز آئی۔

"کود گیا.... کود گیا....!" کسی نے کہا۔ کئی ٹارچوں کی روشنیاں دریا کی سطح پر پڑ رہی تھیں۔

"چلو.... چلو.... بچ کر جانے نہ پائے.... نیچے کشتی موجود ہے۔"

وہ پھر الٹے پاؤں بھاگتے ہوئے نیچے چلے گئے۔ تھوڑی دیر بعد انور نے پھر جھانک کر نیچے

دیکھا۔ چار پانچ آدمی ایک کشتی پر بیٹھے دریا میں چکر لگا رہے تھے۔ اس نے پیپوں کی آڑ سے نکل کر ایک طویل انگڑائی لی اور خود بخود مسکرانے لگا۔ چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر پیٹ کے بل چھت پر لیٹ گیا۔ آہستہ آہستہ رینگتا ہوا چھت کے دوسرے کنارے پر نکل گیا۔ تھوڑی دور ہٹ کر دائیں طرف ایک چھوٹا سا پائپ نیچے تک چلا گیا تھا اور تقریباً دس فٹ نیچے دیوار میں کافی چوڑی کارنس تھی۔ انور پائپ کے سہارے کارنس پر اتر آیا اور دیوار سے چپکا ہوا اس درخت کی طرف بڑھنے لگا جس کی شاخیں دیوار کو چھو رہی تھیں۔ وہ تھوڑی ہی دور چلا تھا کہ اُسے پھر رک جانا پڑا۔ آگے اس کمرے کی کھڑکی تھی جس میں داراب سے وہ ملا تھا۔ کھڑکی کھلی ہوئی تھی۔ انور نے آگے بڑھ کر اندر جھانکا۔ کمرہ خالی تھا۔ دفعتاً اس کے ذہن میں کچھ نئے قسم کے کیڑے کلبلائے اور وہ آہستگی سے کمرے میں اتر گیا۔

وہ میز کی طرف گیا اور پنسل اٹھا کر کچھ لکھنے لگا۔ اچانک باہر قدموں کی آواز سنائی دی۔ انور چونک کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔ میز کے پیچھے بڑی سی لکڑی کی الماری رکھی ہوئی تھی۔ دوسرے لمحے میں وہ اس الماری کے پیچھے تھا۔ کمرے کا دروازہ کھلا اور داراب دو آدمیوں کے ساتھ اندر داخل ہوا۔

"تم لوگوں کا خیال ہے کہ وہ ڈوب گیا۔" داراب نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے ان آدمیوں سے کہا۔ اس کی نظر کاغذ پر پڑی جس پر انور نے کچھ لکھا تھا۔

"ارے....!" وہ بے اختیار اچھل پڑا۔ چند لمحے ٹکٹکی لگائے کاغذ کی طرف دیکھتا رہا پھر اُن آدمیوں کو مخاطب کر کے بولا۔ "دیکھا تم نے.... یہ دیکھو.... وہ ابھی اسی کمرے میں تھا۔ وہ ابھی یہیں قریب ہوگا۔"

"ہمارے آدمی اُسے جھاڑیوں میں تلاش کر رہے ہیں۔" ایک نے کہا۔

"اب اس کا خاتمہ ہی بہتر ہے۔" داراب بولا۔ "مجھ سے بڑی غلطی ہوئی۔ مجھے پہلے ہی اسے ختم کر دینا چاہئے تھا۔ میں نے یہ سوچا تھا کہ کام کا آدمی ہے اگر کسی طرح اپنے ساتھ مل جائے تو کیا کہنا.... یہ اچھی طرح سمجھ لو کہ اگر وہ اس وقت بچ کر نکل گیا تو ہمیں یہ عمارت چھوڑنی پڑے گی۔ ابھی پولیس کو ہماری جائے رہائش کا علم نہیں ہوا۔"

"کہیں وہ ہمارے کسی آدمی پر اندھیرے میں وار نہ کرے۔" ایک بولا۔

"مطمئن رہو۔ اُس کے پاس پستول نہیں ہے۔"

"تو کیا وہ نہتا ہم لوگوں میں گھس آیا ہے۔" ایک آدمی متحیرانہ انداز میں بولا۔

"میرا خیال ہے کہ اس کا دماغ خراب ہے، بہر حال اس کا زندہ رہنا ٹھیک نہیں.... کم بخت جونک کی طرح لپٹ جاتا ہے۔"

انور الماری کے پیچھے بیٹھا مسکرا رہا تھا۔ لیکن اچانک ایک نئی مصیبت نازل ہوئی۔ یہ کمبخت اس وقت ناک میں سرسراہٹ کہاں سے؟ اس نے لاکھ کوشش کی.... مگر چھینک آ ہی گئی.... اور چھینک بھی ایسی فلک شگاف کہ کمرہ گونج کر رہ گیا۔ انور کو ایسا محسوس ہوا جیسے وہ چھینک نہیں بلکہ رائفل کی گولی تھی، جو اس کے سینے سے پار ہو گئی۔ اس کے ہاتھ پیر ڈھیلے پڑ گئے اور دوسرے ہی لمحے میں داراب پستول لئے اس کے سامنے کھڑا تھا۔

"باہر نکلو....!" داراب گرج کر بولا۔

انور چپ چاپ ہاتھ اٹھائے ہوئے باہر آ گیا حالانکہ اس اچانک حادثے کی وجہ سے جس کے لئے وہ قطعی تیار نہیں تھا اس کی ہمت جواب دے گئی تھی۔ مگر وہ برابر مسکرائے جا رہا تھا۔

داراب نے اس کا گریبان پکڑ کر اپنے گروہ کے آدمیوں کی طرف دھکیل دیا۔ انور جیسے ان پر گرا انہوں نے اپنے بازوؤں میں جکڑ لیا۔

"ابھی بچے ہو۔" داراب طنزیہ انداز میں قہقہہ لگا کر بولا۔

انور نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس کا ذہن بڑی تیزی سے کام کر رہا تھا۔ لیکن اب کوئی گنجائش نہ رہ گئی تھی۔ اگر وہ ان دونوں کی گرفت سے آزاد ہو بھی جاتا تو داراب کے پستول کی گولی اُسے کب چھوڑتی۔

"لے چلو....!" داراب دروازے کی طرف اشارہ کرتا ہوا بولا۔ "کمرہ نمبر چار میں جہاں انور ہی کی نسل کا ایک فرد اس کا خیر مقدم کرے گا۔"

وہ دونوں انور کو کھینچتے ہوئے لے چلے۔ ان کے پیچھے داراب پستول تانے چل رہا تھا۔

"تمہاری ذرا سی حرکت تمہیں جہنم میں پہنچا دے گی۔" داراب نے کہا۔

انور بدستور خاموش رہا۔ وہ بغیر کسی جدوجہد کے چل رہا تھا۔ اس نے بھاگنے کی ذرا بھی کوشش نہ کی وہ بظاہر پر سکون نظر آ رہا تھا لیکن ذہن میں انتشار برپا تھا۔

وہ لوگ زینے طے کر کے نیچے صحن میں آئے۔ ایک کمرے کے سامنے پہنچ کر دونوں رک گئے۔ داراب نے بڑھ کر کمرے کا دروازہ کھولا۔ اندر اندھیرا تھا۔ انور کو اندر دھکیل کر دروازہ باہر سے بند کر لیا گیا اور پھر فوراً کمرے کا بلب روشن ہو گیا۔ سامنے نظر پڑتے ہی انور کے اوسان خطا ہو گئے۔ ایک خوفناک ریچھ ایک جالی دار کٹہرے سے نکلنے کی کوشش کر رہا تھا۔ کمرہ کافی بڑا تھا جسے درمیان میں لوہے کی سلاخوں کو جالی دار کٹہرا لگا کر دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا تھا۔ کٹہرا چھت سے ملا ہوا تھا۔ کٹہرے کی چھوٹی کھڑکی کھلی ہوئی تھی۔ قبل اس کے کہ ریچھ اس پر حملہ کرتا وہ جھپٹ کر کٹہرے پر چڑھنے لگا۔ چھت کے قریب پہنچ کر وہ کٹہرے میں چھپکلی کی طرح چپک گیا۔ مگر اس طرح جان بخشی مشکل تھی۔ ریچھ پہلے تو اُسے تھوڑی دیر تک نیچے سے دیکھتا رہا پھر اس نے بھی کٹہرے پر چڑھنے کی ٹھانی۔ انور کے سارے جسم سے پسینہ چھوٹ پڑا۔ لیکن اس کا ذہن بڑی تیزی سے کام کرنے لگا تھا۔ اس نے ایک ہاتھ سے اپنی ٹائی کھول کر گردن سے کھینچ لی اور پھر سگار لائٹر نکال کر ٹائی میں آگ لگا دی۔ جب یہ یقین ہو گیا کہ آگ بجھ نہیں سکتی تو اس نے اُسے کٹہرے پر چڑھتے ہوئے ریچھ پر پھینک دیا۔ جلتی ہوئی ٹائی اس کے گنجان بالوں سے چپک کر رہ گئی۔ ریچھ نے ایک بھیانک چیخ ماری اور تڑپ کر نیچے جا رہا۔ اسی کے ساتھ انور بھی اس طرح چیخنے لگا جیسے ریچھ نے اس پر حملہ کر دیا ہو۔ باہر داراب کے قہقہے کی آواز سنائی دی۔ ریچھ زمین پر لوٹ لوٹ کر اپنے بالوں میں لگی ہوئی آگ بجھانے کی کوشش کر رہا تھا۔ انور برابر چیخے جا رہا تھا۔ وہ باہر کھڑے ہوئے آدمیوں کو اس بات کا یقین دلانا چاہتا تھا کہ ریچھ نے اس پر حملہ کر دیا ہے، ورنہ ممکن ہے کوئی اور نئی مصیبت نازل ہو جائے۔

داراب برابر ہنسے جا رہا تھا۔

”کیوں انور دیکھ لی داراب کی قوت.....!“ وہ باہر سے چیخ کر بولا۔

انور اندر سے چیخا۔ ”ارے.... ارے.... بب.... نہیں.... نہیں.... خیر.... ارے بچاؤ.... خیر نہیں.... بچاؤ۔“

ریچھ ابھی تک زمین پر لوٹ رہا تھا اور اس کے حلق سے غصیلی آوازیں نکل رہی تھیں۔

انور نے اس دوران میں جیب سے رومال بھی نکال لیا تھا تاکہ دوسرے حملے پر اُسے بھی جلد از جلد استعمال کیا جا سکے۔

تھوڑی دیر کے بعد ریچھ پھر اٹھ کر کٹہرے کی طرف جھپٹا۔ رومال اور سگار لائٹر پہلے ہی سے تیار تھے۔ جیسے ہی انور نے سگار لائٹر جلا دیا۔ ریچھ غرا کر پیچھے ہٹ گیا انور ایک لمحہ خاموش رہنے کے بعد پھر چیخنے لگا۔ اس نے ایک بار پھر سگار لائٹر جلا کر ریچھ کو دھمکی دی اور ریچھ گھبرا کر کٹہرے میں گھسنے لگا۔ ابھی اس کا آدھا دھڑ باہر ہی تھا کہ انور نے رومال میں بھی آگ لگا کر اس پر ڈال دیا۔ وہ چیخ کر اندر گھس گیا اور پھر زمین پر لوٹنے لگا۔ انور پھرتی سے نیچے اترا اور کٹہرے کی کھڑکی بند کر کے ریچھ کے سامنے چیخنے لگا۔

”اُف.... ہائے.... ہاؤ.... بچاؤ.... باچ باچ.... باؤچ....!“

اور پھر اس کی آواز اس طرح ڈوبتی گئی جیسے وہ ختم ہو رہا ہو۔ پھر دفعتاً بالکل خاموش ہو گیا۔ ریچھ بدستور غرائے جا رہا تھا۔ انور نے ایک بار پھر سگار لائٹر جلایا اور وہ سہم کر ایک کونے میں دبک گیا۔

”ختم ہو گیا۔“ باہر سے آواز آئی اور قدموں کی آہٹیں دور ہوتی گئیں۔

انور کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ فرشتوں جیسی معصوم مسکراہٹ، ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے ابھی کچھ دیر قبل وہ اس ریچھ کو تارک الدنیا ہو جانے کا سبق دیتا رہا ہو۔ نیکی، سچائی اور ایمان داری کی تلقین کرتا رہا ہو۔

کمرے میں چاروں طرف بڑے بڑے روشندان تھے۔ وہ پھر کٹہرے پر چڑھنے لگا۔ احتیاطاً اس نے سگار لائٹر جلا لیا تھا۔ ریچھ دو ٹانگوں پر کھڑا ہو کر دور ہی سے فوں فوں کرتا رہا۔

انور روشندان میں پہنچ چکا تھا۔ وہ تھوڑی دیر تک آہٹ لیتا رہا پھر دونوں ہاتھ باہر نکال کر چھت پر ٹیکے اور دوسرے لمحے میں اس کا پورا جسم دائرہ بناتا ہوا چھت پر تھا۔ وہ آہستہ آہستہ سینے کے بل رینگنے لگا۔ چاروں طرف سناٹا تھا۔ وہ آگے بڑھ ہی رہا تھا کہ اُسے قریب ہی کہیں پٹرول کی بو محسوس ہوئی۔ وہ اسی طرف بڑھنے لگا۔ آگے ایک چھوٹی سی کوٹھری تھی جس میں دروازہ نہیں تھا۔ غالباً یہاں زمانہ جنگ میں جب کہ یہ عمارت فوج کے قبضے میں تھی یہاں سنتری کھڑا ہوتا رہا ہوگا۔ انور اس کے قریب جا کر رک گیا۔ پٹرول کی بو اس کے اندر سے آ رہی تھی۔ وہ اس کے اندر گھس گیا۔ یہاں کئی کنستروں میں پٹرول رکھا تھا۔ انور کے دماغ میں پھر کیڑے کلبلائے۔ وہ چاروں طرف دیکھنے لگا۔ ایک طرف ایک موٹی سی رسی کا لچھا پڑا ہوا تھا۔ وہ کوٹھری سے نکل کر

چھت کے کنارے پر آیا۔ نیچے اندھیرے کی چادر پھیلی ہوئی تھی اور دریا کے بھرے بکھرے ستاروں کا عکس ناچ رہا تھا۔ انور نے لوٹ کر رسی کا لچھا کھولا اور اس کا ایک سرا کوٹھری کے باندھ دیا۔ پھر پٹرول کے کنستر نکال نکال کر چھت پر انڈیلنے لگا۔ اور رسی کو بھی پٹرول میں بھگو کر اس کا دوسرا سرا نیچے پھینک دیا۔

چند لمحوں کے بعد وہ اسی رسی کے سہارے نیچے اتر رہا تھا۔ زمین پر پیر ٹکتے ہی اس نے سب سے پہلے دریا میں اپنے ہاتھ دھوئے اور پھرتی سے دیوار کی طرف پلٹا۔ پھر سگریٹ لائٹر جلا کر رسی میں آگ لگا دی۔

اب وہ جھاڑیوں میں گھس کر گھنے جنگل کی طرف بھاگ رہا تھا۔ تھوڑی دور جا کر وہ پلٹا عمارت سے شعلے بلند ہو رہے تھے۔ پھر شور بھی سنائی دینے لگا۔ وہ آہستہ آہستہ چلنے لگا۔ دفعتاً کہیں موٹر سائیکل کی آواز سنائی دی اور انور نے بے تحاشہ سڑک کی طرف دوڑنا شروع کر دیا سڑک تک پہنچتے پہنچتے موٹر سائیکل کی ہیڈ لائیٹ دکھائی دینے لگی۔ وہ بدستور اسی طرف بھاگتا رہا پھر اچانک سڑک کے بیچ میں آکر دونوں ہاتھ اٹھا لئے۔ موٹر سائیکل رک گئی اور سوار کا ہاتھ بے اختیار جیب کی طرف گیا۔

"رشو.... میں ہوں۔" انور نے کہا اور اس کے قریب پہنچ گیا۔

"تم....!" رشیدہ ہنس کر بولی۔ "یہ تم نے اپنے چہرے پر ڈاڑھی کیوں لگا رکھی ہے۔"

"پھر بتاؤں گا....؟ تم فوراً واپس جاؤ۔ میں نے اس عمارت میں آگ لگا دی ہے۔"

"ارے جنگلی....!" رشیدہ ہنس کر بولی۔

"پستول لائی ہو تو مجھے دے دو.... اور ہاں یہ روپے رکھو سگریٹ کیس کی قیمت وصول کر لی گئی۔ اچھا جاؤ۔ جلدی کرو۔"

"نہیں جاتی۔"

"ضد مت کرو۔ یہ لوگ اب یہاں سے کہیں اور بھاگیں گے اگر یہ موقع ہاتھ سے نکل گیا پھر ان کا ہاتھ لگنا مشکل ہے۔"

"تو کیا ہوا ہم دونوں ساتھ رہیں گے۔"

"نہیں بلکہ ساتھ مریں گے۔" انور جھلا کر بولا۔

"یہ میری دلی خواہش ہے۔"

"میں چانٹا مار دوں گا۔"

"میرے بھی ہاتھ ہیں۔"

"خدا کے لئے جاؤ تم یہاں سے۔" انور دانت پیس کر بولا۔

بدقت تمام اس نے رشیدہ کو واپس کیا اور پھر جنگل میں گھس کر عمارت کی طرف چل پڑا۔ ایک طرف کچھ لوگ آگ بجھانے میں مشغول تھے۔ غالباً یہ وہ ملاح تھے جو دریا کے کنارے جھونپڑوں میں رہتے تھے۔ سڑک پر ایک بڑی سی لاری کھڑی تھی جس پر سامان لادا جا رہا تھا۔ ایک آدمی کسی کو پیٹھ پر لادے ہوئے باہر آیا۔ اس کے ہاتھ پیر رسیوں سے جکڑے ہوئے تھے۔ اسے بھی لاری میں ڈال دیا گیا۔ انور نے معنی خیز انداز میں سر ہلایا اور جھاڑیوں میں دبکتا ہوا لاری کی طرف بڑھنے لگا۔ آہستہ آہستہ شور کم ہوتا جا رہا تھا۔ غالباً ان لوگوں نے آگ پر قابو پا لیا تھا۔

معزز لٹیرا

تین بجے رات کو انور اپنے فلیٹ میں بیٹھا رشیدہ کے سامنے اپنے کارنامے دہرا رہا تھا اور رشیدہ بے تحاشہ ہنس رہی تھی۔

"اور پھر وہ لاری چل پڑی۔" انور سگریٹ سلگاتا ہوا بولا اور میں لاری کی چھت پر چت لیٹا ہوا تاروں بھرے آسمان سے سرگوشیاں کر رہا تھا۔ نیچے داراب اور اس کے ساتھی میری شان میں قصیدہ پڑھ رہے تھے۔ میرے قتل کے لئے اسکیمیں بنائی جا رہی تھیں اور میں ان کے سروں پر لیٹا ہوا ستاروں کو آنکھ مار رہا تھا۔ مگر رشو میں تمہاری زندگی کا راز جاننا چاہتا ہوں۔ کیا واقعی تمہاری شخصیت اتنی پُراسرار ہے جتنی داراب سمجھتا ہے۔"

"کیا مطلب....!" رشیدہ چونک کر بولی۔

"داراب تمہاری گرفتاری کے امکانات پر بھی غور کر رہا تھا۔ وہ اپنے ساتھیوں سے کہہ رہا تھا کہ اسے تمہارے متعلق ایک گہرے راز کا علم ہو گیا ہے اگر وہ کسی طرح تمہیں پکڑنے میں کامیاب ہو جائے تو لاکھوں روپے کمائے گا۔"

"کیا تم سچ کہہ رہے ہو۔" رشیدہ بے اختیار کھڑی ہو کر بولی۔

"قطعی میں تم سے جھوٹ نہیں بولتا۔ اسی لئے میں وہ راز جاننا چاہتا ہوں تاکہ تمہاری حفاظت کی جاسکے۔"

"تم میری حفاظت نہیں کر سکتے۔" رشیدہ آہستہ سے بڑبڑائی۔ "میری حفاظت کا دارومدار اس شخص کی موت پر ہے جو میرے راز سے واقفیت رکھتا ہے۔ داراب کا خاتمہ پھانسی کے تختے سے پہلے ہو جانا چاہئے۔"

"تو تم مجھے کچھ نہیں بتاؤ گی۔"

"میں ابھی مجبور ہوں۔" رشیدہ فکر مند لہجے میں بولی۔ "ویسے میرے لئے سب کچھ تم ہی ہو۔"

"مجبوری کیسی؟"

"تم نہیں سمجھتے اور نہ میں ابھی تمہیں کچھ سمجھا سکتی ہوں۔ اب یہاں میرا رہنا ٹھیک نہیں۔ میں جارہی ہوں۔ تم کم از کم ایک ہفتے کی چھٹی کے لئے درخواست دے دینا۔"

"لیکن تم جاؤ گی کہاں۔"

"کہیں اور.... اب میں یہاں قطعی غیر محفوظ ہوں۔ داراب کی موت سے پہلے میں تمہیں نہ مل سکوں گی۔ مگر وہ گروہ اب کہاں ہے۔"

"شہباز پور کے شاہی سرائے میں۔ میرا خیال ہے کہ وہ عمارت بھی پہلے ہی سے ان کے قبضے میں تھی۔ لیکن رشو! میں تمہیں اس طرح نہ جانے دوں گا۔"

"میں وہاں تنہا نہ جاؤں گی۔ تم مطمئن رہو۔ لیکن مجھے روکنے کی کوشش نہ کرو۔ یہ میری زندگی اور موت کا سوال ہے۔"

"یہاں اس مکان میں تو اب میں بھی محفوظ نہیں ہوں۔ مجھے بھی کوئی نہ کوئی دوسرا طریقہ اختیار کرنا پڑے گا۔ پھر ہم ساتھ ہی کیوں نہ رہیں۔"

"نہیں....!" رشیدہ نے سخت لہجے میں کہا۔ "تمہیں میرا کہنا ماننا ہی پڑے گا۔ تم نے مجھے جو تین سو روپے دیئے ہیں ان میں سے سو تم اپنے پاس رکھو۔ دو سو میں رکھوں گی۔"

"تم سب لے جاؤ۔"

"نہیں....!" رشیدہ نے کہا اور گن کر سو روپے اسے دیتے ہوئے بولی۔ "موٹر سائیکل بھی

میں لے جاؤں گی۔"

انور خاموشی سے اسے گھورتا رہا۔ اس وقت رشیدہ اسے انتہائی پراسرار معلوم ہو رہی تھی۔ آج سے قبل اس نے اس کی آنکھوں میں اتنے پختہ ارادوں کی جھلک نہیں دیکھی تھی۔

"میرے ساتھ نیچے تک چلو۔" رشیدہ نے انور سے کہا۔

دونوں نیچے آئے۔ انور نے گیراج کھول کر موٹر سائیکل نکالی۔ دوسرے لمحے میں رشیدہ اس پر بیٹھ چکی تھی اور موٹر سائیکل ویران سڑک پر فراٹے بھر رہی تھی۔

انور پھر اپنے کمرے میں لوٹ آیا۔ ایک گھنٹے بعد جب وہ اپنے کمرے سے برآمد ہوا تو کوئی یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ یہ وہی انور ہے جس کے چہرے کی جاذبیت نہ جانے کتنے دلوں میں گدگدیاں پیدا کر دیا کرتی تھی۔ اس کے چہرے پر پڑی ہوئی مصنوعی پھنسیوں میں مرہم لگا ہوا تھا۔ منہ سے رال بہہ رہی تھی اور آنکھ اس طرح بنائی گئی تھی جیسے وہ کانا ہو۔ سنہرے بالوں میں سیاہ رنگ کے خضاب نے تنفر آمیز گدلا پن پیدا کر دیا تھا جسم پر انتہائی کثیف اور بدبودار کپڑے تھے۔ ہاتھ میں ایک بھدا سا ڈنڈا تھا۔

اور دوسری صبح کو وہ اسی ہیئت میں انسپکٹر آصف کے گھر میں بیٹھا ہوا اس سے سرگوشیاں کر رہا تھا۔

"تم نے سچ مچ کمال کر دیا۔" آصف اسے تعریفی نظروں سے دیکھتا ہوا بولا۔ "اتنا کامیاب بھیس میں نے آج تک نہیں دیکھا۔"

"بس استاد کو دعائیں دیتا ہوں۔" انور ہنس کر بولا۔

"کون استاد....!" آصف نے پوچھا۔

"انسپکٹر فریدی۔"

آصف نے نفرت سے ہونٹ سکوڑ لئے۔ اگر کوئی اور موقع ہوتا تو شائد وہ انسپکٹر فریدی کے نام پر گالیاں بکنا شروع کر دیتا۔ مگر اس وقت عقلمندی کا یہی تقاضا تھا کہ وہ خاموش رہے۔ وہ ان حالات میں انور سے الجھنا نہیں چاہتا تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ بولا۔

"داراب کی شخصیت پولیس کے لئے انتہائی پراسرار ہے۔ ہم یہ ثبوت کہاں سے بہم پہنچائیں گے کہ وہی داراب ہے۔"

"کیا یہ کافی نہیں کہ تم اغواشدہ کرنل کو اس کے قبضے سے برآمد کرلو گے اور پھر اس کے بعد کے معاملات مجھ پر چھوڑ دو۔ میں سب ٹھیک کرلوں گا۔"

"حملہ رات ہی کو مناسب ہوگا۔" آصف بولا۔

"یہ سب سے بڑی حماقت ہوگی۔" انور سنجیدگی سے بولا۔ "دن میں ہم قصبہ والوں کی بھی مدد حاصل کرسکیں گے۔ میں نہیں چاہتا کہ داراب بچ نکلے۔ ورنہ پہلے سے بھی زیادہ خطرناک ہوجائے گا۔" آصف کچھ سوچنے لگا۔ انور پھر بولا۔ "انکے پاس اسلحے کا کافی ذخیرہ ہے اسکا خاص طور پر خیال رکھنا اور تجوری والے ٹرانسمیٹر سے تو تم نے یہ اندازہ لگالیا ہوگا کہ وہ گروہ کتنا منظم ہے۔"

"اچھا تم یہیں ٹھہرو۔" آصف نے کہا۔ "میں اس سلسلے میں آفیسروں سے مشورہ لینا چاہتا ہوں۔"

"ضرور.... لیکن بہت زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے۔ داراب کے آدمی یقیناً میری تلاش میں ہوں گے اور ہاں میری ایک تجویز اور بھی ہے کہ چھاپہ مارنے والے والے سپاہی وردیوں میں نہیں ہوں گے۔ داراب بہت زیادہ محتاط ہوگیا ہے۔"

آصف تھوڑی دیر کھڑا سوچتا رہا پھر کپڑے پہن کر باہر چلا گیا۔

انور ایک آرام کرسی پر لیٹا ہوا اطمینان سے سگریٹ کا دھواں اڑا رہا تھا۔

انور یونہی لیٹے لیٹے مسکراتا رہا۔ دفعتاً اُسے رشیدہ کا خیال آگیا۔ اس کے اس عجیب وغریب رویے پر اُسے حیرت ہورہی تھی آخر اس کی زندگی سے کونسا ایسا راز وابستہ ہے جسے وہ اس سے چھپا رہی ہے۔ داراب اسے قابو میں کرلینے کے بعد لاکھوں روپے کس طرح حاصل کرسکتا ہے۔ اسے رشیدہ اتنی پراسرار کبھی نظر نہ آئی تھی وہ اس وقت معلوم نہیں کہاں اور کس حال میں ہوگی۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ رشیدہ اسے اس راز کے متعلق کبھی کچھ نہ بتائے گی وہ اس کی ضدی طبیعت سے اچھی طرح واقف تھا۔ اس نے یہ بھی تو کہا تھا کہ داراب کو پھانسی کے تختے سے پہلے ہی مرجانا چاہیے۔ تو کیا وہ اس فکر میں ہے اگر ایسا ہے تو وہ ایک زبردست حماقت کرنے جارہی ہے۔ وہ تنہا اس کا مقابلہ نہ کرسکے گی۔ انور انہیں سب خیالات میں ڈوبا ہوا آرام کرسی پر سوگیا۔

تقریباً بارہ بجے آصف نے آکر جگایا۔

"سارے انتظامات مکمل ہوچکے ہیں۔" آصف نے کہا۔ "دوسرے آفیسروں کی بھی یہی رائے ہے کہ چھاپہ دن ہی میں مارا جائے۔" اس کے بعد وہ انتظامات کے متعلق بتانے لگا۔

تھوڑی دیر بعد کئی لاریاں اور دو تین جیپ کاریں شہباز پور کی طرف جارہی تھیں۔ یہ سب گاڑیاں مونسپلٹی کی تھیں۔ ان پر مزدور بیٹھے ہوئے تھے۔ کدالوں پھاوڑوں اور دوسرے اوزاروں کا انبار تھا۔ ایسا معلوم ہورہا تھا جیسے وہ کہیں سڑک بنانے جارہے ہوں۔ جیپ کاروں پر شائد محکمہ تعمیرات کے آفیسر تھے۔ ایک لاری پر انور بھی اپنے بدلے ہوئے بھیس میں موجود تھا۔

شہباز پور پہنچ کر ان گاڑیوں نے شاہی سرائے کو اپنے حلقے میں لے لیا۔ یہ ایک بہت پرانی عمارت تھی اور شاہی سرائے کے نام سے مشہور تھی۔ ویسے درحقیقت یہ سرائے نہیں تھی۔ مزدور اپنے ہاتھوں میں رائفلیں لے کر اترنے لگے۔ لیکن شاید اس عمارت کے رہنے والے پہلے ہی سے ہوشیار ہوگئے۔ قبل اس کے کہ کوئی عمارت کی طرف پیش قدمی کرتا کھڑکیوں اور روشندانوں سے گولیوں کی بارش ہونے لگی۔ دو ایک سپاہی پہلی ہی باڑھ میں مارے گئے۔ آخر کار انہوں نے جلد از جلد لاریوں اور جیپوں کی آڑ لے لی اور ادھر سے بھی باڑھ ماری گئی۔ عمارت کا صدر دروازہ ابھی تک کھلا ہوا تھا۔ لیکن کسی کی آگے بڑھنے کی ہمت نہیں پڑرہی تھی۔ انور ایک لاری کے پیچھے دبکا ہوا تھا۔ اس نے سوچا کہ اگر کہیں یہ دروازہ بند ہوگیا تو پھر نہ جانے کب تک اسی طرح فضول کارتوس برباد کیے جائیں گے۔ سارے قصبے میں ہلڑ مچ گیا تھا۔ لوگ دور ہی سے کھڑے شور مچا رہے تھے لیکن قریب آنے کی ہمت نہیں پڑرہی تھی۔ شاید ان کی سمجھ میں ہی نہ آیا ہو کہ یک بیک یہ کیا ہونے لگا۔ انور نے آؤ دیکھا نہ تاؤ جھٹ لاری کے اندر گھس کر اسے صدر دروازے تک ڈرائیو کرلے گیا۔ دوسرے ہی لمحے میں وہ اچھل کر ڈیوڑھی میں پہنچ گیا۔ اس دوران میں کئی گولیاں لاری کی چھت توڑ کر اندر آئیں۔ انور دروازے پر ڈٹ گیا۔ وہ اوپر کی گولیوں سے محفوظ ہوگیا تھا۔ دفعتاً ڈیوڑھی میں دو آدمی دکھائی دیئے۔ انور نے ریوالور نکال کر انہیں وہیں ڈھیر کردیا۔

"اکیلے اندر مت جانا۔" آصف چیخا۔

"ارے اسی لاری کی آڑ لے کر آگے کیوں نہیں بڑھتے۔" انور دانت پیس کر بولا۔ "اس کے نیچے سے پیٹ کے بل رینگ آؤ۔"

پولیس کے دس بارہ جوان لاری کے نیچے رینگتے ہوئے دروازے کے قریب پہنچ گئے۔ ان میں آصف بھی تھا۔ باہر بدستور گولیاں چل رہی تھیں۔ انور وغیرہ اندر ہی جارہے تھے کہ دفعتاً

جیپ کار اسٹارٹ ہوئی۔ انور چونک کر پلٹا اور بے اختیار چیخ پڑا۔

"ارے لو وہ داراب نکل گیا۔ یہ کم بخت اندر سے نکلا کیسے۔" جیپ سڑک پر فراٹے بھر رہی تھی۔

"ٹھہرو.....!" آصف اسے روک کر بولا۔ "بدحواسی اچھی نہیں۔ اب یہاں سے ہٹنا موت کو دعوت دینا ہے۔ گولیوں کی زد میں آجاؤ گے۔"

دفعتاً سڑک پر ایک موٹر سائیکل دکھائی دی جس پر ایک سکھ بیٹھا ہوا تھا۔ وہ موٹر سائیکل اسی سمت میں جا رہی تھی جدھر داراب گیا تھا۔

"ہے..... ہے سردار جی۔" انور زور سے چیخا۔ "ادھر ایک مجرم جیپ پر گیا ہے۔"

لیکن یہ اس کا ایک احمقانہ فعل تھا۔ موٹر سائیکل والے نے شاید سنا بھی نہ ہو۔ کیونکہ وہ بھی کافی تیز رفتاری کے ساتھ جا رہا تھا۔ عجیب بے بسی کا عالم تھا۔ انور کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اب کیا کرے۔ دفعتاً وہ دیوانہ وار اندر گھس پڑا۔ اس کے پیچھے آصف وغیرہ تھے۔ اندر انہیں بہت سخت جنگ کرنی پڑی۔ یہاں بھی دو تین سپاہی زخمی ہو گئے تھے۔ اس سے باہر والوں کو بھی اندر گھسنے کا موقع مل گیا۔ تھوڑی دیر کی جدوجہد کے بعد مجرموں نے اسلحے پھینک دیئے اور خود کو گرفتاری کے لئے پیش کر دیا۔

"آصف جلدی کرو شائد داراب مل ہی جائے۔" انور دروازے کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

اور وہ دونوں مسلح سپاہیوں کیساتھ ایک جیپ میں اسی سمت روانہ ہو گئے جدھر داراب گیا تھا۔

دو تین میل کی مسافت طے کرنے کے بعد انہیں گولیاں چلنے کی آوازیں سنائی دیں۔ کچھ دور چل کر وہی جیپ سڑک پر کھڑی دکھائی دی جس پر داراب فرار ہوا تھا۔ اس کے اندر سے فائر ہو رہے تھے اور دوسری طرف جھاڑیوں میں کوئی اس جیپ پر گولیاں برسا رہا تھا۔ دفعتاً ایک چیخ سنائی دی اور داراب اچھل کر سڑک پر آرہا۔ گولی اس کی پیشانی پر لگی تھی۔ اس کے گرتے ہی جھاڑیوں سے ایک موٹر سائیکل نکل کر سڑک پر آئی جس پر ایک سکھ بیٹھا ہوا تھا۔ پولیس افسروں نے پستول نکال لئے اور انور چونک پڑا۔

"خبردار موٹر سائیکل روک دو۔" آصف گرج کر بولا اور موٹر سائیکل رک گئی۔

"میں نے کوئی جرم نہیں کیا۔" سکھ مسکرا کر بولا۔ "میں ان دس ہزار روپوں کا مستحق ہوا جو حکومت نے اسے زندہ یا مردہ گرفتار کرنے والے کے لئے وقف کئے تھے۔"

"بڑی سریلی آواز ہے سردار جی تمہاری۔" انور مسکرا کر بولا۔

سکھ انور کو گھورنے لگا۔ خود انور نے آگے بڑھ کر اس کی ڈاڑھی نوچ ڈالی اور سر پر بندھی ہوئی پگڑی اتار کر ایک طرف ڈال دی۔

"ارے کون..... رشیدہ.....!" آصف اچھل کر بولا۔

"جی جناب۔" رشیدہ مسکرا کر بولی۔ لیکن پھر فوراً ہی گھبرائے ہوئے لہجے میں پوچھنے لگی۔

"انور کہاں ہے؟"

وہ انور کو اس کریہہ بھیس میں پہچان نہ سکی تھی۔ انور جلدی سے داراب کی لاش کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"کیوں آصف کیا یہ وہی شخص نہیں ہے۔" انور بھرائی ہوئی آواز میں بولا، جو پلازا میں ڈائریکٹر تھا اور جس کی لاش تمہیں جلی ہوئی کار میں ملی تھی۔ اب آؤ اور قریب آجاؤ۔ کرنل جاوید اپنی جوانی کے زمانے میں بالکل ایسا ہی تھا۔ ذرا اس کی ڈاڑھی پر بھی زور آزمائی کرو۔ مگر اس سے کام نہ چلے گا۔ اس نے پلاسٹک میک کر رکھا ہے۔"

انور نے جھک کر اس کی ڈاڑھی کے بال نکالنے شروع کئے۔ پھر چہرے پر متعدد جگہ چپکے ہوئے پلاسٹک کے ٹکڑے بھی نکالے اور دفعتاً چیخ کر اچھل پڑا۔

"ارے یہ تو صابر انجینئر ہے۔"

"آداب عرض.....!" انور جھک کر بولا۔ "جو کچھ میں کہہ دیا کروں اسے پتھر کی لکیر سمجھا کرو۔ میں انسپکٹر فریدی کا شاگرد ہوں۔" پھر وہ رشیدہ کی طرف متوجہ ہوا، جو حیرت سے آنکھیں پھاڑے کھڑی تھی۔

"کیوں رشو ٹھیک ہے نا۔" انور اپنی صحیح آواز میں بولا اور رشیدہ اچھل پڑی۔

"ارے یہ تم ہو! گندے..... لیچڑ.....!" انور ہنسنے لگا۔

"اور ہاں جناب آصف صاحب کل جو عورت کار میں ایک پُراسرار دھماکے سے زخمی ہوئی تھی اُسے بھی حراست میں لے لینا۔ اس کا تعلق بھی داراب کے گروہ سے ہے اور اس کے شوہر کو بھی..... کیا سمجھے۔"

"وہ کیسے.....!"

"اس کا ثبوت میں فراہم کروں گا۔" انور نے کہا۔ "کرنل جاوید بر آمد ہی ہو گیا ہے۔ اب کوئی خاص مسئلہ باقی نہیں رہا۔ تم ان سب کو لدواؤ.... اور ہم لوگ چلے۔ اگر ہماری ضرورت پڑے تو کوتوالی میں بلوا سکتے ہو۔ اور ہاں کوئی گڑبڑ.... نہ ہونے پائے۔ دس ہزار والا انعام رشیدہ ہی کا حق ہے۔ اگر یہ اچانک بیچ میں نہ آکودتی تو ہم داراب کی گرد کو بھی نہ پاسکتے۔"

تھوڑی دیر بعد وہ دونوں موٹر سائیکل پر شہر کی جانب واپس جا رہے تھے۔

"تم نے اسے روکا کیسے۔" انور نے پوچھا۔

"اتفاق.... محض اتفاق.... اچانک جیپ چلتے چلتے خراب ہو گئی تھی۔"

"رشو اگر مار ڈالی جاتیں تو کیا ہوتا۔" انور غم ناک لہجے میں بولا۔

"تو تمہارا کیا بگڑتا۔"

"بگڑتا تو کچھ نہیں.... مگر.... رشو....!"

"ہاں مگر کیا۔"

"کچھ نہیں....!"

"کچھ نہیں.... میں سمجھی شاید۔"

"چھوڑو بھی.... رشو ڈارلنگ.... مجھے بھوک لگ رہی ہے۔"

"جانور....!" رشیدہ نے ہونٹ سکوڑ کر کہا اور کچھ سوچنے لگی۔

ختم شد